نوائے غزوۂ ہند

برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

اگست ۲۰۲۶ء | ربیع الاول ۱۴۴۸ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

نبیٔ اکرم، شفیعِ اعظم! دکھے دلوں کا پیام لے لو

تمام دنیا کے ہم ستائے ہوئے کھڑے ہیں سلام لے لو

صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم!

امین الامت سیدنا ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی نصیحت

حضرت سعید بن ابی سعید مقبری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی قبر اُردن میں ہے، جب وہ
طاعون میں مبتلا ہوئے تو وہاں جتنے مسلمان تھے ان سب کو بلا کر فرمایا:

''میں تمہیں وصیت کرنے لگا ہوں ...... اگر تم اسے قبول کرو گے تو ہمیشہ خیر پر رہو گے...... نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، صدقہ خیرات دو، حج اور عمرہ کرتے رہو، ایک دوسرے کو وصیت کرو، اپنے امرا کی خیر خواہی کرو، ان کو دھوکہ نہ دو اور دنیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائے...... اگر کسی آدمی کو ہزار برس کی زندگی بھی مل جائے تو آخر اسے اسی جگہ جانا ہوگا جہاں آج تم مجھے جاتا ہوا دیکھ رہے ہو...... اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم پر موت کو لکھ دیا ہے، لہٰذا ان سب کو مرنا ہے اور ان میں سب سے زیادہ عقل مند وہ ہے جو اپنے رب کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہے اور اپنی آخرت کے لیے سب سے زیادہ عمل کرنے والا ہے...... والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''

[ابن عساکر]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۹، شمارہ نمبر: ۷

اگست ۲۰۲۶ء ربیع الاول ۱۴۴۸ھ

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا انیسواں ۱۹ سال!

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email)

پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.org

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

ContactNGH.313

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھائیوں سے ملوں۔‘‘ صحابہؓ نے عرض کیا: ’’کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟‘‘ آپؐ نے فرمایا: ’’تم میرے صحابہ ہو، لیکن میرے بھائی وہ ہیں جو مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے مجھے نہیں دیکھا۔‘‘ (رواه أحمد و أبو يعلى و الطبراني)

اس شمارے میں

اداریہ
نبیؐ کی امت کا حال دیکھو...... 5

تزکیہ واحسان
اللہ سے حُسنِ ظن 7

اسوۂ حسنہ
ہمارے محبوب کا حلیۂ مبارک [صلی اللہ علیہ وسلم] 10
یہ غبار نہ چھٹنے پائے گا! 13
لبیک اللّٰھم لبیک 20
معیارِ عشقِ نبی الملاحم ﷺ 21

آخرت
موت و مابعد الموت 22

فکر و منہج
جنگی اسٹریٹجی کے ۳۳ رہنما اصول 26
القاعدہ کیوں؟ 33
مدارس و دینی جدوجہد کی تحریک 36
لامحدود ذہنیت بمقابلہ محدود ذہنیت 45
کفار کا معاشی بائیکاٹ 47

تذکرۂ محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن شہیدؒ
امام کے ساتھ گزرے ایام 53

صحبتِ با اہلِ دل!
مع الاستاذ فاروق 59

عالمی منظر نامہ
اخباری کالموں کا جائزہ 62

طوفان الاقصیٰ
اسرائیل اپنی جنگ بندیوں کو ’آزما‘ نہیں رہا 71
اسرائیلی جیلوں میں جانوروں کا استعمال 73
آبادکاروں کی دہشت گردی 74

افغان باقی کہسار باقی......الحکم للہ والملک للہ
نوائے امارتِ اسلامیہ 76
عمرِ ثالث 85

پاکستان کا مقدر......شریعتِ اسلامی کا نفاذ!
پاکستان میں فکری گمراہیوں اور فتنوں کا چیلنج 91

حاجی شریعت اللہؒ کی سرزمینِ بنگال سے
بنگالی مسلمانوں کا انقلابی شعور 96
بنگلہ دیش کا قانون خواتین کو تحفظ دینے میں ناکام 100

غزوۂ ہند
غزوۂ ہند کی فکری بنیادیں 109

اوپن سورس جہاد
سمارٹ فون ہماری جیب میں موجود جاسوس 113

نقطۂ نظر
سوشل میڈیا کے جاسوس 124
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا 126

حلقۂ مجاہد
مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 128

میدانِ کارزار سے
معرکے ہیں تیز تر! 131

ناول وافسانے
الشوک والقرنفل (کانٹے اور پھول) 134

وغیرہ وغیرہ
اِک نظر اِدھر بھی 141

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے ’ویب ورژن (PDF وغیرہ)‘ کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہر حال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار‘ مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

نبیؐ کی امت کا حال دیکھو......

محمد رسول اللہ، علیہ اَلف صلاۃ اللہ وسلام، کی ولادت کا بابرکت مہینہ ہے۔ آپؐ تو بندۂ مومن کی زندگی کا مرکزی نقطہ ہیں۔ آپؐ کی اتباع دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ باذن اللہ عزوجل، آپ کی ذاتِ اقدس پناہ ہے مصیبتوں اور پریشانیوں میں، اس دنیا میں آپؐ پر کثرتِ درود وسلام مصیبتوں کے ٹلنے کا سبب ہے اور یومِ آخرت کو داورِ محشر جل جلالہ نے آپؐ کو شافعِ محشر بنا کر، کائنات کی عظیم ترین مصیبت سے چھٹکارے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اللہ کے بعد کوئی ذات ہے تو آپؐ ہیں۔ آپؐ تو بندگانِ مومنین کو ہمیشہ یاد رہتے ہیں، لیکن پھر بھی ربیع الاول کے مہینے میں آپؐ کی یاد، آپؐ کی ولادتِ باسعادت کی نسبت سے کئی چند زیادہ ہو جاتی ہے۔ آپؐ کی مدحت کرنا ایک انتہائی اعلیٰ عمل ہے اور آپ کی اطاعت کرنا اعلیٰ ترین عمل، بلکہ آپؐ کی اطاعت کرنا مدحت کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ دنیا آج جن گھور اندھیروں اور تاریکیوں کی شکار ہے، تو ایسے میں آپؐ کی یاد ہر قلبِ حساس و مومن میں رہ رہ کر زیادہ ہو جاتی ہے۔ اللهم صل وسلم على نبينا ومولانا وقرة أعيننا محمد!

ہم اداریے کی یہ سطور لکھ ہی رہے تھے کہ آج سے ایک سال پرانی ایک خبر، ہماری نظروں کے سامنے آج ابھی گزری، اور اس نے سب ہوش و حواس معطل کر دیے۔ خبر کا عنوان ہے ”Rape them with a rusty bar: Message sent to Israeli troops…“۔ اگر کوئی ان سطور کو جذبات سے تعبیر کرے تو یقین مانیے ہمارا مقصد بھی جذبات ہی کو برآنگیختہ کرنا ہے۔ عقل و ہوش کے لیے مجلّہ ھٰذا کے آئندہ بیسیوں پچاسیوں صفحات موجود ہیں اور خدارا ہمیں عقل و ہوش کا دشمن نہ گردانیے، بلکہ ہمیں یہ دعویٰ کرنے دیجیے، کہ ہم سر فروش مجاہدین ہی ذی عقل و ہوش ہیں۔ لیکن ہم اس عقل کے طلب گار ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی عقل تھی، وہ عقل جس نے سورج، چاند، ستاروں اور اپنے ہاتھوں تراشیدہ بتوں کا انؑ سے انتہائی بلیغ انداز میں انکار کروایا اور وہ عقل جس نے انؑ کو نارِ نمرود میں خوشی خوشی کودوا دیا، وہ عقل جو علمِ وحی کے تابع تھی۔ وہ وحی جو اعلیٰ ترین معرفت، احکام و تفقہ کا مجموعہ ہے، تو ساتھ ہی لوگوں کو ابھارنے والی، تحریض دلانے والی، برآنگیختہ کرنے والی، جذبات بھڑکانے والی، غیرت کو للکارنے والی بھی ہے۔

مذکورہ خبر، دراصل اسرائیلی فوجیوں کو اسرائیلی عوام کی جانب سے بھیجا گیا ایک پیغام ہے۔ کیسی دردناک صورتِ حال ہے، کیسے غم و الم کے ساتھ ہم اس بات کو نقل کر رہے ہیں کہ دجّال کے پیروکار کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کی عورتوں کی عصمت دری زنگ آلود لوہے کے ٹکڑوں سے کرو!

یہ مسلمان عورتیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتی بیٹیاں ہیں، ہماری اور آپ کی مائیں، بہنیں، بیٹیاں۔ وہ مائیں، بہنیں، بیٹیاں جن کے باپ، بھائی، بیٹے پہلے ہی قتل کیے جا چکے ہیں، جن کے سہاگ اجاڑے جا چکے ہیں، اب ان نیم مردہ عورتوں کو زندہ رکھ کر قتل کر دینے کے لیے یہ حربے بھی آزمائے جائیں، اس کے لیے اسرائیلی فوجیوں کے ساتھ ان کی پوری یہودی قوم کھڑی ہے اور ان یہودِ نامسعود کے ساتھ امریکہ اور اس کے سب اتحادی صف و کمربستہ ہیں۔

غزہ میں اس انسانیت سوز تباہی کو اب تین سال پورے ہونے کو ہیں۔ غزہ میں وہ تباہی لائی گئی ہے جو انسانی تاریخ میں پہلے کبھی کسی جگہ نہیں برپا کی گئی۔ اور ایسی شدید تباہی کے بعد بھی شدید خاموشی یا خاموشی نہیں تو غیر مؤثر طریقے اور منہج، اپنی باری آنے کا انتظار اور جہاد کی من مانی و غلط تشریحات یا جہاد کی ان افواج سے امید جن کے اپنے خلاف جہاد فرض ہے، وہ رویے ہیں جو دشمن کو مزید شہہ دینے اور ہماری ناکامی کا سبب ہیں۔ یوں تو ہم نے خوب اچھی طرح سے سنا کہ فلسطین میں جاری اسرائیلی جارحیت کے خلاف جہاد فرضِ عین ہے، لیکن یہ فرضِ عین کیا ہوتا ہے، یہ

کیسے ادا ہوتا ہے اور فرضِ عین جہاد کی اپیلوں اور فتاویٰ کے بعد عملاً اس جہاد کو ادا کرنے کا عملی، قدم بقدم طریقہ کیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب یا مانگا ہی نہیں گیا یا کہیں سے کوئی نحیف سی سوالیہ آواز اٹھی بھی ہے تو اس کو شرفِ شنوائی عطا نہیں ہوا۔

غزہ میں نام نہاد 'جنگ بندی' کے بعد بھی روز و شب قتلِ عام برپا ہے، بلکہ یہی قتلِ عام مغربی کنارے تک پھیل چکا ہے۔ بس ان سطور کا اختتام اس گزارش پر کرتے ہیں، کہ زیادہ نہیں، اس بار فرضِ عین جہاد کے لیے گھروں سے قدم نکالنے کی پکار بھی نہیں، بس صرف ایک کام کرتے ہیں۔ علمائے کرام، اہلِ دانش، اہلِ دین قیادت سے بس جس جس پلیٹ فارم پر ممکن ہو تو یہ پوچھیے کہ غزہ کے مسئلے کا مؤثر حل کیا ہے، یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ حل کا مطلب ہوتا ہے وہ چیز جس سے مسئلہ ختم ہو جائے! جہاد کے فرضِ عین ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اور اگر جہاد فرضِ عین ہو تو اس کو ادا کیسے کیا جاتا ہے؟ اور اگر جہاد فرضِ عین نہیں ہے، فرضِ کفایہ ہی ہے تو کیا کیا جائے کہ کفایت ہو رہے اور یہ فرضِ کفایہ ادا ہو سکے؟ خطوط لکھیے، بالمشافہ ملاقاتوں میں پوچھیے، سوشل میڈیا پر سوال اٹھائیے، جہاں جہاں، جس جس قدر بس ہو سکے تو پوچھیے۔ پوچھیے کہ ربیع الاول میں جس رحمۃ للعالمین کی ولادت ہوئی تھی اُس کا دین، اُس کا غیرت مند اسوۂ حسنہ ان حالات میں ہمیں کیا کہتا ہے؟

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضى ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

•••••

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@nghmag.com

اللہ سے حُسنِ ظن

شیخ اِیاد قنیبی

آزمائش وابتلا کو نعمتوں میں کیسے بدلیں؟ آزمائش کی نعمت کا مزہ کیسے حاصل کریں؟ قطع نظر اس سے کہ آپ کو زندگی میں کس کس مشکل کا سامنا ہے، آپ ایک پر سکون زندگی کیسے گزار سکتے ہیں؟ آپ ہر معاملے کا سامنا مثبت اندازِ فکر اور امید و حوصلے سے کیسے کرسکتے ہیں؟ آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ وہ گہرا و قریبی تعلق کیسے بناسکتے ہیں، کہ آپ کو اس کی ذات کے سوا کسی کا خوف اور کسی سے امید نہ رہے؟ آپ ایک نا قابلِ شکست عزم اور ایک نا قابلِ شکست شخصیت کیسے پیدا کرسکتے ہیں؟ آپ اپنے دل کا تزکیہ کیسے کریں، کہ قسمت وتقدیر کو الزام دینا چھوڑ دیں تاکہ اللہ سے ایک سالم و پاکیزہ دل کے ساتھ ملاقات کرسکیں؟ آپ اپنے خالق ومالک، اپنے ربّ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے اپنی محبت کو کیسے خالص و غیر مشروط بناسکتے ہیں؟ تحریرِ ہٰذا میں آپ کو ان سوالوں کے جواب، اور مزید بہت کچھ ملے گا، ان شاء اللہ! (ایاد قنیبی)

اے اللہ! آپ کا شکر ہے، کہ مجھے وہ عطا نہ کیا جو میں چاہتا تھا

سابقہ گفتگو میں ہم نے دیکھا کہ ابتلا و آزمائش ہماری مدد کرتی ہیں کہ ہم اللہ سے اپنی محبت کو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کریں، انہی مضبوط بنیادوں میں سے ایک بنیاد اللہ کے اسماء وصفات پر غور و تدبر کرنا ہے۔ آزمائش و مصیبت اللہ تعالیٰ کے خوبصورت ناموں اور بہترین صفات کو سمجھنے میں بھی ہماری مدد کرتی ہیں۔

سب سے پہلے ہم اللہ کی صفتِ حکمت سے متعلق گفتگو کریں گے، آزمائش و ابتلا کے دوران اللہ رب العزّت کی حکمت۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ آزمائش بعض انسانوں کو اللہ کی حکمت پر سوال اٹھانے پر مجبور کر دیتی ہے جبکہ مومنین کا اللہ کی حکمت پر یقین، آزمائش و ابتلا کے دوران اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ ابن عطا اللہ السکندریؒ فرماتے ہیں:

> ”جب اللہ جل جلالہ تم پر دورِ محرومی میں فہم کے دروازے وا کر دیتے ہیں، تو یہ محرومی بذاتِ خود ایک نعمت بن جاتی ہے۔ کیونکہ جب اللہ عطا فرماتا ہے تو وہ اپنے کرم کا اظہار کرتا ہے، اور جب وہ محروم کرتا ہے تو اپنے اختیار و غلبے کا اظہار فرماتا ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ تمہیں اپنی صفات کی پہچان کرواتا ہے اور تمہارے ساتھ نرمی و رحمت سے پیش آتا ہے۔ فلہٰذا، محرومی تمہارے لیے صرف اسی صورت میں نقصان دہ ہے کہ جب وہ تمہیں اللہ اور اس کی صفات کی بہتر پہچان نہ کروائے۔“

سو ممکن ہے کہ آپ کسی نعمت سے محروم کر دیے جائیں۔ لیکن اگر اس محرومی کے دوران اللہ آپ کو یہ توفیق دیتا ہے کہ اس نعمت سے محروم کرنے میں اللہ کی پوشیدہ حکمت پر غور کریں، تو آپ دیکھیں گے کہ غور کرنے کی یہ نعمت اس نعمت سے کئی گنا زیادہ بڑی ہے، جس سے آپ محروم کیے گئے! آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک آزمائش میں مبتلا کر کے آپ کو اپنی ذات وصفات سے آشنائی عطا فرما رہے ہیں۔ اس کے برعکس، اگر آپ آزمائش کو مجسم شر سمجھتے ہیں، تو آپ کی اصل بدقسمتی آپ کے غور و فکر کے فقدان اور اللہ کی حکمت کو نہ سمجھنے میں پنہاں ہے۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

> ”اور اگر بندہ اپنے ربّ کا حق ادا کرتا، اور وہ اس کا حق ادا کر ہی کیسے سکتا ہے؟، تو وہ جان لیتا کہ اللہ نے اسے (دنیاوی نعمتوں اور لذّتوں میں سے) جس چیز سے محروم کیا ہے، تو اس محروم کرنے میں اللہ کا کرم اس کے لیے ان نعمتوں سے کہیں بہتر ہے جو اللہ نے اپنے کرم سے اسے عطا فرمائی ہیں، کیونکہ اللہ اس کو محروم نہیں کرتا مگر اس لیے کہ اسے عطا کرے۔“(الفوائد)

فہم و تدبّر کی کلید یہ یقین ہے کہ اللہ کی حکمت ہر شے پر چھائی ہوئی ہے۔ اللہ کی حکمت کے حوالے سے اگر کوئی شک و شبہ آپ کے دل میں موجود ہے، تو اسے نکال پھینکیے۔ اس کی حکمت پر غیر متزلزل یقین رکھیے اور پھر غور کریں کہ اس حکمت کا اظہار کیسے ہو رہا ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ فہم کے خزانے آپ کو عطا ہوں گے۔

دوسرا نکتہ اللہ کی حکمت کے مقابل اپنی لاعلمی و جہالت کا یقین ہونا ہے:

> كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (سورۃ البقرۃ:۲۱۶)

> ”تم پر (دشمنوں سے) جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے، اور وہ تم پر گراں ہے، اور یہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو، اور (اصل حقیقت تو) اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔“

میں ایک آزمائش سے گزرا کہ مجھ سے میری آزادی چھین گئی اور میں قید کر دیا گیا۔ اپنی ابتلا کے ہر مرحلے پر میں نے چاہا کہ یہ آزمائش جلد از جلد ختم ہو جائے اور میں اپنی معمول کی زندگی کو لوٹ سکوں۔ ہر مرحلے پر میرا گمان یہ تھا کہ میرے لیے سب سے بڑی خیر کی چیز یہ

ہے کہ یہ آزمائش فوری طور پر ختم ہو جائے۔ لیکن ہر مرحلے کے بعد، مجھے احساس ہوتا کہ ابتلا کا جاری رہنا میرے لیے اس کے ختم ہو جانے سے کہیں زیادہ مفید تھا۔

بلکہ اگر آپ اب مجھ سے پوچھیں کہ کیا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ قید کی یہ آزمائش مجھ پر کبھی پڑتی ہی نہ؟ تو میرا جواب ہو گا: اللہ کی قسم نہیں! میں بہت خوش ہوں کہ اللہ نے مجھے وہ عطا نہیں کیا جس کی میں خواہش کرتا تھا۔ کہ اس نے میری وہ دعائیں قبول نہیں کیں جو میں اپنی معمول کی زندگی کی طرف لوٹنے کی خاطر مانگا کرتا تھا۔ بلکہ اس نے میرے لیے وہ چیز چنی جو میرے لیے زیادہ نفع بخش تھی، اور میں خود اپنے لیے چننے کا اختیار رکھتا تو اسے نہ چنتا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ابتلا کی نعمت اتنا عرصہ جاری رہی (جتنی اس کی مدّت تھی)، کیونکہ اسی کے سبب میں اللہ کی عظیم نعمتوں سے مستفید ہو سکا۔

ابن القیّمؒ فرماتے ہیں:

”چھپے ہوئے خطروں میں سے ایک عام خطرہ یہ ہے کہ بندہ نعمت کی ایک ایسی حالت میں ہوتا ہے جو اللہ نے اسے عطا کی ہوتی ہے اور اس کے لیے چنی ہوتی ہے، لیکن پھر بندہ اس سے اکتا جاتا ہے اور اللہ سے سوال کرتا ہے کہ اسے اس حالتِ نعمت سے نکال کر ایک دوسری حالت میں پہنچا دیا جائے، جسے اپنی جہالت میں، وہ اپنے لیے بہتر تصور کرتا ہے۔ لیکن اس کا ربّ اپنی رحمتِ واسعہ کے سبب اس سے وہ نعمت واپس نہیں لیتا، اور اس کی جہالت اور وہ کمتر نعمت جس کا وہ سوال کرتا ہے، کو معاف فرما دیتا ہے۔“

اس کے بعد وہ کہتے ہیں:

”پس اگر اللہ اپنے بندے کے لیے خیر اور ہدایت کا ارادہ فرماتا ہے، تو وہ اسے اپنی حالتِ نعمت کا ادراک عطا فرماتا ہے، اسے اس نعمت پر راضی کر دیتا ہے اور اس کی رہنمائی فرماتا ہے کہ وہ اس نعمت پر اللہ کا شکر گزار بن جائے۔“

الحمدللہ! اپنی ابتلا کے اختتام کے قریب میں اس مرحلے پر پہنچا۔ اب میرے لیے وہ محض صبر کا ایک معاملہ نہیں رہ گیا تھا بلکہ اب میں اپنے ربّ کے سامنے شکر گزاری کے احساس کے ساتھ جھک گیا، کہ اس نے مجھ پر آزمائش کی نعمت اتاری۔ اپنے اس تجربے سے قبل میں سوچا کرتا تھا کہ وہ علماء و داعیین، جیسے امام احمد بن حنبلؒ، ابن تیمیہؒ، ابن القیّمؒ، سید قطبؒ، اور دیگر جو اپنی دعوت و تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں، جب وہ آزاد ہوتے ہیں، تو آخر ایسے لوگوں کے لیے قید و بند کی تقدیر میں اللہ کی کیا حکمت پوشیدہ ہے۔ میں اللہ کی حکمت کے بعض پہلوؤں سے واقف تھا، لیکن میرے دل میں یہ تمنّا موجود تھی کہ مجھے صحیح سے معلوم ہو جائے اور شرحِ صدر حاصل ہو۔ جب میں خود اس آزمائش سے گزرا تو ہی میں عملاً حکمتِ الٰہی کو سمجھ پایا۔

اگر آپ بھی آزمائش سے گزریں اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس آزمائش کے پیچھے چھپی اپنی حکمت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے تو آپ جان لیں گے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے لیے کام کرتا ہے، اس کی شخصیت میں کچھ کمی ہوتی ہے، اور یہ کمی صرف قربانی ہی کے ذریعے پوری کی جا سکتی ہے۔ یعنی جب وہ اپنی دعوت کی قیمت ادا کرتا ہے، ابتلا سے گزرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخفی حکمتوں سے آشنا ہوتا ہے، تب یہ کمی دور ہو جاتی ہے اور اس کی شخصیت مکمل ہو جاتی ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو، جو اس کے مقصد کی خاطر جدوجہد کرتے ہوئے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، ایک ایسی روشنی اور ایسا فہم عطا فرماتا ہے جس کا تصور بھی وہ قید خانے کی دیواروں کے باہر نہیں کر سکتے تھے۔ پھر آپ سید قطبؒ کے لکھے اس اقتباس کا ہر لفظ سمجھ سکیں گے:

”آزمائش و ابتلا کے ذریعے نفوس کی تربیت کرنا ضروری ہے، اور حق کے لیے لڑنے کے عزم کو خوف، سختی، فقر، قحط، اور جان کے نقصان سے آزمایا جاتا ہے:

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ○ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۵)

”اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے اور (کبھی) بھوک سے (کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کر کے اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں ان کو خوشخبری سنا دو۔“

یہ مصائب و آزمائشیں اس لیے ضروری ہیں تاکہ مومنین اپنے ایمان کی قیمت ادا کر سکیں۔ وہ اپنے ایمان (یا نظریے) کی جتنی زیادہ قیمت ادا کرتے ہیں، اتنا ہی وہ نظریہ انہیں عزیز تر از جان ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایسا نظریہ یا عقیدہ جس کی خاطر کوئی قربانی نہ دی گئی ہو، اس کی بقا کا کوئی امکان ہی نہیں، بلکہ وہ پہلے سنجیدہ جھٹکے پر ہی تحلیل ہو جاتا ہے۔ مومنین اپنے ایمان و نظریے کی خاطر جتنے مصائب برداشت کرتے ہیں، جتنی قربانیاں دیتے ہیں، اتنی ہی اس کی قدر ان کے دلوں میں بڑھتی چلی جاتی ہے اور اتنا ہی زیادہ وہ اس ایمان کی حفاظت کی خاطر مزید قربانیاں دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ قربانیاں نہ صرف مومنین کے دلوں میں اپنے ایمان کی قدر و قیمت بڑھا دیتی ہیں بلکہ ان کے دلوں میں بھی ایمان کی قدر پیدا کرتی ہیں جو مومنین کی قربانیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

پھر دوسرے لوگ تب تک کسی نظریے یا عقیدے کی قدر نہیں کرتے، جب تک کہ وہ اس کے ماننے والوں کی اس کی خاطر دی گئی قربانیوں اور مصائب پر ان کا صبر نہیں دیکھ لیتے۔ مصائب و شدائد لوگوں کے اندر

چھپی بہترین صلاحیتوں کو ظاہر کرتے ہیں، ان کی ہمّت و طاقت میں اضافہ کرتے ہیں، ان کے عزم و استقامت کو قوی کرتے ہیں، ان کے دلوں پر فہم و ادراک کے ایسے روشن دروازے وا ہو جاتے ہیں جن کا اس سے پہلے انہیں گمان بھی نہیں ہوتا۔

مصائب فہم کو جِلا بخشتے ہیں اور قوّتِ فیصلہ کو تیز کرتے ہیں۔ یہ قساوتِ قلبی کو دور کرتے ہیں اور آنکھوں پر چھائی دھند مٹا ڈالتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب نصرت وحمایت کے باقی تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں، دنیاوی مدد حاصل کرنے کے سب دروازے بند ہو جاتے ہیں اور مومن کے پاس اللہ کے سوا کوئی دوسرا مددگار نہیں بچتا، یہ وہ لمحہ ہے کہ جب تمام دھوکے اور سراب غائب ہو جاتے ہیں، انسانی بصیرت تیز ہو جاتی ہے اور افق پھیل جاتے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں، کہیں کوئی طاقت نہیں، کوئی قوّت نہیں مگر اللہ کے، کوئی پناہ گاہ نہیں سوائے اللہ کی پناہ کے، اور جو وہ چاہتا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

بیشک اللہ نے مصائب و آزمائشیں مقدّر کی ہیں تاکہ (اللہ کی راہ میں جہد و کوشش کرنے والے) مجاہدین کو ظاہر و نمایاں کر دیں، ان کی صفوں سے ہر قسم کے اشتباہ و پراگندگی کو دور کر دیں، اور بزدلوں اور منافقوں کو چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ ملے۔“

دعاۃ کی آزمائش کرنے میں پوشیدہ اللہ کی حکمت کا یہ ایک پہلو ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اگر وہ آزاد رہتے، تو ممکن ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ زیادہ تعامل کرتے، زیادہ بیانات دیتے اور دعوت کا مزید کام کرتے، اور زیادہ کتابیں لکھتے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی نیّتوں کو پاکیزہ کرنا چاہتے تھے، اور ان کے الفاظ کو زندگی عطا فرمانا چاہتے تھے! جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اعمال الفاظ سے بڑھ کر گواہی دیتے ہیں!۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ جس بھی آزمائش میں مبتلا ہوں گے تو ہمیشہ اس میں پنہاں اللہ کی حکمت کو سمجھ لیں گے، یا یہ کہ آپ جب تک اللہ کی حکمت سمجھ نہ لیں تب تک آپ کو اس سے اچھا گمان نہیں رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا○(سورۃ الاسراء: ۸۵)

”......اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بس تھوڑا ہی سا علم ہے۔“

ممکن ہے کہ جب ربِّ کریم وذوالجلال، اپنی رحمت کے سبب، آپ کے دل کو ڈھارس دینے کے لیے اپنی حکمت آپ پر ظاہر فرمائے تو آپ اس کی حکمت میں سے صرف ایک چھوٹے سے حصّے ہی کا ادراک کر پائیں۔

خلاصۂ کلام:

جب اللہ آپ کو آزمائش میں مبتلا کرے تو اس کی حکمت پر یقین رکھیں، اور وہ آپ پر اپنے عظیم خزانوں کے قفل کھول دے گا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: القاعدہ کیوں؟

ولا تمشِ فوق الأرض إلا تواضعاً
فكم تحتها قوم همُ منك أرفعُ

فإن كنت في عزٍ وحرزٍ ومنعةٍ
فكم طاح من قوم همُ منك أمنعُ

(اور زمین پر نہ چل مگر تواضع کے ساتھ، کیونکہ اس کے نیچے کتنے ہی لوگ ہیں جو تجھ سے بلند تر ہیں۔ پس اگر تو عزت کے ساتھ قوت و اقتدار میں ہے، تو کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو تجھ سے زیادہ مضبوط و محفوظ تھے، پھر بھی گر گئے۔)

پس حق کا حامل شخص اگر اچھے اخلاق سے متصف نہ ہو تو اس کے برے اخلاق کے سبب لوگ حق سے دور ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اچھے اخلاق لوگوں کو اپنے حاملین کی طرف کھینچتے ہیں، خواہ وہ نظریات میں مخالف ہی کیوں نہ ہوں، تو پھر کیا کہنا جب اخلاق اور اچھا عقیدہ دونوں جمع ہو جائیں، یہ تو نورٌ علی نور ہو گا۔

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سر نگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

شیخ ابو مصعب العولقی رحمہ اللہ کہتے ہیں ”اور میں القاعدہ میں موجود اپنے بھائیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اخلاقِ عالیہ سے متصف ہوں اور لوگوں کے ساتھ صبر و تحمل اختیار کرنے کی کوشش کریں“۔

ہمارا یہ دعویٰ کہ القاعدہ کے مجاہدین حسنِ اخلاق سے متصف ہیں، یہ ایک غالب اکثریت کے اعتبار سے بات ہے، عین ممکن ہے کہ ان کے بعض افراد میں حسنِ اخلاق کے پہلو سے کچھ کمی پائی جاتی ہو۔

اللهم اجعلنا هادين مهتدين، غير ضالّين ولا مضلّين، سلماً لأوليائك، وحرباً على أعدائك، نحب من أحبك، ونعادي بعداوتك من خالفك. اللهم هذا الدعاء ومنك الإجابة، اللهم هذا الجهد وعليك التكلان، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، آمين!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

ہمارے محبوب کا حلیۂ مبارک [صلی اللہ علیہ وسلم]

ماخذ: شمائلِ ترمذی و دیگر کتبِ حدیث و تفسیر

ہماری اولادیں، والدین، مال و اسباب اور یہ روح و بدن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہزار ہزار بار قربان۔ یہ آپؐ کی محبت ہے جو صدیوں سے آپؐ کا حلیہ مبارک مختلف شکلوں میں اہلِ علم و اہلِ عشق میں بیان کرواتی رہی ہے اور اصل شئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شریعت اور آپؐ کی مبارک سنتوں کا اتباع ہے۔ رنگ کالا ہو، ہونٹ موٹے موٹے، نسل کا حبشی ہو اور ذات کا غلام، لیکن اتباع میں کامل ہو تو ماہِ نبوت کا ہالہ 'سیّدنا بلالؓ' ہو جاتا ہے۔

حضورِ پر نور کا حلیہ بھی حفظ کرتے ہیں اور آپؐ کی شریعت کی اتباع کا عزم بھی! (ادارہ)

شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرتِ حسانِ ابنِ ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وأحسن منك لم ترقط عيني
وأجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرئاً من كل عيبٍ
كأنك قد خلقت كما تشاء

”تیرے جیسا حسین، میری آنکھ نے نہیں دیکھا۔ تیرے جیسے جمال والا کسی ماں نے نہیں جنا۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے۔ آپ ایسے پیدا ہوئے جیسے آپ نے خود اپنے آپ کو چاہا۔“

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن و جمال میں سے بہت تھوڑا سا ظاہر فرمایا، اگر سارا ظاہر فرماتے تو آنکھیں اس کو برداشت نہ کر سکتیں۔ یوسُف علیہ السلام کا سارا حُسن ظاہر کیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن کی چند جھلکیاں دکھلائی گئیں، باقی سب مستور رہیں۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس جمال کی تاب لا سکتی۔“

ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”میں نے ایک نوجوان دیکھا، بڑا صاف ستھرا۔ حسین سفید چمکتا چہرہ گویا نوخیز کلی ہو (کلیوں میں جو رونق ہوتی ہے، وہ پھول میں نہیں ہوتی)۔ نہ ایسے موٹے تھے کہ نظروں میں جچیں نہیں اور نہ ایسے کمزور اور دُبلے تھے کہ بے رُعب ہو جائیں۔ وسیمٌ قسیمٌ تھے...... (وسیم یعنی وہ حسین جس کو جتنا دیکھیں، اس کا حُسن اتنا بڑھتا چلا جائے، جسے دیکھتے ہوئے آنکھ نہ بھرے اور قسیم یعنی جس حسین کا ہر عضو الگ الگ حُسن کی ترجمانی کرتا ہو، جس کا ہر عضو حسن میں کامل اور اکمل ہو)۔ اُس کی پلکیں بڑی دراز۔ اُس کی آنکھیں بڑی حسین، موٹی، سیاہ۔ اس کی داڑھی بڑی خوبصورت اور گھنی۔ اس کی گردن صراحی دار اور لمبی۔ آواز میں کشش اور رعب۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ کوتاہ قد، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لیے محمود ہیں اس لیے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں۔ عورتوں کے لیے مذموم ہیں) حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضاء کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور ﷺ چلتے تھے تو گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ میں نے حضور ﷺ جیسا نہ پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا۔“

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ:

”میں نے کسی کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے بال مونڈھوں تک رہے ہیں، اور آپ ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ پست قد۔“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور اقدس ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے نہ پستہ قد بلکہ آپ ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے چونے کی طرح، نہ بالکل گندمی کہ سانولا بن جائے (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن، پُرنور اور کچھ ملاحت لیے ہوئے تھے) حضور اقدس ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل پیچ دار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن تھا) چالیس برس کی عمر ہو جانے پر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ ﷺ کو نبی بنایا اور پھر دس برس مکہ مکرمہ میں رہے (اس میں کلام ہے جیسا کہ فوائد میں آتا ہے)۔ “

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے کہ:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد تھے، نہ زیادہ طویل نہ پست، نہایت خوب صورت معتدل بدن والے، حضور ﷺ کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن

تھا) نیز آپ ﷺ گندمی رنگ کے تھے۔ جب حضور ﷺ راستہ چلتے تو آگے کو جھکے ہوئے چلتے۔"

نواسۂ رسولؐ حضرت حسن ابنِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضورِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت ہی کثرت سے اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لیے حجت اور سند بناؤں۔ (اور ان اوصافِ جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہوسکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر حضور ﷺ کے وصال کے وقت سات سال کی تھی۔ اس لیے حضور ﷺ کے اوصافِ جمیلہ میں اپنی کم سنی کی وجہ سے تامل اور کمال تحفظ کا موقع نہیں ملا تھا) ماموں جان نے حضور ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق یہ فرمایا کہ:

'آپ ﷺ خود اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی رتبہ والے تھے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ماہِ بدر (چودھویں کے چاند) کی طرح چمکتا تھا۔ آپ ﷺ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن لمبے قد والے سے پست تھا، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر سر مبارک میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے، ورنہ آپ ﷺ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے۔'

(یہ مشہور ترجمہ ہے اس بنا پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ حضور ﷺ کا قصداً مانگ نکالنا روایات سے ثابت ہے۔ اس اشکال کے جواب میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس کو ابتدائے زمانہ پر محمول کیا جائے کہ اول حضور ﷺ کو اہتمام نہیں تھا، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک یہ جواب اس لیے مشکل ہے کہ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ مشرکین کے مخالف اور اہلِ کتاب کی موافقت کی وجہ سے مانگ نہ نکالنے کی تھی، اس کے بعد پھر مانگ نکالنی شروع فرمادی، اس لیے اچھا ترجمہ جس کو بعض علماء نے ترجیح دی ہے وہ یہ کہ اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے، کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی نکال لیتے)۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"حضورِ اکرم ﷺ فراخ دہن تھے، آپ ﷺ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے، ایڑی مبارک پر بہت کم گوشت تھا"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

"میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضورِ اقدس ﷺ کو دیکھ رہا تھا۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کو، بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حضور ﷺ چاند سے کہیں زیادہ جمیل و حسین اور منور ہیں۔"

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ:

کسی شخص نے حضرت براء سے پوچھا کہ کیا حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح شفاف تھا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ بدر کی طرح روشن گولائی لیے ہوئے تھا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"حضور اقدس ﷺ اس قدر صاف شفاف، حسین و خوب صورت تھے کہ گویا کہ چاندی سے آپ ﷺ کا بدن مبارک ڈھالا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے بال مبارک قدرے خم دار گھونگریالے تھے۔"

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ

"مجھ پر سب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پیش کیے گئے یعنی مجھے دکھائے گئے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو ذرا پتلے دبلے بدن کے آدمی تھے گویا کہ قبیلہ شنوئیہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ مشابہ ہوں، ایسے ہی اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں وہ دحیہ کلبی ہیں۔"

سعید جریری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

"حضور اقدس ﷺ کو دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے حضور ﷺ کا کچھ حلیہ بیان کیجیے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ سفید رنگ تھے ملاحت کے ساتھ یعنی سرخی مائل اور معتدل جسم والے تھے۔"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور اقدس ﷺ کے اگلے دانت مبارک کچھ کشادہ تھے، گنجان نہ تھے جب حضور اقدس ﷺ تکلم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔“

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور ﷺ میانہ قد تھے۔ آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان اوروں سے قدرے زیادہ فاصلہ تھا (جس سے سینہ مبارک چوڑا ہونا بھی معلوم ہوگیا) گنجان بالوں والے، جو کان کی لو تک ہوتے تھے، آپ ﷺ پر ایک سرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔“

ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ:

”حضور ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ حضور ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچ دار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لیے ہوئے تھے۔ نہ آپ ﷺ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں تھی (یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور ﷺ کا رنگ سرخی مائل سفید تھا۔

حضور ﷺ کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ ﷺ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہوتے ہیں حضور ﷺ کے بدن مبارک پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو پنڈلیاں وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہ تھے) آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی آپ ﷺ کے ہاتھ اور قدم مبارک پُر گوشت تھے۔

جب آپ ﷺ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اُٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے تھے (یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے کہ اس طرح دوسروں کے ساتھ لاپرواہی ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہوجاتی ہے، بلکہ سینہ مبارک سمیت اس طرف رخ فرماتے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بھی فرمایا ہے کہ جب آپ ﷺ توجہ فرماتے تو تمام چہرہ مبارک سے فرماتے، کن اکھیوں سے نہیں ملاحظہ فرماتے تھے۔) آپ ﷺ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے۔ اور سب سے زیادہ سچی زبان والے تھے۔ سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے۔ اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے۔ (غرض آپ ﷺ دل و زبان، طبیعت، خاندان، ذاتی اور نسبتی اوصاف ہر چیز میں سب سے زیادہ افضل تھے) آپ ﷺ کو جو شخص یکایک دیکھتا مرعوب ہوجاتا تھا (یعنی آپ ﷺ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ اول میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آجاتا تھا) اول تو جمال اور خوبصورتی کی وجہ سے بھی رعب ہوتا ہے، اس کے علاوہ جب کمالات کا اضافہ ہو تو پھر رعب کا کیا پوچھنا۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کو جو مخصوص چیزیں عطا ہوئیں، ان میں رعب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا۔ اور جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ (آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ و اوصاف جمیلہ کا گھائل ہوکر) آپ ﷺ کو محبوب بنالیتا تھا۔ آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور ﷺ جیسا باجمال و باکمال نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔“

اللهم صلِ وسلّم علىٰ نبيّنا محمد و علىٰ آلِ محمد

☆☆☆☆☆

بقیہ: آبادکاروں کی دہشت گردی صہیونی خواب کی جدید شکل

سوال یہ ہے کہ فلسطینی اس سخت اور نسل پرستانہ اسرائیلی اپارتھائیڈ اور جارحیت کو آخر کب تک برداشت کرسکتے ہیں؟ مغربی کنارے کی جدید تاریخ کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلسطینیوں پر بڑھتا ہوا اور شدید ہوتا دباؤ بالآخر ایک نئی انتفاضہ کا باعث بن سکتا ہے۔

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہوچکا ہے۔ مستعار مضامین، مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

یہ غبار نہ چھٹنے پائے گا!

شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، سلامتی اور برکتیں ہوں ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے صالح اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین پر۔

اللہ رب العزت قرآن عظیم الشان میں کفار کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۝ (سورۃ الزخرف:۳۱)

”اور کہنے لگے کہ: یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟“

کفار مکہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اعتراض تھا پس انہوں نے اپنی جانب سے دو افراد رسالت کے لیے تجویز کیے۔ مگر اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (سورۃ الانعام:۱۲۴)

”اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔“

کفار کی طرف تجویز کردہ رسالت کے امیدواروں میں ایک عروہ بن مسعود ثقفی تھے، جن کا تعلق طائف سے تھا۔ برسوں بعد ایک معاہدے کے سلسلے میں مذاکرات کرنے کے لیے کفارِ مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بطور ایلچی نبی مکرم محمد ﷺ کے پاس بھیجا، یہ معاہدہ بعد ازاں صلح حدیبیہ کے نام سے معروف ہوا۔ کفار کے نمائندے کی حیثیت سے جب عروہ بن مسعود حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنے آئے تو انہیں محسوس ہوا گویا وہ کسی اور ہی دنیا میں آ گئے ہیں۔

صحابہ کی وارفتگی کا عالم

ان کی آنکھوں نے وہاں ایسے ایسے مناظر دیکھے کہ جنہیں دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ مثلاً جب رسول اللہ ﷺ وضو فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگے بڑھ آپ ﷺ کے جسم اطہر سے ٹپکنے والا وضو کا پانی، برکت کے حصول کے لیے اپنے ہاتھوں اور چہرے پر مل لیتے تھے اور جب آپ ﷺ کا کوئی بال جسم اطہر سے گرتا تو سبھی اس کو حاصل کرنے کو لپکتے نیز رسول اللہ ﷺ جب ان کو کوئی حکم دیتے تو وہ جلد از جلد اس کی تکمیل کی کوشش کرتے۔

جب عروہ بن مسعود ثقفی رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کر رہے تھے تو وہاں ایک زرہ پوش جوان بھی کھڑا تھا جس کی صرف آنکھیں ہی دکھائی دیتی تھیں۔ جب کبھی عروہ نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک کو تھامنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے تو یہ جوان، جو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑا تھا، عروہ بن مسعود ثقفی کے ہاتھ پر اپنی تلوار کا دستہ مار کر کہتا کہ ”اپنے ہاتھ دور کھینچ لو، اس سے پہلے کہ یہ تمہارے پاس واپس نہ لوٹ سکیں“۔

اس کے اس رویے پر عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ ”میرے خیال میں یہ شخص آپ لوگوں میں سے سب سے زیادہ درشت ہے، آخر یہ ہے کون؟“

نبی کریم ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ”یہ تمہارا بھتیجا مغیرہ بن شُعبہ ہے“۔

عروہ یہ سن کر حیران رہ گئے۔ مغیرہؓ عروہ بن مسعود ثقفی کے بھتیجے تھے لیکن قبول اسلام کے بعد ان کی نبی کریم ﷺ سے محبت اور ان پر جانثاری کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ انہوں نے اپنے چچا تک کو رسول اللہ اکرم ﷺ کی داڑھی چھونے کی بھی اجازت نہ دی۔

میں اکثر آپ سے کہتا ہوں کہ جب بھی ان قصوں سے گزریں تو خود کو اسی معاشرے کا حصہ سمجھیں، اپنے آپ کو ان کے مقام پر رکھتے ہوئے اس وقت کے حالات کو سمجھنے اور اس نقطہ نظر سے سوچنے کی کوشش کریں جیسا کہ وہ سوچتے تھے۔

عرب کا معاشرہ ایک قبائلی معاشرہ تھا جہاں قبیلہ اور خاندان ہی سب کچھ سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عروہ بن مسعود اپنے بھتیجے کی یہ کایا پلٹ اور اپنے ساتھ ان کا سلوک دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔

عروہ بن مسعود جب قریش کی طرف واپس لوٹے تو کہا:

> ”اے قریش کے لوگو! میں نے شاہانِ دنیا کو دیکھا ہے، قیصر و کسریٰ کے دربار میں بھی حاضری دی ہے اور شاہ حبشہ، نجاشی سے بھی مل چکا ہوں مگر میں نے کبھی کسی بادشاہ کے مصاحبین کو اپنے پیشوا پر اس طرح فدا ہوتے نہیں پایا جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محمد (ﷺ) پر نثار ہوتے پایا ہے۔ نہ ہی میں نے کبھی کسی بادشاہ کے حواریوں میں ایسی اطاعت دیکھی ہے جیسی صحابہ کے یہاں اللہ کے رسول ﷺ کے لیے دیکھی۔ جب بھی وہ ان کو کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ دوڑ کر اس کی تعمیل کرتے ہیں اور جب بھی وہ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ (صحابہؓ) یوں خاموش ہو جاتے ہیں گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور جب رسول اللہ ﷺ وضو کرتے ہیں تو آپ ﷺ کے صحابہ دوڑ کر جسم اطہر سے گرنے والا پانی حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں اور اگر آپ ﷺ کا کوئی بال گر جائے تو سبھی اس کو لینے کے لیے لپکتے ہیں۔ پس اے قریش کے لوگو! محمد ﷺ نے تم لوگوں کو جو پیشکش کی ہے، اسے

قبول کر لو، کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ ان کے جان نثار کبھی ان کا ساتھ چھوڑیں گے۔"(صحیح بخاری)

یہ وہ تاثر تھا جو کفار اہل ایمان کے بارے میں رکھتے تھے کہ وہ ہر گز نبی ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے، کبھی ان کو دغا نہیں دیں گے، نہ ہی انہیں تنہا چھوڑیں گے بلکہ آخری آدمی تک نبی ﷺ کی حفاظت کے لیے جنگ کریں گے!

مگر میرے بھائیو! اب وقت تبدیل ہو چکا ہے! وہ رسول ﷺ کا دور تھا اور عروہ بن مسعود کی گواہی تھی، جبکہ آج......!

کچھ عرصہ قبل ایک امریکی فوجی نے قرآن پاک کے ایک نسخے کو نشانہ بازی کی مشق کے لیے بطور ہدف استعمال کیا اور یہ واقعہ کہاں رونما ہوا؟ اسلامی دنیا کے قلب میں واقع ایک 'اسلامی' ملک میں۔ اور پھر کیا ہوا؟ پوری اسلامی دنیا اس پر خاموش رہی!

اس سے پہلے جب ڈنمارک میں خاکوں کی اشاعت کا معاملہ وقوع پذیر ہوا تو مسلم دنیا سخت غضب ناک ہوئی لیکن پھر جب سویڈن میں اس سے بدتر واقعہ پیش آیا تو اسلامی دنیا کا ردعمل پہلے کی نسبت ہلکا تھا اور اب یہ پہلے سے بھی کم ہے۔

سو میرے بھائیو اور بہنو! ہمارے دشمنوں نے ہمیں بے حس بنا دیا ہے۔

جب یہ واقعہ پہلی دفعہ پیش آیا تو ہر ایک کی توجہ کا مرکز یہی واقعہ تھا، ہر کوئی اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کی مذمت بھی کر رہا تھا مگر پھر آہستہ آہستہ ہم اس کے عادی ہی ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ اب کفار گستاخی کی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں، اور نہایت ہولناک واقعات پیش آ رہے ہیں مگر ردِ عمل کیا ہے؟ نہایت قلیل......نہ ہونے کے برابر!

سو میرے بھائیو اور بہنو! آیئے ذرا ایک نظر اپنے درخشندہ ماضی پر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تب گستاخانِ رسول کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا کہ اسی سے ہماری روحوں کو تقویت ملے گی اسی سے ہمارے ضمیر زندہ ہو پائیں گے، نیز یہی وہ راستہ ہے جس پر ہمیں صحابہ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

گستاخ کعب بن اشرف کا انجام

کعب بن اشرف ایک یہودی سردار اور بہت ہی فصیح شاعر تھا۔ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خبر مدینہ پہنچی تو اس نے یہ سن کر کہا کہ "اگر یہ خبر سچی ہے ہمارے لیے زمین کی گود اس کی پشت سے بہتر ہے"۔ یعنی کفار قریش کی شکست کے بعد اب زندہ رہنے کو کیا باقی رہ گیا ہے، لہٰذا بہتر ہے کہ ہم مر ہی جائیں۔

پھر اس نے اپنی شاعری میں مشرکین مکہ کے نقصان پر مرثیے کہنے اور نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ پھر وہ مکہ گیا اور مکہ والوں پر اپنی شاعری پیش کی اور ان کے غم میں ان کا ساتھ دیا۔ اس پر بھی اس نے بس نہیں کیا بلکہ اس نے تو مسلمان خواتین کو بھی نہ چھوڑا اور ان کے خلاف بھی شعر کہنے لگا۔ جب اس کی یہ حرکتیں حد سے بڑھنے لگیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لِي بِكَعْبِ ابْنِ الأَشْرَفِ؟ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ

"کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے۔"

قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ "میں اس سے نمٹوں گا یا رسول اللہ! کیا میں اسے قتل کر دوں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثبات میں جواب دیا۔

محمد بن مسلمہؓ کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا عہد کر چکے تھے مگر جب گھر لوٹے اور اس بارے میں غور و فکر کیا تو یہ معاملہ کچھ آسان بھی دکھائی نہ دیا، کیونکہ کعب بن اشرف اپنے حامیوں کے بیچ، یہود کے علاقے میں، ایک قلعے کے اندر رہتا تھا، لہٰذا اس کو قتل کرنا یقیناً بہت مشکل تھا۔ اس فکر نے محمد بن مسلمہؓ کی بھوک اور پیاس سب اڑا دی اور تین دن انہوں نے فقط گزارے لائق خوراک پر گزارے۔

اس بات کی خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور دریافت کیا کہ کیا مسئلہ ہے؟ کیا یہ درست ہے کہ آپ نے کھانا پینا سب چھوڑ رکھا ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ میں اس لیے پریشان ہوں کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے، نجانے میں اسے نبھا بھی پاؤں گا یا نہیں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أنما عليك الجهد

یعنی آپ پر فقط اپنی قوت و استطاعت کے مطابق بھرپور کوشش کرنا لازم ہے، باقی کام اللہ پر چھوڑ دیں۔

یہاں تک پہنچ کر ذرا لمحہ بھر توقف کرتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کی جاں فشانی و جاں نثاری پر نگاہ ڈالتے ہیں۔

محمد بن مسلمہؓ کو اس قدر فکر تھی اس معاملے کی کہ ان کا کھانا پینا چھوٹ گیا، معمولات زندگی میں تعطل آ گیا! کیوں؟ کیونکہ ان کے لیے یہ بہت سنجیدہ معاملہ تھا، انہوں نے عہد کیا تھا، اپنی زبان دی تھی اور انہیں فکر تھی کہ آیا وہ اپنے قول پر پورے اتر بھی سکیں گے یا نہیں، یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ آپ اپنا کام کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں، اس کے بعد ہی وہ مطمئن ہو سکے اور اپنے معمولات زندگی کی جانب واپس آ سکے۔

اب ذرا اپنے گریبان میں جھانکیے! آپ کو اس معاملے کی کس قدر پروا ہے؟ جب ناموس رسالت پر حرف آئے، جب اسلام کی حرمت للکاری جائے، اور جب اللہ کی کتاب کی

عظمت کی بات ہو تو ہمیں اس کی کتنی پرواہوتی ہے؟ ہم اس معاملے کو کس قدر سنجیدگی سے لیتے ہیں؟

تین دن...... تین دن تک محمد بن مسلمہ دن رات اپنے وعدے کو نبھانے کی تدبیریں سوچتے رہے!

میرے بھائیو اور بہنو! ہمیں صحابہ والی تڑپ اور ان کا ساجذبہ درکار ہے!

محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! پھر (اس کام کو کرنے کے لیے) مجھے کچھ (منفی بات) کہنے کی اجازت دیجیے۔ (ان کے منصوبے کا ایک حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف گفتگو بھی تھا)۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرماتے ہوئے فرمایا کہ آپ جو چاہے کہیں۔

محمد بن مسلمہؓ اپنے قبیلے کے چند انصاری صحابہ کے ساتھ کعب بن اشرف سے ملنے گئے تاکہ اس کا اعتماد حاصل کر سکیں۔ ان کے ساتھیوں میں ایک صاحب ابونائلہ بھی تھے جو کہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔

جب گفتگو کا آغاز ہوا تو انہوں نے کعب سے کہا: "یہ شخص تو ہمارے لیے اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہیں، (ان کا اشارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب تھا)، ان کی موجودگی تو ہمارے لیے ایک مسئلہ ہی بن گئی ہے اور محض ان کی وجہ سے تمام عرب ہمارے دشمن ہو گئے ہیں اور ہم سے جنگ وجدال پر اتر آئے ہیں"۔ کعب نے کہا: "میں نے تو پہلے ہی تم لوگوں کو متنبہ کیا تھا اور ابھی تو تم پر مزید برا وقت بھی آئے گا"۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا: "خیر! ہم صبر سے انتظار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے"۔ یہ کہہ کر وہ اس کا اعتماد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ "سو مسئلہ یہ ہے کعب کہ اس شخص کی وجہ سے ہماری معاشی حالت بگڑ گئی ہے، لہٰذا ہم تم سے کچھ اُدھار لینا چاہتے ہیں، جس پر ہم تمہیں ضمانت بھی دیں گے"۔ اس نے کہا کہ "پھر ایسا کرو کہ اپنی اولاد بطور ضمانت میرے حوالے کر دو"۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ "اگر آج ہم اپنے بچے تمہارے پاس چھوڑ جائیں تو پھر زندگی بھر لوگ ان کو طعنہ دیتے رہیں گے کہ تمہارے والدین نے تو چند روپوں کے بدلے تمہیں گروی رکھوا دیا تھا، اور یہ بات ساری زندگی ان کے لیے عار ہو گی"۔

اب اس نے کہا کہ "اچھا تو پھر اپنی خواتین میرے پاس بطور ضمانت چھوڑ جاؤ"۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ہم اپنی خواتین تمہارے پاس کیسے چھوڑ سکتے ہیں جبکہ تم اس قدر وجیہ شخص ہو؟ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس گروی رکھوا دیں"۔

اس نے کہا ٹھیک ہے، اور یوں محمد بن مسلمہؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس کے ساتھ ایسا معاملہ طے کیا کہ جب اگلی مرتبہ وہ ہتھیاروں سے لیس ہو کر اس کے پاس آئیں تو اسے کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو۔ لہٰذا انہوں نے اس کے ساتھ وقت مقرر کیا اور رات گئے اس کے پاس پہنچے کہ کارروائی کے لیے یہی وقت مناسب تھا، اور اسے پکارا۔

کعب کی بیوی نے اس سے کہا کہ "ان کی آواز سن کر مجھے خطرے کا احساس ہو رہا ہے"۔ کعب نے کہا کہ "فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، یہ میرا دوست محمد بن مسلمہ اور میرا بھائی ابونائلہ ہیں"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے درمیان زمانہ جاہلیت میں دوستانہ تعلقات تھے جن میں تعطل آ گیا تھا۔

سو وہ قلعے سے نیچے اتر گیا۔ اس سے پہلے ہی محمد بن مسلمہؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ طے کر چکے تھے کہ جب تم لوگ دیکھو کہ میں نے اس کا سر دبوچ لیا ہے تو اس پر جھپٹ پڑنا اور اپنی تلواروں سے اس کے ٹکڑے کر ڈالنا۔

جب کعب ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ "کیا خیال ہے، کیوں نہ شعب العجوز چل کر وہاں گپ شپ میں رات گزاریں؟" کعب نے اس رائے کا خیر مقدم کیا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ یوں وہ اسے قلعے سے ہٹ کر اس دور دراز جگہ تک لانے میں کامیاب ہو گئے۔

کعب نے اپنے سر میں مشک یا کوئی اور خوشبو لگا رکھی تھی۔ پس جب وہ مطلوبہ مقام پر پہنچ گئے تو محمد بن مسلمہؓ نے کعب سے کہا کہ "واہ! تمہارے پاس سے کس قدر اچھی خوشبو آ رہی ہے؛ میں ذرا قریب سے سونگھ لوں؟" اس نے کہا، "کیوں نہیں، ضرور سونگھو"۔ سو محمد بن مسلمہ نے اس کا سر اپنی طرف جھکا کر سونگھا اور کہا، "زبردست!"

تھوڑی دیر بعد محمد بن مسلمہؓ نے دوبارہ کہا کہ "یہ خوشبو تو بہت زبردست ہے، کیا میں دوبارہ سونگھ لوں؟"

اس نے پھر اجازت دے دی تو محمد بن مسلمہؓ نے اس مرتبہ اس کو مضبوطی سے قابو کر لیا اور ان کے ساتھیوں نے اپنی تلواروں سے اس پر حملہ کر دیا مگر وہ اس حملے سے قتل نہ ہوا اور اس نے مدد کے لیے چلانا شروع کر دیا۔ پلک جھپکتے میں ہی آس پاس کے تمام قلعوں کی روشنیاں جل اُٹھیں مگر اس سے پہلے کہ کوئی اس کی مدد کو پہنچتا، محمد بن مسلمہؓ کو یاد آیا کہ ان کے پاس ایک چاقو بھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ "پس میں نے اپنا چاقو نکال کر کعب کے پیٹ میں گھونپ کر اسے نیچے کی طرف کھینچا یہاں تک کہ وہ پیڑو کی ہڈی (pubic bone) سے ٹکرا گیا، اور تب ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔" (صحیح بخاری)

اس طرح محمد بن مسلمہؓ اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے ان کے ساتھیوں نے ایک ایسے شخص کو اپنے منطقی انجام تک پہنچا کر دم لیا جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی۔

کعب کے قتل کے نتائج

ابن تیمیہؒ نے یہ قصہ اپنی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" یعنی "شاتم رسول پر سونتی ہوئی تلوار"، میں ذکر کرنے کے بعد چند امور کا ذکر کیا ہے جنہیں ہم دیکھ لیتے ہیں۔

سب سے پہلے وہ علمائے سیرت میں سے علامہ واقدیؒ کی روایت بیان کرتے ہیں۔ چونکہ اپنے نتائج کے اعتبار سے یہ ایک بڑا اہم واقعہ اور ایک بھرپور کارروائی تھی لہٰذا علامہ واقدی نے اس واقعے کے نتائج پر بحث کی ہے کہ جس نے مدینہ کے نزدیک بسنے والی یہودی برادری اور کفار میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔

واقدی کہتے ہیں کہ ”صبح ہوئی تو یہودی مشرکین کہ ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور شکایت کی کہ گزشتہ رات ہمارے ایک آدمی کو جو ہمارے معززین اور سرداروں میں سے تھا، قتل کر دیا گیا ہے“۔

انہوں نے کہا ”قتل الغيلة“ یعنی ایسے طریقے سے قتل کہ جس میں منفی معنی بھی شامل ہیں کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ اس شخص کو کسی مقابلے میں قتل نہیں کیا گیا بلکہ اسے اس کی بے خبری میں گھیر کر قتل کیا گیا۔ نیز انہوں نے کہا کہ اسے بلا قصور قتل کیا گیا۔

کعب بن اشرف کو کیوں قتل کیا گیا؟ یہ وہ سوال تھا جسے لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، کیونکہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ موجود تھا۔ سیرت کی کتابوں میں یہ معروف واقعہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے وہاں کے یہود کے ساتھ ایک امن معاہدہ کیا تھا۔

معاہدے کے ہوتے ہوئے آخر کعب بن اشرف کو کیوں قتل کیا گیا؟ آخر یہ واقعہ کیسے پیش آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کیا جواب دیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”اگر اپنے ہم خیال دیگر لوگوں کی طرح وہ بھی پر امن ہی رہتا تو وہ بھی نہ قتل کیا جاتا۔ مگر اس نے ہمیں اذیت پہنچائی اور اپنی شاعری سے ہماری ہجو کی۔ اور اگر تم میں سے کوئی اور بھی یہ کام کرے گا تو ہم اس کے ساتھ تلوار سے ہی نمٹیں گے۔“

رسول اللہ ﷺ کہہ رہے ہیں کہ ایسے تو بہت سے لوگ اور بھی ہیں جو اپنے دلوں میں کعب بن اشرف والے ہی عقائد رکھتے ہیں، مگر اس کے قتل کی وجہ اس کے عقائد نہیں ہیں۔ یعنی یہ تو واضح ہے کہ نہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے قتل کیا گیا اور نہ ہی نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں سے بغض رکھنے کی بنا پر اسے قتل کیا گیا۔ ایسے تو بہت سے ہیں جن کے دلوں میں بعینہ یہی مرض ہے اور ہم نے انہیں قتل نہیں کیا، فرمایا کہ پس اگر وہ بھی سکون سے رہتا جیسا کہ اس جیسے باقی لوگ رہے تو اس کو بھی قتل نہ کیا جاتا، مگر اس نے ہمارے خلاف زبان درازی کی، مجھ پر سبّ و شتم کیا اور اپنی شاعری میں میری ہجو کی۔

پھر آپ ﷺ نے یہودیوں پر واضح کر دیا کہ اگر یہود یا مشرکین میں سے کسی نے بھی میری شان میں گستاخی کی تو پھر ہم تم سے اِسی طرح نمٹیں گے اور تمہارے اور ہمارے بیچ صرف تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ یعنی پھر ہمارے تمہارے درمیان نہ کوئی مذاکرات ہوں گے، نہ ہی کوئی معافی تلافی ہو گی، نہ ہی تعلقات بحال کرنے یا مفاہمت کی کوئی کوشش کی جائے گی، بلکہ میرے اور تمہارے درمیان صرف اور صرف تلوار ہو گی، اور یہ بات آپ ﷺ نے اُن پر روزِ روشن کی طرح واضح کر دی۔ پھر آپ ﷺ نے کفار کو بلایا اور ایک دستاویز پر ان سے دستخط لیے، جس کے تحت اُن سب نے یہ عہد کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف نہیں بولیں گے۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:

> ”اس واقعے میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچانا ہی وہ سبب ہے کہ جس کی بنا پر مسلمان اٹھیں اور ایسا کرنے والے ہر شخص کو قتل کریں، خواہ اس کا مسلمانوں کے ساتھ کوئی عہد یا میثاق ہی کیوں نہ ہو۔“

ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں اس حکم کے خلاف اٹھنے والے بعض اعتراضات اور شبہات کا جواب بھی دیا ہے اور انہوں نے اس واقعے کو مذکورہ اعتراضات کے رد کے لیے بطور دلیل استعمال کیا ہے۔

کچھ لوگوں نے کوشش کی ہے کہ اس حدیث کے معنی کو توڑ مروڑ کر پیش کریں اور کہیں کے کعب کو اس کے گستاخانہ الفاظ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے قتل کیا گیا کیونکہ وہ کفار کو محمد ﷺ کے خلاف لڑنے پر اُبھار رہا تھا۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: ”نہیں! وہ اپنی اس گستاخانہ شاعری کی بدولت قتل کیا گیا جو اس نے سفر مکہ پر روانہ ہونے سے بھی پہلے کی تھی“۔ سو اس کا تعلق ہرگز اس کے مکہ جانے اور اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف لڑائی پر ابھارنے سے نہیں بلکہ اس کے قتل کا براہِ راست تعلق اس کی گستاخانہ شاعری سے ہی تھا۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

> ”ابن اشرف کا کُل جرم زبان سے اذیت پہنچانا تھا، خواہ وہ مقتولینِ کفار پر مرثیہ نگاری ہو یا انہیں لڑائی پر اُبھارنا، اس کا سبّ و شتم ہو یا اس کی ہجو، اس کا دین اسلام کو نیچا دکھانا ہو یا کفار کے دین کو ترجیح دینا، یہ سب کچھ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہی تھے۔ اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا تھا جو مادی طور پر مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے زمرے میں آتا ہو، البتہ اس نے اہل ایمان کو اپنی زبان سے ایذا ضرور پہنچائی۔ اور یہ ایک حجت ہے ہر اس شخص کے خلاف جو ان معاملات میں بحث و مباحثہ کرتا ہے۔ پس یہ واضح ہے کہ ہر وہ شخص، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو، شاعری اور گستاخی کے ذریعے اذیت دیتا ہے، اس کے لیے کوئی امان نہیں۔“

ابو رافع کا قتل

حضرت کعب بن مالکؓ کے بیٹے کہتے ہیں کہ اوس اور خزرج رسول ﷺ کے سامنے آپس میں دو گھوڑوں کی طرح مقابلہ کیا کرتے تھے۔ جب کبھی ان میں سے ایک قبیلہ ایسا کوئی کام کرتا جس سے رسول اللہ ﷺ خوش ہوتے تو دوسرا اُس پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔

ان کا مقابلہ ڈگریوں اور مال و دولت میں نہ تھا، نہ ہی اس میں کہ کس کا مکان زیادہ اچھا اور کس کی بیوی زیادہ خوب صورت ہے، نہ ہی وہ بہتر سے بہتر گاڑیوں میں مسابقت کے خواہاں تھے، بلکہ ان کے یہاں مسابقت کا میدان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا حصول تھا۔

سو اب اہل خزرج جمع ہوئے اور انہوں نے باہم کہا کہ اوس والے تو رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں میں سے ایک کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، ہمیں بھی اب کچھ ایسا ہی کرنا ہو گا۔ پس کعب بن اشرف کے بعد کون نبی ﷺ کا بدترین دشمن ہے؟ اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ بدترین دشمن ابو رافع ہے۔

انہوں نے اپنا منصوبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ وہ ابو رافع کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی رضامندی دے دی۔

پس خزرج کے کچھ لوگ ابو رافع کے قتل کے لیے نکلے۔ اس واقعے کو میں مختصراً بیان کرتا ہوں کیونکہ ہمارا اصل مقصد واقعے کی جزئیات نہیں بلکہ اپنے زیر نظر موضوع کے حق میں بطور دلیل اسے بیان کرنا ہے۔

رات کے اندھیرے میں عبد اللہ بن عتیکؓ دھوکے سے قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور ابو رافع کے کمرے کی چابی حاصل کر لی۔ پھر وہ ابو رافع کے کمرے میں داخل ہو گئے مگر رات کافی گزر جانے اور گھپ اندھیرے کے باعث انہیں ابو رافع دکھائی نہ دیا۔ سو کیا کیا پھر انہوں نے؟ انہوں نے ابو رافع کو پکارا، "ابو رافع"!

بہت ہی حیرت انگیز کام ہے جو انہوں نے کیا کیونکہ جس شخص پر آپ حملہ آور ہونے چلے ہیں اسے بآواز بلند پکارنے کے لیے اچھی خاصی ہمت درکار ہے، اور وہ بھی ایسے وقت میں جب آپ اس کے شب خوابی کے کمرے کے اندر موجود ہوں اور ارد گرد گھپ اندھیرا ہو۔

وہ سیدھا آگے بڑھے اور اسے پکارا، "ابو رافع! کہاں ہو تم؟" جب اس نے جواب دیا تو عبد اللہ بن عتیکؓ کہتے ہیں کہ "میں نے آواز کی سمت وار کیا جو اس کو لگا مگر وہ اس کے لیے مہلک ثابت نہیں ہوا اور وہ مدد کے لیے پکارنے لگا"۔

اب عبد اللہ بن عتیکؓ نے، جن کی فوری قوتِ فیصلہ یقیناً بہت زبردست تھی، فوراً پینترا بدلا اور پلٹ کر آئے اور آواز بدل کر ایسے بولے جیسے کوئی مددگار ہو اور کہا، "کیا ہوا ابو رافع؟"

ابو رافع نے کہا: "غارت ہو جاؤ! یہاں کوئی ہے جو مجھے قتل کرنے کی کوشش کر رہا ہے"۔

عبد اللہ بن عتیکؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر آواز کی سمت کا اندازہ کر کے وار کیا لیکن اس بار بھی میں اسے قتل نہ کر سکا اور وہ پھر مدد کے لیے چلایا۔ اب کی بار عبد اللہ بن عتیکؓ پھر پلٹ کر، مختلف آواز کے ساتھ واپس آئے، اس مرتبہ ابو رافع پہلے ہی پشت کے بل گرا ہوا تھا کیونکہ اس سے پہلے وہ دو ضربیں کھا چکا تھا لہٰذا عبد اللہ بن عتیکؓ کہتے ہیں کہ "میں نے اپنی تلوار اس کے پیٹ میں گھونپ دی اور اسے اندر کی طرف دباتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ میں نے ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز سن لی۔" ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے حرام مغز چیر دیا ہے اور یوں اس کا قلع قمع ہو گیا۔

عبد اللہ بن عتیکؓ واپس پلٹے اور سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگے مگر وہ کہتے ہیں کہ "پریشانی میں، میں یہ سمجھا کہ میں تمام سیڑھیاں اتر چکا ہوں جبکہ ابھی ایک زینہ باقی تھا، سو میں گر پڑا اور میری ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پھر میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور ان کو بتایا کہ میں نے اس کو قتل کر دیا ہے مگر میں تسلی کرنا چاہتا ہوں، اس لیے میں یہاں انتظار کروں گا، آپ لوگ جائیں اور جا کر رسول اللہ ﷺ کو خوش خبری سنا دیں، میں یہاں رہ کر اس کی موت کے اعلان کا انتظار کروں گا"۔

دیکھیے! صحابہ کرامؓ کیسے اپنا کام پورا کرنا چاہتے تھے! ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور انہوں نے دشمن خدا کی ریڑھ کی ہڈی توڑ ڈالی، لیکن پھر بھی وہ پیچھے رہ کر اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ آیا کام پوری طرح ہو چکا یا نہیں۔ اس ساری تکلیف کے باوجود وہ پیچھے رہ کر انتظار کرنا چاہتے تھے!

فجر کے وقت یہ خبر پھیل گئی کہ حجاز کا مشہور تاجر، ابو رافع قتل ہو گیا ہے۔

عبد اللہ بن عتیکؓ نے کیا کہا؟ کیا یہ کہ ہم اس دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں؟ اس شخص کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے تھا، یہ ایک غیر اسلامی فعل ہے، وغیرہ وغیرہ؟

عبد اللہ بن عتیکؓ نے کہا کہ "جب میں نے ابو رافع کے قتل کی خبر سنی، جب میں نے وہ اعلان سنا، تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان الفاظ سے زیادہ میرے کانوں کے لیے کوئی شیریں الفاظ نہ تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ان الفاظ سے زیادہ شیریں الفاظ نہیں سنے"۔

یہ ہے ان کا قول! اس درجہ محبت کرتے تھے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے! پھر وہ جلدی سے مدینہ پہنچے اور جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا:

أَفْلَحَ الْوَجْهُ

"تمہارا چہرہ کامیاب ہو۔"

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو جواباً کہا: آپ کا چہرہ کامیاب ہو، اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ بھی خوش تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی مسرور تھے۔ (صحیح بخاری)

ابن خطل کا قتل

تیسری مثال فتح مکہ کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ یہ مقدس شہر بغیر کسی خون خرابے کے فتح ہو اور وہ پر امن طریقے سے وہاں داخل ہوں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں عاجزی کے ساتھ، اللہ کے حضور سجدہ کرتے اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ نہ ہی کوئی جشن ہوا، نہ گانے گائے گئے، اور نہ ہی کوئی قتل وغارت گری ہوئی۔ چہار جانب امن ہی امن تھا۔ یہ اعلان عام کر دیا گیا تھا کہ:

اذهبوا فأنتم الطلقاء

”جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

ہاں البتہ ایک فہرست ان لوگوں کے ناموں پر مشتمل تھی، جن کے بارے میں فرمایا کہ ”چاہے انہیں کعبے کے غلاف سے لپٹا ہوا پاؤ تب بھی انہیں قتل کر دو“۔

پوری دنیا میں سب سے قابل احترام جگہ مکہ کو سمجھا جاتا ہے اور وہاں بھی حدود حرم سب سے زیادہ محترم جگہ ہے، اور زمانۂ جاہلیت میں مشرکین تک کا یہ اصول تھا کہ اگر کوئی کعبہ کا پردہ چھولے یا اس سے لپٹ جائے تو اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فاقتلوهم وان كانوا معلقين على أستار الكعبة

”ان کو قتل کر دو چاہے وہ کعبہ کے غلاف سے لپٹے ہوئے ہوں۔“

یہ لوگ کون تھے جن کے بارے میں اتنے سخت احکامات دیے گئے؟

اس فہرست میں چند نام تھے اور انہی میں عبد اللہ بن خطل، اس کی دو گانے والی لونڈیوں اور ابو لہب کی لونڈی سارہ کا نام شامل تھا۔ یہ لوگ کون تھے؟

عبد اللہ بن خطل کی دو لونڈیاں رسول اللہ ﷺ کی ہجو گاتی تھیں اور مکہ میں آپ ﷺ کے خلاف گانے کی محفلیں سجایا کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ اس فہرست میں ابو لہب کی ایک لونڈی کا نام بھی تھا۔

سب سے پہلے عبد اللہ بن خطل کا ذکر کرتے ہیں، وہ حقیقتاً غلافِ کعبہ سے چمٹا ہوا تھا کہ ایک صحابیؓ نے اس پر حملہ کر کے اسے اپنے انجام تک پہنچا دیا۔ اب ان عورتوں کے دلچسپ ماجرے کو دیکھتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے میرے عزیز بھائیو اور بہنو کہ آپ سب ہی جانتے ہیں کہ عورتوں کو مارنا جائز نہیں۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے، پھر بھی اس فہرست میں بالخصوص ان عورتوں کے نام تھے کہ انہیں قتل کیا جائے!

دوسری بات یہ کہ ہم جانتے ہیں کہ اگر عورتیں مسلمانوں کے خلاف کسی لڑائی میں شامل ہوں تو انہیں قتل کیا جا سکتا ہے۔ مگر نہ تو یہ عورتیں لڑ رہی تھیں اور نہ ہی انہوں نے کسی جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا تھا۔ بلکہ وہ تو مکمل طور پر تسلیم (سرنڈر) تھیں۔

تیسری بات یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے تمام لوگوں کو امن اور تحفظ دیا لیکن ان کو مستثنیٰ رکھا۔

مزید بر آں کہ یہ تینوں آزاد عورتیں بھی نہیں تھیں، لونڈیاں تھیں اور اسلامی قوانین اور حدود میں آزادی بہت اہم کردار ادا کرتی ہے، نیز چونکہ غلام خود مختار نہیں ہوتا لہٰذا غلاموں کی سزا ہلکی ہوتی ہے۔ یہ عورتیں آپ ﷺ کے خلاف اشعار کہنے کے معاملے میں آزاد نہیں تھیں، بلکہ یہ اپنے آقاؤں، عبد اللہ بن خطل اور ابو لہب کے کہنے پر ایسا کرتی تھیں، اس کے باوجود بھی ان لوگوں کے لیے سب سے مختلف حکم دیا گیا کہ ان کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے!

توہینِ رسالت سب سے بڑا جرم ہے

ابن تیمیہؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”یہ اس بات کا بالکل واضح ثبوت ہے کہ سب سے بڑا جرم رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا ہے۔ کیونکہ ان سب باتوں کے باوجود کہ آپ ﷺ نے مکہ کے لوگوں کو امن دیا تھا، اور یہ خواتین تھیں، لڑائی میں بھی شریک نہیں تھیں اور لونڈیاں تھیں، آپ ﷺ نے ان کے لیے سزائے موت کا حکم دیا۔ اسی سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جرم کس قدر سنگین ہے۔“

اس کے علاوہ ایک اور شخص الحویرث بن نُقَیض تھا جس کا نام اس فہرست میں موجود تھا۔ وہ بھی اپنی زبان سے نبی ﷺ کو ایذا پہنچایا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے وقت وہ اپنے گھر میں چھپا بیٹھا تھا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس کو تلاش کرتے ہوئے اس کے گھر پہنچ گئے اور اس کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ وہ یہاں موجود نہیں ہے بلکہ بادیہ یعنی مکہ سے باہر چلا گیا ہے۔ انہوں نے حویرث کو بھی خبر دار کر دیا کہ علیؓ تمہیں ڈھونڈتے ہوئے یہاں آئے تھے۔ علیؓ جا کر گھر کے عقب میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب حویرث دوسرے کسی گھر کی طرف بھاگنے کے لیے نکلا تو علیؓ نے اس پر حملہ کر کے اس کا قلع قمع کر دیا۔

اسی طرح کی ایک اور مثال کعب بن زُہیر کی ہے۔ وہ خود بھی شاعر تھا، اس کا بھائی بھی شاعر تھا اور اس کا باپ زہیر بن ابی سلمہ بہت مشہور شاعر تھا۔ وہ ان شعراء میں سے تھا جن کی شاعری معلّقات میں شامل تھی۔ یہ عربوں کے ہاں دستور تھا کہ شاعری کے بہترین نمونوں کو، ان کی خوبی کے اظہار کے لیے وہ کعبہ کی دیوار پر لگا دیا کرتے تھے۔ زہیر بھی انہی شعرا میں سے تھا کہ جس کی شاعری کعبہ کی دیوار پر آویزاں تھی اور اس کے دونوں بیٹے کعب اور

بُجَیر بھی شاعر تھے۔ بُجَیر مسلمان تھے، جب کہ کعب کافر تھا اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف اشعار کہا کرتا تھا۔

جب مسلمان مکہ میں داخل ہوئے تو بُجَیر نے اپنے بھائی کو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے ان لوگوں کو قتل کر رہے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے خلاف شاعری کی ہے۔ کعب اس وقت مکہ میں موجود نہیں تھا، تاہم اس کے بھائی نے اسے قبل از وقت خبر دار کر دیا کہ آپ ﷺ نے ان سب لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جنہوں نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے ہیں اور عبد اللہ بن زباریہ اور مغیرہ بن ابی وہب جیسے لوگ جو بچ گئے ہیں وہ بھی بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والے تمام افراد کے قتل کا حکم دیا ہے۔ سو یہ اس جرم کی سنگینی کی ایک اور مثال ہے۔

جب گستاخِ رسول کی التجائیں بے کار گئیں

رسول اللہ ﷺ انتہائی مہربان تھے اور اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا کرتے تھے لیکن خاص اس معاملے میں آپ ﷺ کا رویہ مختلف تھا۔

اس کے بعد ہمارے سامنے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کا واقعہ آتا ہے۔ غزوہ بدر میں قریش کے ستر مشرک، قیدی بنے۔ آپ ﷺ نے تمام قیدیوں کو، جائزے کے لیے، فرداً فرداً اپنے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا۔ انہی قیدیوں میں نضر بن حارث بھی شامل تھا۔ آپ ﷺ اس کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔ نضر بن حارث نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں کچھ دیکھا اور اپنے ساتھ والے آدمی سے کہا: ”سنو! مجھے قتل کر دیا جائے گا، میں رسول اللہ (ﷺ) کی آنکھوں میں اپنی موت دیکھ رہا ہوں“۔

وہ شخص بولا: ”ارے نہیں بھئی! تم تو یونہی مبالغہ آرائی سے کام لے رہے ہو، اصل بات یہ ہے کہ تم پر خوف و دہشت غالب ہے“۔ نضر نے کہا: ”نہیں! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، میں نے رسول اللہ (ﷺ) کی آنکھوں میں اپنی موت دیکھی ہے“۔

پھر نضر بن حارث نے مصعب بن عمیرؓ کو بلایا جو اس کے رشتہ دار تھے اور ان سے کہا: ”رسول اللہ (ﷺ) کے پاس جا کر ان سے کہو کہ میرے ساتھ بھی باقی لوگوں والا معاملہ کریں، اور مجھ سے اسی طرح کا برتاؤ کریں جس طرح کہ میرے قوم کے دیگر لوگوں سے کریں گے، اگر وہ ان کو مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو مجھے بھی مار دیں اور اگر ان کو معاف کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو مجھے بھی معاف کر دیں“۔

مصعب بن عمیرؓ نے جواب دیا: ”تم وہی ہو جس نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے اور تم تو وہ ہو جو اللہ کی کتاب کے خلاف باتیں بنایا کرتے تھے!“

نضر بن حارث رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں آپ کی مجلس کے قریب ہی اپنی مجلس سجالیا کرتا تھا۔ وہ ایران جا کر قصے کہانیاں سیکھ کر آیا اور واپس آکر مشرکین سے کہا کہ محمد (ﷺ) تمہیں قصے ہی تو سنا رہے ہیں، میرے پاس سنانے کے لیے ان سے بہتر قصے ہیں، آؤ آکر میرے قصے سنو!

اس نے مصعبؓ سے دوبارہ التجا کی کہ ”براہ کرم رسول اللہ ﷺ سے بات تو کرو“۔ انہوں نے جواباً کہا کہ ”کیا تم وہی نہیں ہو جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو اذیتیں دیا کرتے تھے؟“

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے نضر بن حارث کو بلوایا اور علی بن ابی طالبؓ کو اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ اسے عمومی سلوک سے مستثنیٰ ہی رکھا گیا۔

یہ اس وقت ہوا جب مسلمان (غزوہ بدر کے بعد) مدینہ واپس جا رہے تھے۔ ایک خاص مقام پر پہنچ کر نضر بن حارث کو قتل کیا گیا اور جب ذرا اور آگے گئے تو آپ ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا۔

عقبہ بولا: ”ہائے میری بربادی! صرف مجھے ہی کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ میرے ساتھ یہاں جتنے لوگ ہیں سبھی آپ کے دشمن ہیں، ان سب نے آپ کے خلاف جنگ کی ہے، میرے ساتھ کے یہ سب قریش سے ہیں، میرے اپنے قبیلے کے لوگ ہیں تو پھر آپ صرف مجھے کیوں قتل کر رہے ہیں؟“

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

لِعَدَاوَتِکَ لِلّٰہِ وَلِرَسُولِہِ۔

”اللہ اور اس کے رسول سے تمہاری عداوت کی وجہ سے۔“

اس نے کہا: ”اے محمد (ﷺ)! میرے ساتھ وہی برتاؤ کیجیے جو میرے باقی قبیلے والوں کے ساتھ کریں گے، اگر انہیں قتل کریں گے تو مجھے بھی قتل کر دیں، اگر ان کو چھوڑنے کا ارادہ ہو تو مجھے بھی چھوڑ دیں، اور اگر آپ ان سے فدیہ لیں تو مجھ سے بھی جو چاہے لے لیں“۔ اور پھر وہ بولا: ”اے محمد (ﷺ)! میرے بچوں کا خیال کون رکھے گا؟“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”جہنم کی آگ! عاصمؓ! اس کو پکڑ کر اس کی گردن اڑا دو!“

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم کتنے برے آدمی تھے! واللہ! میں نے تم سے بڑھ کر اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول کا انکاری نہیں دیکھا۔ تم نے اللہ کے نبی ﷺ کو ایذا دی۔ میں اللہ کی تعریف بیان کرتا ہوں جس نے تمہیں مارا اور تمہاری موت دکھا کر میرے آنکھیں ٹھنڈی کر دیں“۔

یہ بالکل واضح ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ بالکل مختلف رویہ رکھا۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

لبیک اللّٰھم لبیک

قاضی ابو احمد

پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر اس قدر درود و سلام ہو، اللہ کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں کہ جن سے اللہ راضی ہو جائے اور جن سے آپ کا حق درود ادا ہو پائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہوتے اور ہم سے گفتگو فرما رہے ہوتے کہ اذان کی آواز بلند ہوتی تو اس طرح اٹھ کر روانہ ہو جاتے گویا ہم سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

اذان کی یہ پکار دراصل اللہ رب العزت کے دربار میں حاضری کی پکار ہے، جہاں اللہ نے پکارا وہاں ہر دوسرا تعلق، ہر ترجیح، ہر ذمہ داری اور ہر اہم کام پیچھے رہ گیا، اللہ کی پکار سب پر غالب آگئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی طرف لپکے۔ لبیک اللھم لبیک کی یہی عملی تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت مبارکہ کا احاطہ کیے دکھائی دیتی ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے آخری ایام ہیں، آخری خطبہ ہے، مسجد نبوی ہے، جاں نثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت سامنے ہے اور پیارے نبی (ہماری جان اور ہمارا سب کچھ آپ پر قربان ہو) فرما رہے ہیں کہ:

> ”اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ چاہے دنیا کی نعمتیں اختیار کرے یا اپنے رب کے پاس جو کچھ ہے، مگر اس بندے نے اپنے رب کے پاس کی نعمتوں کو اختیار کر لیا۔“

نزع کا عالم ہے، سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں ہے، پانی میں ہاتھ ڈال کر بار بار چہرہ انور پر پھیرتے ہیں اور فرماتے ہیں، لا اله الا الله، إنَّ لِلموتِ سَكَرات، اور پھر زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں: في الرفيق الاعلى، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بارہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن چکی تھی کہ کسی بھی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک کہ اسے دنیا اور آخرت میں سے ایک کے اختیار کا موقع نہ دیا جائے، اور پھر جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے، ”اللّٰهم في الرفيق الأعلى“، تو جان گئی کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کی رفاقت کو اختیار فرما لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر ایک نگاہ ڈالیں تو کیا دکھائی دیتا ہے؟ کیا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا والوں سے کوئی تعلق یا لگاؤ نہ تھا؟ ہر گز نہیں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں کتنے ہی رشتوں سے وابستہ تھے، ایک بیٹے، ایک بھتیجے، ایک شوہر، ایک باپ، ایک دوست، ایک نانا اور پھر پوری امت کے نبی و رسول۔ جس تعلق میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جڑے رہے اس سے اپنی محبت، اپنی الفت، اپنے لگاؤ کا بار بار اظہار فرماتے، اپنی تمام ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے ادا فرمایا، اپنے گھر والوں اور اپنے ساتھیوں کی دل جوئی بھی کی اور ان کی غم خواری میں بھی کبھی پیچھے نہ رہے۔

لوگوں نے دریافت کیا: ”یا رسول اللہ! لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟“ آپ ﷺ نے بلا تردد فرمایا: ”عائشہ۔“ پھر پوچھا گیا: ”مردوں میں؟“ فرمایا: ”عائشہ کا باپ“۔ اپنی محبوب بیٹی فاطمہؓ کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے، انہیں چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے، فرماتے کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔

حسنؓ اور حسینؓ سے ایسی محبت تھی کہ انہیں اپنے کندھوں پر بٹھاتے اور دوران نماز وہ سجدے کی حالت میں پشت مبارک پر سوار ہو جاتے تو ان کی خوشی کی خاطر سجدہ طویل فرما دیتے۔ دعا فرماتے: ”یا اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی انہیں محبوب رکھ“۔

اپنے محبوب ساتھی ابو بکرؓ سے متعلق فرمایا کہ جان، مال، صحبت و رفاقت کے معاملے میں ان سے بڑھ کر میرا کوئی محسن نہیں۔ اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا۔ بارہا فرمایا: ”میں، ابو بکر اور عمر فلاں امر کی تصدیق کرتے ہیں“ خواہ ابو بکرؓ و عمرؓ وہاں موجود نہ بھی ہوتے، یہ محبت بھی تھی، اعتماد بھی تھا اور دل کا تعلق بھی۔

اور پھر امت، وہ امت جس کے بہت سے افراد کو آپ ﷺ نے دیکھا بھی نہ تھا، اس کے حق میں فرمایا کہ ہر نبی کو ایک دعا ایسی عطا کی گئی ہے جو ضرور قبول ہو گی، اور ہر نبی نے اپنے حصے کی وہ دعا کر لی ہے، جبکہ میں نے اپنے حصے کی وہ دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھی ہے۔

پس ایسے نبی کہ جنہوں نے اپنے ہر تعلق کا حق ادا کیا، ہر رشتے کو اپنی محبت اور اپنے دلی تعلق کا بھرپور یقین دلایا، لیکن جب ان کے رب نے انہیں اختیار دیا تو انہوں نے اپنے رب کی رفاقت کو اختیار فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہمیں یہ نہیں سکھاتی کہ تعلقات سے کنارہ کش ہو جائیں، بلکہ یہ سکھاتی ہے کہ تعلقات کو ان کی صحیح جگہ پر رکھا جائے۔

رشتے نبھایے، مگر دل کی ڈور اس ذات سے بندھی ہو کہ جس کی طرف ایک دن سب نے لوٹ کر جانا ہے۔

دنیا میں رہتے ہوئے اپنے ہر کردار کا حق ادا کیجیے، والدین ہوں یا اولاد، شریکِ حیات ہو یا دوست، سب کے حقوق ادا کیجیے، لیکن یہ سب کرتے ہوئے دل ہر وقت اپنے رب سے وابستہ رہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۲پر)

معیارِ عشق نبی الملاحم ﷺ

انجینئر زین علی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک راز سے قرآن حکیم میں پردہ اٹھادیا۔ یوں تو ہر شخص چاہتا ہے کہ کائنات کا خالق ومالک اس سے محبت کرے۔ لیکن رب کائنات کس کو اپنی محبت سے نوازے گا اس کا پیمانہ بتادیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭوَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورۃ آل عمران:۳۱)

”(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔“

گویا خالق کائنات نے اپنی محبت حاصل کرنے کا راستہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا۔ ساتھ ہی ساتھ لغزشوں کی معافی بھی اسی راستے عطا فرمانے کا پروانہ جاری فرمایا۔ ایک لطیف نقطہ یہاں یہ ہے کہ محبت کے پیرائے میں طاعت کا مضمون یعنی محبت سچی ہی تب ہو گی اگر اطاعت ہو گی ورنہ وہ زبانی دعوے کہلائے جائیں گے۔ اور غور طلب یہ ہے کہ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے دعوے ہی نہیں بلکہ ذکر کرکے واضح فرما دیا کہ اللہ کی محبت کے دعوے داروں سے فرما دیجیے کہ آپ کی اطاعت کریں۔ اللہ ان سے محبت فرمائے گا۔

نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان گنت درود اور ان گنت سلام ہو۔ آپ کی ذات اقدس پر درود و سلام پڑھنا بلاشبہ محبت کی علامت ہے اور پڑھنے والے کے لیے باعث رحمت اور خیر وبرکت ہے۔ لیکن محض اسی پر اکتفا کرنے سے بات اُدھوری رہ جائے گی۔

ایک مسلمان کے لیے لازم ہے سیرت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک گوشہ کو سینے سے لگائے اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کی ہر ہر ساعت میں اپنے لیے رہنمائی تلاش کرے اسے لائق اتباع سمجھے۔ نبوی طریق دعوت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت شرق و غرب میں پھیلانے کی جہد مسلسل کا حصہ بنے۔ ہر دینی تقاضے پر لبیک کہے، احکاماتِ دین کو نہ صرف خود پر لاگو کرے بلکہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے۔ کیونکہ سیرت طیبہ کے عمیق مطالعے سے یہی نچوڑ نکلتا ہے اور یہی حقیقی اطاعت و فرمانبرداری کہلائے گی۔

آج کے فتنہ زدہ لوگوں کی خواہشات کے برعکس سیرت طیبہ کے مطالعے کے دوران یہ ممکن نہیں کہ بدر و احد کے سنہرے اوراق کو حذف کیا جائے۔ غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہک سیرت مطہرہ کے دریچوں سے ہمیشہ آتی رہے گی۔ ان شاءاللہ!

کوئی لاکھ چاہے کہ دین کو محض غریب کی مدد تک محدود کر دیا جائے اور سیاسی غلبہ حاصل کرنے کا تصور ہی معدوم کر دیا جائے لیکن ایک مومن کبھی بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنی کے پرنور احکام سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کا ہر لمحہ تمام انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ یہی وجہ ہے نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیوانے اربوں ڈالر کی پراپیگنڈہ انڈسٹری، طاقت کے وحشیانہ استعمال اور ہر طرح کے ظلم وجبر کے باوجود اپنا راستہ خوب جانتے ہیں۔ یہ شمع جل رہی ہے اور ہمیشہ جلتی رہے گی۔ ان شاءاللہ!

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات اور سرایہ کے بعد صحابہ نے یہ سلسلہ جاری و ساری رکھا جو آج تک نسل در نسل ان کے جانشین جاری رکھے ہوئے ہیں۔ الحمدللہ!

آج بھی جہاں امت نجی زندگی میں مسواک اور سر ڈھانپنے سے لے کر تہجد کے اوقات میں گریہ وزاری کو اپنائے ہوئے ہے وہیں دین کے معاشی، سیاسی اور عسکری شعبہ جات میں بھی امت کے خوش نصیب ترین افراد اس توفیق سے بہرہ مند ہیں کہ وہ کفر کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ بلاشبہ آج عالمی جہاد کی قیادت اور کارکنان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ نجی، معاشرتی اور اجتماعی زندگی الغرض ہر پہلو میں نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت کے اصول پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ اسی میں امت کے ہر فرد کی دنیوی واخروی نجات کا راز پوشیدہ ہے۔

☆☆☆☆☆

مومن کے لیے موت وحیات

”ایک مومن مسلمان کے لیے موت وحیات کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس کی پوری کائنات اپنے رب کی رضا ہوتی ہے۔ موت کب آئے گی اور کب نہیں آئے گی، اس سے مومن کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس کا فرضِ منصبی صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار رہے۔“

حکیم الامت شیخ ایمن الظواہری (بحوالہ ایام مع الامام)

موت وما بعد الموت

عذابِ اہلِ جہنم

عذاب جہنم کے مختلف درجات ہوں گے۔ جہنم میں جو شخص سب سے ہلکے اور سب سے کم درجے کے عذاب کا مستحق ہو گا، اس کے حوالے سے بخاری شریف کی ایک حدیث ہے:

يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ؟ فَيَقُولُ نَعَمْ! فَيَقُولُ: أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هَذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا، فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِي۔

”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوزخ کا سب سے ہلکا عذاب پانے والے سے پوچھے گا: اگر تجھے روئے زمین کی تمام چیزیں میسر ہوں تو کیا تو وہ فدیے میں دے دے گا؟ وہ کہے گا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھ سے اس سے زیادہ آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا جب تو آدم کی پیٹھ میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، لیکن تو میرے ساتھ شرک پر مصر رہا۔“

اللہ فرمائیں گے کہ میں نے تو تم سے پوری دنیا بھر سونا نہیں مانگا تھا، میں نے تو اس سے بہت ہلکی چیز تم سے مانگی تھی، بہت سہل کام تمہیں کرنے کو کہا تھا اور وہ بھی تم نے نہیں کیا! آج کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو چند روپوں کی خاطر، نہ کہ سونے سے بھری پوری دنیا کے بدلے اپنا دین چھوڑ دیتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو چند روپوں کی خاطر نماز چھوڑتے ہیں، کتنے ہیں جو چند ٹکوں کی خاطر جمعے کی نماز کی پروا نہیں کرتے اور کتنے ہی ایسے ہیں جن کے ذہن و دل میں اپنے دین اسلام کی فکر و خیال ہی نہیں آتا، محض اس فانی دنیا کی فکروں میں گھلتے رہتے ہیں۔ ہم سالہا سال اس دنیا کے لیے محنت کرتے ہیں، اپنے آپ کو کھپاتے ہیں، گھلاتے ہیں مگر اتنے سالوں کی خواری کے بعد ہمیں حاصل کیا ہوتا ہے؟ ایک انسان زیادہ سے زیادہ کس قدر کما سکتا ہے؟ وہ جس قدر بھی کما لے کیا وہ اس قابل ہے کہ وہ اس کے بدلے اپنا دین چھوڑ دے؟ ہرگز نہیں۔ وہ جو جہنم کی سب سے ہلکی سزا پا رہا ہو گا، اس کے اختیار میں ہو تو وہ پوری دنیا کو سونے سے بھر کر فدیے میں دے دے اور اپنی جان اس عذاب سے چھڑا لے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تو اس سے بہت ہی آسان چیز کا مطالبہ اس دنیا میں کیا تھا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، مگر اس نے انکار کیا۔

اور یہ سب سے ہلکی سزا کیا ہے جہنم کی جس کے بدلے ایک جہنمی روئے زمین کی تمام دولت فدیے میں دینے کو تیار ہو گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ تُوضَعُ فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَةٌ يَغْلِي مِنْهَا دِمَاغُهُ (بخاری)

”قیامت کے دن عذاب کے اعتبار سے سب سے کم وہ شخص ہو گا جس کے دونوں قدموں کے نیچے آگ کا انگارہ رکھا جائے گا اور اس کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہو گا۔“

یہ جہنم کی سب سے ہلکی سزا ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں جہنم کی آگ سے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ (بخاری)

”حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے چچا (ابو طالب) کا ذکر ہوا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ امید ہے قیامت کے دن انہیں میری شفاعت کچھ نفع دے جائے گی کہ وہ آگ کے درمیانے درجے میں کر دیے جائیں گے کہ آگ ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھولنے لگے گا۔“

ابو طالب کو جہنم کے اس ہلکے عذاب والے درجے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش اور شفاعت کے بعد ڈالا جائے گا۔

منافقین کی سزا

منافقین جہنم کے سب سے نچلے (سب سے زیادہ عذاب والے) درجے میں ہوں گے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورۃ النساء: ۱۴۵)

”منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے۔“

عذاب کی مختلف انواع

کھال بھون ڈالنے کا عذاب

جہنمیوں کو متفرق عذاب دیے جائیں گے، جن میں سے ایک عذاب کھال کو بھون ڈالنے کا عذاب ہو گا۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا○ (سورۃ النساء:۵۶)

”بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہے، ہم انہیں آگ میں داخل کریں گے، جب بھی ان کی کھالیں جل جل کر پک جائیں گی، تو ہم انہیں ان کے بدلے دوسری کھالیں دے دیں گے تا کہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔ بے شک اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب حکمت بھی۔“

ہم جانتے ہیں کہ درد محسوس کرنے والے اعصاب کی سب سے زیادہ تعداد پٹھوں اور گوشت کی نسبت جلد میں موجود ہوتی ہے، لہٰذا جلد ہی سب سے زیادہ تکلیف اور درد محسوس کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کی جلد جل جائے گی اور اس کے اعصاب میں درد محسوس کرنے کی صلاحیت نہ رہے گی تو اللہ ان کی جلد تبدیل کر دیں گے تا کہ وہ عذاب کا مزا چکھتے رہیں اور ہم پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ جلد کی وہ تہہ کس قدر موٹی ہو گی۔

پگھلنے کا عذاب

عذاب کی ایک اور قسم پگھلنا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ○ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ○ (سورۃ الحج:۱۹،۲۰)

”جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، ان کے لیے آگ کے کپڑے تراشے جائیں گے، ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی چھوڑا جائے گا، جس سے ان کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی۔“

یہ پانی اس قدر کھولتا ہوا ہو گا کہ سر پر پڑنے والا یہ پانی ان کے جسموں کے اندر تک سب کچھ پگھلا ڈالے گا۔

چہرے پر عذاب

چہرہ جسم کا سب سے قابل تکریم اور نازک حصہ ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ○ (سورۃ المومنون:۱۰۴)

”آگ ان کے چہروں کو جھلس ڈالے گی، اور اس میں ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔“

گھسیٹنے کا عذاب (سحب)

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ○ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ○ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ○ (سورۃ القمر:۴۷تا۴۹)

”یقیناً یہ مجرمین گمراہی میں ہیں اور یہ آگ (کے مختلف طبقات) میں ہوں گے۔ جس دن یہ گھسیٹے جائیں گے آگ میں، اپنے چہروں کے بل، (ان سے کہا جائے گا کہ) اب چکھو آگ کی لپٹ کا مزا! یقیناً ہم نے ہر چیز ایک اندازے کے مطابق پیدا کی ہے۔“

چہروں کی سیاہی کا عذاب

یہ ذلت اور اہانت کا عذاب ہے۔

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ○ (سورۃ یونس:۲۷)

”رہے وہ لوگ کہ جنہوں نے برائیاں کمائی ہیں، تو (ان کی) برائی کا بدلہ اسی جیسا برا ہو گا، اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی، اللہ (کے عذاب) سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہو گا، ایسا لگے گا جیسے ان کے چہروں پر اندھیری رات کی تہیں چڑھا دی گئی ہیں، وہ دوزخ کے باسی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

سبحان اللہ! یہ عذاب ہیشگی کا عذاب ہے، چند ماہ و سال کی بات نہیں ہے، بلکہ اربوں کھربوں سال اور اس کے بعد بھی یہ جاری رہے گا اور کبھی ختم نہ ہو گا۔

اہل جہنم عذاب میں گھرے ہوں گے

عذاب کی یہ تمام شکلیں کسی ایک سمت نہیں ہوں گی بلکہ یہ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گی، اوپر نیچے دائیں بائیں ہر طرف سے وہ عذاب میں گھرے ہوں گے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ○ (سورۃ العنکبوت:۵۴)

”اور یقیناً جہنم ان کو گھیرے میں لے لے گی۔“

آگ نے ہر جانب سے ان کو گھیر رکھا ہو گا، وہ جس سمت بھی جائیں گے وہاں آگ ہی کو اپنا منتظر پائیں گے، کیوں؟ ایسا کیونکر ہو گا کہ آگ صرف ہاتھ، پاؤں یا چہرے کو نہیں جلائے گی بلکہ ان پر احاطہ کیے ہوئے ہو گی؟ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝(سورۃ البقرۃ:۸۱)

”(آگ تمہیں) کیوں نہیں (چھوئے گی)؟ جو لوگ بھی بدی کماتے ہیں اور ان کی بدی انہیں گھیر لیتی ہے، تو ایسے لوگ ہی دوزخ کے باسی ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔“

چونکہ انہوں نے دنیا میں خود کو گناہوں سے گھیر رکھا تھا، لہٰذا جہنم میں آگ نے انہیں گھیر رکھا ہو گا۔ ہر عمل کا بدلہ اس کے مطابق ہی ہوتا ہے۔

آگ کا دلوں میں گھسنا

جہنم کی آگ جہنمیوں کے دلوں میں گھس جائے گی۔ اللہ ہی جانتے ہیں کہ یہ کیسے ہو گا، آیا یہ نفسیاتی تکلیف ہو گی یا جسمانی۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۝ (سورۃ الھمزۃ:۴ تا ۷)

”ہرگز نہیں! اس کو تو ایسی جگہ میں پھینکا جائے گا جو چورا چورا کرنے والی ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم وہ چورا چورا کرنے والی چیز کیا ہے ؟ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ جو دلوں تک جا چڑھے گی۔“

آنتوں کے گھسیٹنے کی سزا

یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو لوگوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے اور خود اس پر عمل نہ کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يُجَاءُ بِرَجُلٍ فَيُطْرَحُ فِي النَّارِ فَيَطْحَنُ فِيهَا كَطَحْنِ الْحِمَارِ بِرَحَاهُ فَيُطِيفُ بِهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ: أَيْ فُلَانُ! أَلَسْتَ كُنْتَ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنْ الْمُنْكَرِ؟ فَيَقُولُ: إِنِّي كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا أَفْعَلُهُ وَأَنْهَى عَنْ الْمُنْكَرِ وَأَفْعَلُهُ (بخاری)

”قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا، پھر وہ اس میں گدھے کی طرح چکی پیسے گا یعنی وہ اپنی انتڑیوں کے گرد چکر لگائے گا۔ اہل جہنم اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے: اے فلاں! کیا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کیا کرتا تھا؟ وہ کہے گا: میں اچھی بات کے لیے لوگوں کو ضرور کہتا تھا لیکن اس پر خود عمل نہیں کرتا تھا اور بری بات سے لوگوں کو منع کرتا تھا لیکن خود اس کا مرتکب ہوتا تھا۔“

یہ سزا ہے دوہرے معیار رکھنے والوں کی، ان کی جو جس چیز کی تبلیغ کرتے ہیں اس پر خود ہی عمل نہیں کرتے، نا صرف یہ لوگ اپنے اس عمل کا عذاب چکھیں گے بلکہ ساتھ ہی ساتھ یہ زنجیروں میں بھی جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کی وجہ سے بھی بوجھل ہوں گے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ۝ (سورۃ غافر:۷۱)

”جب ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور وہ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے (اس حالت میں) انہیں گھسیٹا جائے گا۔“

وہ اپنی زنجیروں کو اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوں گے اور انہیں ان کی زنجیروں کے ذریعے گھسیٹا جائے گا۔

ہتھوڑوں کا عذاب

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۝(سورۃ الحج:۲۱،۲۲)

”اور ان (کی سرکوبی) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے، جب بھی وہ چاہیں گے کہ اس میں سے نکل جائیں غم کے مارے، تو انہیں اسی میں واپس لوٹا دیا جائے گا اور (ان سے کہا جائے گا کہ) چکھو اب مزہ اس جلانے والے عذاب کا۔“

جہنمی جہنم کی دیواروں پر چڑھنے کی کوشش کریں گے اور وہاں موجود فرشتے لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر انہیں واپس جہنم میں گرائیں گے اور انہیں زنجیریں ڈال کر واپس کھینچا جائے گا۔ اور اس کے نتیجے میں ان کا درد والم اور ان کی حسرت میں اضافہ ہو گا۔

حسرت وندامت

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (سورۃ یونس:۵۴)

”اور جب وہ عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنی شرمندگی کو چھپانا چاہیں گے، اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہو گا، اور ان پر ظلم نہیں ہو گا۔“

دنیا میں ٹھٹھے لگانے اور مزے کرنے والوں کو آخرت میں حسرت وندامت کا سامنا ہو گا۔ اب وہ کس سے اس کا شکوہ کر سکیں گے، کس کے سامنے رونا رو سکیں گے قیامت کے دن، کوئی بھی ان کی مدد نہ کرے گا۔ دنیا میں انہوں نے انبیاء کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اس سے منہ موڑا اور اعراض برتا تو قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام بھی ان سے اعراض برتیں گے۔ دنیا میں انہوں نے اللہ رب العزت کے احکامات کو پس پشت ڈالا انہیں نظر انداز کیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں نظر انداز کر دیں گے۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (سورۃ الجاثیۃ:۳۴)

”اور ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں اسی طرح بھلا دیں گے جیسے تم نے یہ بات بھلا ڈالی تھی کہ تمہیں اپنے اس دن کا سامنا کرنا ہو گا اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے، اور تمہیں کسی قسم کے مدد گار میسر نہیں آئیں گے۔“

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا۝ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا۝ (سورۃ الفرقان:۱۳،۱۴)

”اور جب ان کو اچھی طرح باندھ کر اس کی ایک تنگ جگہ میں پھینکا جائے گا تو وہاں یہ موت کو آواز دے کر پکاریں گے۔ (اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ) آج تم موت کو صرف ایک بار نہ پکارو، بلکہ بار بار موت کو پکارتے ہی رہو۔“

وہ چاہیں گے کہ انہیں ختم کر دیا جائے، پکاریں گے اس کے لیے مگر اللہ فرمائیں گے کہ ایک بار نہیں بار بار پکارو، تمہاری پکار رائیگاں جائے گی، اس کا جواب نہیں دیا جائے گا، آج تمہاری شنوائی نہ ہو گی۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ۝ (سورۃ فاطر:۳۷)

”اور وہ اس دوزخ میں چیخ پکار مچائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں باہر نکال دے تاکہ ہم جو کام پہلے کیا کرتے تھے، انہیں چھوڑ کر نیک عمل کریں، (ان سے جواب میں کہا جائے گا کہ) بھلا کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس کسی کو اس میں سوچنا سمجھنا ہوتا، وہ سمجھ لیتا؟ اور تمہارے پاس خبر دار کرنے والا بھی آیا تھا، اب مزا چکھو! کیونکہ کوئی نہیں ہے جو ایسے ظالموں کا مدد گار بنے۔“

اب انہیں اللہ کی یاد آئے گی، اب وہ اسے پکاریں گے مگر اب اللہ فرمائیں گے:

اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ۝ (سورۃ الزخرف:۷۷)

”تمہیں تو اب ہمیشہ (یہیں) رہنا ہے۔“

اور ایک اور آیت میں ہے:

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ۝ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ۝ (سورۃ المؤمنین:۱۰۶،۱۰۷)

”وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی تھی اور (ہم تسلیم کرتے ہیں کہ) ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے پروردگار! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال دے، اگر ہم دوبارہ یہی کریں تو پھر ہم واقعی ظالم ہوں گے۔“

بہت سی آیات ہیں کہ جن میں اہلِ جہنم کے فریادیں کرنے کا ذکر ہے۔

معبودانِ باطلہ کا حال

اب کچھ ذکر ان معبودوں کا کہ جنہیں یہ اہل جہنم اللہ کے سوا پوجتے تھے، ان کا کیا حال ہو گا؟ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ۝ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ (سورۃ الانبیاء:۹۸،۹۹)

”(اے شرک کرنے والو!) یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں، تمہیں اسی جہنم میں جا اترنا ہے۔ اگر یہ واقعی خدا ہوتے تو اس (جہنم) میں نہ جاتے، اور سب کے سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

قیامت کے دن ان جھوٹے معبودوں کو ایک طرف کر دیا جائے گا اور اللہ رب العزت ان کے پجاریوں سے فرمائیں گے کہ جاؤ اپنے ان معبودوں ہی کی پیروی کرو، اور پھر یہ معبودان باطلہ جہنم میں پھینک دیے جائیں گے اور ان کے پیروکار بھی ان کی پیروی میں جہنم میں جا گریں گے۔

البتہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پوجتے رہے ان کا کیا معاملہ ہو گا؟ عیسیٰ علیہ السلام تو یقیناً اللہ کے نبی ہیں جو جنتوں کے اعلیٰ ترین درجات میں ہوں گے۔ معاملہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے تو کبھی انہیں اپنی پوجا کے لیے نہیں کہا، البتہ وہ تو صلیب کو پوجتے رہے تو ان کا معبود صلیب ہی ٹھہرے گی جس کے ساتھ وہ جہنم میں جا گریں گے۔ اور تمام کے تمام معبودان باطلہ کا یہی انجام ہو گا۔

شرک یہی تو ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت، کسی سے اجر کی امید رکھنا۔ پس اللہ قیامت کے دن ان سے یہی کہیں گے کہ جس کی تم نے عبادت کی اور جس سے امید رکھی، اپنا اجر اسی سے جا کر وصول کرو اور یہی عین عدل ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی صحبہ وسلم

☆☆☆☆☆

جنگی اسٹریٹیجی کے ۳۳ رہنما اصول

فضیلۃ الشیخ محمد صلاح الدین زیدان (سیف العدل)

۸-افواج میں کفایت شعاری کی اسٹریٹیجی

نہ فضول خرچی اور نہ ہی کنجوسی بلکہ کفایت شعاری

کفایت شعاری کا مطلب ہے، کنجوسی اور فضول خرچی دونوں سے بچنا، کیونکہ دونوں ہی ناکامی کا سبب بن سکتے ہیں۔ کفایت شعاری وسائل اور صلاحیتوں کے دانشمندانہ انتظام کا نام ہے۔ فتح و کامیابی اس سے حاصل نہیں ہوتی کہ آپ کے پاس کیا ہے، بلکہ اس سے کہ آپ اسے کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ دولت کی کثرت اور وسائل کی فراوانی انسان کو حدود (Limits) کے احساس سے دور کر دیتی ہیں۔ مجاہدین، حقیقت (Reality) اور اس کی حدود (Limits) سے وابستہ ہوتے ہیں۔ جب آپ 'کم' (وسائل) کے مالک ہوتے ہیں تو آپ سیکھتے ہیں کہ انہیں کیسے بہتر طور پر استعمال کرنا ہے اور تب وقت آپ کا اتحادی بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ (سورۃ الاسراء:۲۹)

”اور نہ تو (ایسے کنجوس بنو کہ) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ کر رکھو، اور نہ (ایسے فضول خرچ کہ) ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو جس کے نتیجے میں تمہیں قابل ملامت اور قلاش ہو کر بیٹھنا پڑے۔“

جو کچھ آپ چاہتے ہیں اس کا خواب دیکھنا اور پھر اس کے حصول کے ذرائع تلاش کرنے کی کوشش کرنا، یہ سب تھکن، ضیاع اور شکست کا ایک تیار نسخہ ہے۔ دشمن کے پاس جو کچھ ہے اسے قبل از وقت حاصل کرنے کی کوشش آپ کو ایک کمزور حالت میں بدل دیتی ہے جس سے آپ تخلیق و جدّت کے جذبے سے محروم ہو جائیں گے۔ جدّت پیدا کریں اور ایسے خیالات و وسائل ایجاد کریں جو دشمن کی قوت کی رفتار کو کمزور کر دے اور اسے جنگ و تنازع میں بے اثر کر دیں۔ جو کچھ آپ کے پاس ہے اس پر غور کریں اور اسے مہارت سے استعمال کریں۔

☆☆☆☆

جنگی قوت کا تحفظ (Saving Military Forces) جنگ کے اہم ترین اصولوں میں سے ایک ہے۔ تاریخ ایسے اسباق و واقعات سے بھری پڑی ہے جب کئی ماہر جنگی جرنیل، تمام معرکوں میں فتح حاصل کرنے کے باوجود جنگ ہار گئے اور انہیں رکنے اور پسپا ہونے پر مجبور ہونا پڑا کیونکہ انہوں نے اس اصول کا لحاظ نہ رکھا۔ ایسی فتوحات جو شکست کے ذائقے والی یا شکست کے ہم پلہ ہوتی ہیں، انہیں 'پائرک فتح' (Pyrrhic Victories) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ یونانی شہر ایپیرس (Epirus) کے بادشاہ پائرس (Pyrrhus) نے رومیوں کے خلاف اپنی لڑائیوں میں کامیابی حاصل کر لی تھی، مگر ان معرکوں کی قیمت تباہ کن تھی، کیونکہ فاتح افواج اب مادی و معنوی اعتبار سے ایک ایسی مہم شروع کرنے کے لیے کافی نہ تھیں جو جنگ کے نتائج کا فیصلہ کرتیں، جس نے انہیں مہم ختم کرنے پر مجبور کر دیا، تجربہ کار اور ماہر کمانڈروں کی موت جنگی اخراجات کے سب سے اہم عناصر میں شامل تھی۔ یہ ایسی قیمت ہے جس کی فوری تلافی ممکن نہیں ہوتی۔

☆☆☆☆

معرکوں کے آغاز سے پہلے اور دورانِ جنگ، ایسی 'علامات' پائی جاتی ہیں جو ممکنہ یا متوقع حالات کی رہنمائی اور پیش گوئی کرتی ہیں۔ دشمن کی قوت یا اپنے اتحادیوں میں پائے جانے والے فساد کے بارے میں جاسوسی اور انٹیلی جنس یونٹوں کی رپورٹیں اس بات کی رہنمائی کرتی ہیں کہ معرکے کی تیاری میں مزید وقت صرف کیا جائے یا اسے مؤخر کیا جائے یا مکمل طور پر منسوخ کر دیا جائے اور دستیاب قوت کو مذاکرات کا ماحول ہموار کرنے میں بروئے کار لا کر مناسب تصفیہ حاصل کیا جائے۔ جنگ میں اخراجات کا حساب ان اہم ترین 'علامات' میں سے ہے جو آپ کو یہ پیغام دیتی ہیں کہ کب آگے بڑھنا ہے اور کب رک جانا ہے۔ تب آپ اپنے وسائل اور ساز و سامان بچا سکتے ہیں اور مہارت و تجربات اور جانوں کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

وہ قائد یا کمانڈر جو اپنے آپ کو قابو میں رکھنے اور اپنی خواہشات کو لگام ڈالنے سے قاصر ہو اور اپنی قسمت کے پیچھے بہہ جائے، اتحادیوں کی خوش نما باتوں پر کان دھرے، ہدف اور ممکنہ فوائد کے لالچ میں آ جائے، جو دیکھنا چاہے وہی دیکھے اور ممکنہ مشکلات و نقصانات سے چشم پوشی کرے یا یہ گمان کرے کہ ان کی تلافی ممکن ہے، جتنا زیادہ وہ حساب کتاب اور لاگت کو نظر انداز کرتے ہوئے جاگتی آنکھوں کے خوابوں میں آگے بڑھتا جاتا ہے، اتنا ہی وہ خساروں کی ڈھلوان میں اترتا جاتا ہے اور مزید غلطیاں کرتا جاتا ہے، جو نئی پیچیدگیوں کو جنم دیتی ہیں اور ایسے نئے اخراجات و تکالیف پیدا کرتی ہیں جو پہلے حساب میں نہ تھیں۔

اس کے علاوہ ایسے اخراجات بھی ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے اور کچھ غیر محسوس ہوتے ہیں مگر نہایت مہنگے ثابت ہوتے ہیں، بشمول: معاشرتی استحکام کے لیے خطرہ، چاہے وہ حامی طبقہ ہو یا عوام، اچھی سیاسی ساکھ (Political Credibility) کا زیاں، وقت کا ضیاع جسے بڑے اور گہرے اسٹریٹجک اہداف کے حصول میں لگایا جا سکتا تھا، وسائل کا بے مقصد استعمال اور ضیاع جس سے کوئی قابلِ ذکر فائدہ یا مناسب تلافی حاصل نہ ہو، اس قوم کی نفسیاتی کیفیت جس نے تمہاری صلاحیتوں پر بھروسہ کیا، ان بہت سے لوگوں میں انتقام کی خواہش جنہیں تم نے نظر انداز کیا یا استعمال کر کے دھوکہ دیا، حتیٰ کہ وہ بھی جو معرکے میں

ہار گئے، تاریخ اور لوگ اُنہیں معاف نہیں کرتے جو لاگتوں، تکالیف اور اخراجات کو نظر انداز کرتے ہیں۔

کوئی بھی فتح جو جانوں، ساز و سامان اور وسائل کی بھاری قیمت پر حاصل ہو، بے معنی ہے۔ لہٰذا آج ہی اپنا تمام حساب کتاب مکمل کریں اور اچھی تیاری کریں تاکہ آپ آنے والے کسی دن لڑ سکیں۔

☆☆☆☆

دشمنوں کی فہرست قیادت کی نگاہ میں ہمیشہ واضح رہے گی، اس قیادت کی نگاہ میں جو ان دشمنوں کو بھی پہچانتی ہے جو اپنے اتحادیوں اور دوستوں کے بھیس میں چھپے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی ادارہ یا فرد تین بنیادی فہرستیں رکھتا ہے: دوستوں اور وفاداروں کی فہرست، گھات لگائے بیٹھے غیر جانب داروں کی فہرست اور سخت ترین دشمنوں کی فہرست۔ دانا وہ ہے جو ان فہرستوں کی حرکت پر نظر رکھے تاکہ دوستوں کی تعداد بڑھائے، اپنے مخالفین کی تعداد کم کرے اور یہ سمجھے کہ فہرستوں کے اندر اوپر سے نیچے جانا یا ایک فہرست سے دوسری میں منتقل ہونا بنیادی طور پر ہماری ذہنی و نفسیاتی صلاحیتوں پر منحصر ہے جن سے ہم تصادم کا انتظام کرتے ہیں۔ ہم کسی بھی تصادم میں محض اس وقت نہیں پھسلتے جب اس کے نقارے بجیں، جنگ میں شامل ہونے سے پہلے ایک طویل سفر طے کرنا ہوتا ہے اور جب ہمیں جنگ لڑنی ہی پڑے تو یہ لازماً ہماری شرائط پر ہونی چاہیے۔

☆☆☆☆

وقت سب سے زیادہ اہم عنصر ہے اور اس کا درست استعمال، دشمن کے نظام کو توڑنے والے عناصر میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے بالمقابل ہمیں خود کو مضبوط کرنے کے قابل بناتا ہے۔ دشمن کا مطالعہ اور اس کی ظاہری زبردست طاقت کے پیچھے چھپی کمزوریوں کو سمجھنا، وقت سے کم اہم عنصر نہیں ہے، کیونکہ اسی کی روشنی میں ہم تصادم کے انتظام کے لیے ایک کامیاب اسٹریٹیجی تشکیل دے سکتے ہیں۔ جنگ میں فتح، سخت اور نرم طاقت، دونوں کے مجموعے سے حاصل ہوتی ہے۔

مؤثر انٹیلی جنس فتح کی راہ میں ایک اور عنصر ہے اور اس کے ذریعے دشمن کے ارادوں کو جاننے کی کوشش اتنی ہی اہم ہے جتنی اس کی ظاہری قوت اور کمزوری کے عناصر کو جاننا، ساتھ ہی ذہین قوتوں اور ”ماہر دماغوں“ کو انتہائی خفیہ نفسیاتی چالوں کے لیے آگے بڑھانا تاکہ دشمنوں کے حوصلے پست کیے جائیں، ان کے درمیان شکوک کے بیج بوئے جائیں اور عدم اعتماد کا ایسا ماحول تیار کیا جائے جو ان کے اتحاد کو توڑ دے (غزوۂ خندق میں دشمن کے اتحاد کو کمزور کرنے اور ان کے درمیان شکوک کے بیج بونے میں حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کردار بطور نمونہ)۔

دشمن کے کلیدی جوڑوں پر ضرب لگانے، اس کی کمزوریوں کو گہرا کرنے اور اس کے غرور کو بھڑکانے کے لیے معیاری خفیہ کارروائیاں انجام دی جائیں، یہ کارروائیاں دشمن کے نظام کو اندرونی طور پر توڑنے کے عمل کو بڑھا دیتی ہیں۔

جنگ لڑنے کے لیے موزوں عسکری قوت کی تعمیر کا تعلق حجم اور جسامت سے نہیں بلکہ نقل و حرکت کی تیزی اور مختلف میادینِ جنگ میں تدبیر و چال بازی کی صلاحیت سے ہے، آیئے اللہ کے نبی حضرت داود علیہ السلام کے واقع کا تصور کریں جب وہ محض غلیل کے ساتھ ہتھیاروں سے لیس دیو قامت جالوت کا سامنا کرتے ہیں اور اسی سے اسے پچھاڑ دیتے ہیں۔

وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ (سورۃ البقرۃ: ۲۵۱)

”اور داودؑ نے جالوت کو قتل کر دیا۔“

دشمن کے عوام کے اندرونی رائے عامہ کے ماحول میں انتشار پیدا کرنے کے لیے میڈیا کی جنگ، اس کے اندرونی بحرانوں کا سبب بنتی ہے (جو منفی مخالفت سے شروع ہو کر حقیقی بغاوت تک پہنچ سکتی ہے)، جس سے دشمن، ہم سے توجہ ہٹا کر، اپنی کوششیں داخلی کنٹرول کی طرف موڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اسی میں الجھ جاتا ہے یا جنگ روکنے کے لیے دباؤ والا ماحول پیدا ہو جاتا ہے (ویتنام کے جنرل گیاپ کی مثال)۔ اس سے ہمیں مزید وقت ملتا ہے یا یہ میڈیا پر دباؤ ڈالتا ہے کہ وہ ہمارے قضیے کی عدالت، سچائی اور شرافت کو اجاگر کرے اور یہ کہ ہمارا مبنی بر انصاف موقف بلا امتیاز پوری انسانیت کی بھلائی کے لیے ہے، نیز دشمنوں کی جارحیت، ظلم، فساد اور ان کی لالچ کو بے نقاب کرے جو اپنی مادی خواہشات کی تسکین کے لیے پوری انسانیت کو تباہ کر رہے ہیں۔

دشمنوں کے اتحاد کو توڑنے یا ان میں سے بعض کو غیر جانبدار کرنے کے لیے معاشی چالوں میں پیش قدمی کرنا (مثلاً غزوۂ احزاب کے دوران غطفان کو پھلوں کا ایک تہائی پیش کرنے کی تجویز)، کسی بھی دشمن کے نازک مالیاتی ڈھانچے پر ”اقتصادی عسکری“ ضربیں اسے کھا جاتی ہیں، نچوڑ دیتی ہیں اور اس کے غرور کے پروں کو ایک ایک کر کے نوچ لیتی ہیں۔

عسکری معرکے، معاشی دباؤ، نفسیاتی حربے، معاشرتی بدامنی، سکیورٹی خطرات اور میڈیا یلغار سیاسی قیادت کے ہاتھوں میں ایسے اوزار ہیں جنہیں وہ ”اعلیٰ ترین اسٹریٹیجی کے منصوبے“ کے مطابق چلاتی ہے اور متواتر مراحل سے گزر کر تنازع کے مجموعی مقصد کے حصول کے لیے کام کرتی ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اُس مرحلے کو سمجھیں جس سے ہم گزر رہے ہیں تاکہ ہم یکے بعد دیگرے ایسے اہداف حاصل کر سکیں جو ایک دوسرے کے لیے سہارا بنیں اور مجموعی ہدف تک پہنچنے میں مدد دیں۔ کمزوری کے مرحلے میں ہمارا مقصد، دشمن کے ساتھ ایک حقیقت پسندانہ اسٹریٹیجک توازن قائم کرنا ہوتا ہے، توازن کے مرحلے میں ہمارا ہدف دشمن پر اسٹریٹیجک برتری حاصل کرنا ہوتا ہے اور فیصلہ کن مرحلے میں ہم دشمن کے لڑنے کے ارادے کو ختم کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ یہ مراحل، چاہے ان کا دورانیہ طویل ہو یا مختصر، کسی بھی اسٹریٹیجی یا ذرائع سے قطع نظر، تنازع کے ساتھ باضابطہ طور پر جڑے ہوتے ہیں۔

قوت میں اقتصاد یا کفایت شعاری کا مطلب یہ ہے کہ تصادم کو دانش مندی سے منظم کیا جائے، یعنی مناسب منصوبے کے تحت مناسب قوت استعمال کی جائے تاکہ ایک متعین

ہدف حاصل ہو، یوں تلوار کو لاٹھی کی جگہ استعمال نہ کیا جائے۔ اگر ہم مذکورہ شرائط کی پابندی کے ذریعے تصادم کو بہتر انداز میں سنبھالیں اور اس میں اعتدال پیدا کریں، تو وقت گزرنے کے ساتھ بہت سے دشمن غیر جانبداری کی فہرست میں شامل ہونا پسند کرتے ہیں اور مزید وقت کے بعد وہ وہاں سے دوستوں کی فہرست میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ ہمیں وقت کی اہمیت پر توجہ دینی چاہیے تاکہ سیاسی چال بازیوں اور ان کے اوزاروں کے لیے گنجائش پیدا ہو، نرم قوت (Soft Power) کو مزید تقویت دی جا سکے اور سخت قوت (Hard Power) کا مظاہرہ بھی کیا جا سکے، خواہ جنگ کا پہیہ چلے یا نہ چلے۔

☆☆☆☆

عسکری اصول ہے کہ: "دشمن کی کمزور جگہوں پر اپنی قوت کے ذریعے حملہ کرو" اگر ہم قوت میں اقتصاد یا کفایت شعاری کے اصول کو اپنائیں، تو یہ ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہم دشمن کے لیے جنگ کے اخراجات میں اضافے کا سبب بنیں اور ساتھ ہی ہمیں اس بات پر بھی آمادہ کرتا ہے کہ ہم ایک باشعور اور حقیقت پسندانہ، قابلِ عمل اسٹریٹیجی اپنا کر اپنے لیے جنگ کی لاگت کم رکھیں۔ دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں جس کی کمزوریاں نہ ہوں یا اس کے کوئی غیر محفوظ یا نامکمل پہلو نہ ہوں، حتیٰ کہ طاقت کی وسعت اور اس کے بلند اخراجات بھی ایک ایسی کمزوری میں بدل سکتے ہیں جو اسے شکست دے دے (سابقہ سوویت یونین اس کی بہترین مثال ہے)۔

سب سے پہلے ہمارا مطلوب، دشمن کی کمزوریوں کی نشاندہی کرنا اور ان پر کام کرنا ہے جن میں یہ چیزیں شامل ہیں: داخلی سیاسی عدم استحکام، معاشرتی انتشار، اخلاقی انحراف، نسلی تنوع اور ان کے درمیان تنازعات، کمزور معاشی وسائل، اس کے لیڈروں میں فرعونیت کا جنون، اس کے معاشی حامیوں (Businessmen/Corporations) کو غیر مؤثر کرنا، یا ان بنیادوں کو نشانہ بنانا جو اس کی معیشت کو سہارا دیتی ہیں، مثلاً: تجارتی اشیاء اور تیل کے لیے بحری راستوں (Maritime Silkroad) پر حملہ کرنا تاکہ اسے لوٹ مار کی اُن کارروائیوں کے ثمرات سے محروم کیا جا سکے جو اس کی معیشت کو سہارا دیتی ہیں (جیسا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ دنیا کے وسائل کی لوٹ مار کرتی ہے)۔

ہمارا دوسرا تقاضا، اپنی کمزوریوں کو معرکے سے باہر رکھنا اور طویل مدت تک اپنی قوت کو برقرار رکھنا ہے۔

جب ہم اپنے دشمنوں کی کمزوریوں کو بے نقاب کر کے انہیں نشانہ بنائیں گے تو یہ ایک بڑا وار ہو گا جو ان کے حوصلے پست کر دے گا اور انہیں تھکا دے گا، اُس وقت ان میں نئی کمزوریاں ظاہر ہوں گی جن سے فائدہ اٹھانا لازم ہو گا اور یوں یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

☆☆☆☆

قوت میں اقتصاد یا کفایت شعاری کے اصول کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ غریب انسانی معاشروں کی نفسیات اور ان کے پاس موجود وسائل کے انتظام کے انداز کا موازنہ امیر انسانی معاشروں کی نفسیات اور ان کے انتظامی انداز سے کیا جائے۔ ضرورت کا احساس اور حقیقت و حدود کا ادراک ہمیں ان کا بہتر استعمال کرنے پر مجبور کرتا ہے، اس احساس کا فقدان ہمیں خوابِ خرگوش کی دنیا میں لے جاتا ہے جہاں نہ حقیقت ہوتی ہے نہ ہی حدود۔ اقتدار و کنٹرول کے خواب دیکھنے والے (بن زاید اور بن سلمان جیسے لوگ)، دن کے خوابوں اور وہموں میں بھٹکتے ہیں اور اپنی وہمی خواہشات کی تکمیل کے لیے امت کی جمع پونجی اس کے دشمنوں پر خرچ کرتے ہیں، ایسے لوگ ان خوابوں سے اس وقت جاگیں گے جب، ان شاء اللہ، ان کی جگہ لے لی جائے گی، پس ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔

(یمن اور صومالیہ میں) حقیقت سے جڑے ہوئے مجاہدین کو چاہیے کہ وہ خلیجی شاہی خاندانوں پر مستقبل میں آنے والے زوال کے موقع کو اللہ اور امت کے دشمن یہودی امریکی اتحاد کے ہاتھوں میں نہ جانے دیں، اور مجاہدین کو چاہیے کہ وہ خود کو تیار کریں اور وقت آنے پر حالات پر قابو پانے اور موقع سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کریں۔

جو کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے ہمیں اُس پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے اور اس کا بہترین انتظام کرنا چاہیے، یعنی کب ظاہر ہونا ہے اور کب غائب ہو جانا ہے، کب حملوں کی شدت بڑھانی ہے اور کب ان میں کمی کرنی ہے، محض اپنے قدموں کے نیچے دیکھنے سے آزاد ہو کر افق کی حدود تک دیکھنا اور اس کے پار موجود حقیقت کو سمجھنا۔

دشمن کی صلاحیتوں جیسی صلاحیتیں فراہم کرنے کے لیے اخراجات کا جنون، ہمیں نچوڑ دیتا اور کھپا دیتا ہے، اور ہمیں دشمن کی ایک چھوٹی نقل (Smaller Version) میں بدل دیتا ہے جو اسی کے بنائے ہوئے میدان میں اور اسی کی تکنیک (Tactics) کے مطابق کھیلتی ہے۔ یاد رکھیں کہ آپ کے پاس موجود صلاحیتیں محدود ہیں اور یہ اخراجات وسائل کے ضیاع کا سبب بنتے ہیں اور نہ ختم ہونے والی پسپائیوں تک لے جاتے ہیں (اس کی مثال 'شام' کا محاذ ہے)۔

جو کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے اسے ایسی اسٹریٹیجی اور تکنیک (Tactics) کے مطابق بروئے کار لانا جو ہمارے لیے موزوں ہو، ہماری کمزوری کو طاقت میں بدل دیتا ہے چاہے تصادم کی مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو (اس کی مثال صومالیہ کا محاذ ہے)۔

جب دشمن کو فضائی برتری حاصل ہو، تو ہمیں معیاری حملوں کے ذریعے زمینی برتری حاصل کرنی چاہیے جو دشمن کے حوصلے پست کریں اور جنگ روکنے کے حق میں عوامی رائے پیدا کریں (اس کی مثال ویتنام کی جنگ ہے)۔

☆☆☆☆

اسٹریٹیجی وسائل اور اہداف کے درمیان توازن کا نام ہے۔ ہمیں اپنے اور دشمن کی فوج کے دستیاب حقائق (اعداد و شمار) کو پیشِ نظر رکھنا ہو گا۔ اگر ہم باقاعدہ جنگ لڑ رہے ہوں تو دونوں افواج کے درمیان تناسب، ہماری قوت اور اس زمین کے درمیان ہم آہنگی جس پر ہم لڑیں گے، انٹیلی جنس اور پروپیگنڈے کے فن کے ذریعے دھوکے اور فریب کا استعمال، ہمارے سپاہیوں کا حوصلہ، موسم سے فائدہ اٹھانا، دستیاب سیاسی فوائد، یہ تمام عوامل نہ

صرف منصوبے کی بنیاد رکھتے ہیں بلکہ اس معرکے سے حاصل کیے جانے والے نتائج کا تعین بھی کرتے ہیں۔

جو چیز ہمیں جنگ میں فتح یاب اور تنازع میں کامیاب بناتی ہے وہ عسکری طاقت کا محض انبار نہیں، بلکہ:

۱. اللہ پر ہمارا ایمان، اس کی شریعت اور روحانیت سے ہمارا التزام و وابستگی، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ہمارا بہترین توکل:

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ (سورۃ آل عمران:۱۲۶)

”فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے جو مکمل اقتدار کا بھی مالک ہے، تمام تر حکمت کا بھی مالک۔“

۲. صحیح اسلامی منہج (جو انحراف اور کمزوری سے پاک ہو)، اور اس کا وہ انسانی ماڈل جو انسانیت اور شائستگی کے ساتھ اس جدوجہد کی قیادت کرتا ہے، اور جو رائج الوقت استحصالی منہج اور اس کے منحرف انسانی ماڈل کے متبادل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

۳. اسباب کی دنیا میں ہماری جدوجہد، یعنی استطاعت کے مطابق طاقت کے اسباب حاصل کرنے کی کوشش:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (سورۃ الانفال:۶۰)

”اور جس قدر طاقت تم سے بن پڑے ان سے مقابلے کے لیے تیار کرو۔“

۴. اپنے دشمن کی سمجھ، اس کے کمزور نکات سے فائدہ اٹھانا اور تنازع کا بہتر انتظام اس طرح کرنا کہ کفایت کے ساتھ دشمن کی ان کمزوریوں کو گہرا کیا جائے اور اسے تباہی و انہدام کے لیے تیار کیا جائے۔

۵. تمکین کے حصول کے لیے نئی سرزمین میں دین کا قیام ناگزیر ہے اور فتح اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک نئی سرزمین کا حسنِ انتظام نہ ہو۔ اس مرحلے میں تلوار نہیں بلکہ بیان درکار ہوتا ہے، اور اس مرحلے میں طاقت کے کفایتی استعمال میں یہ شامل ہے کہ نرم طاقت (Soft Power) کو اس کے میدان میں فعال کیا جائے، اور سخت طاقت (Hard Power) کو اس کے مقام پر رکھا جائے تاکہ وہ نرم طاقت کے سفر کی حفاظت کرے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○ (سورۃ النحل:۱۲۵-۱۲۸)

”اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور ان سے بھی خوب واقف ہے جو راہ راست پر قائم ہیں۔ اور اگر تم لوگ (کسی کے ظلم کا) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی تھی۔ اور اگر صبر ہی کر لو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بہتر ہے۔ اور (اے پیغمبر) تم صبر سے کام لو، اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان (کافروں) پر صدمہ نہ کرو، اور جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان پر عمل پیرا ہیں۔“

میدانِ جنگ میں فتح ایک چیز ہے اور عسکری فتح کے بعد کے مرحلے کے انتظام میں کامیابی ایک دوسری چیز ہے، کیونکہ تصادم کے اور بھی میدان ہوتے ہیں، شاید وہ خونریز نہ ہوں مگر اپنی سختی میں کم نہیں ہوتے۔ یہ نرم طاقتوں کی جنگ ہے اور اس کی بنیاد دعوت ہے، جو عدل کے راستے پر چلتی ہے اور حسنِ اخلاق کو اپنا پرچم بناتی ہے۔

أحمد الهادي إلى سبل الهدى   كم بدا منه لأهل الأرض نصح
هاشمي قرشي طاهر حسن   الأخلاق زكي الأصل سمح
جاء بالدين الحنيفي وقد طبق   الأرض من الإشراك جنح
فأرى الناس الهدى بعد الردى   فإذا الحق تجلى منه صبح
فانجلى الشرك وولى دبره   وعلت للدين آطام وصرح

احمدؐ ہدایت کے راستوں کی رہنمائی کرنے والے،
اہلِ زمین کے لیے ان سے کتنی نصیحت ظاہر ہوئی
ہاشمی و قریشی، پاکیزہ و حسین،
اخلاق میں عالی، اصل میں پاک، نرم خو
وہ دینِ حنیف لے کر آئے اور انہوں نے،
زمین کو شرک سے ہٹا کر پاک کر دیا
پس میں لوگوں کو ہلاکت کے بعد ہدایت پر دیکھتا ہوں،
گویا حق انؐ سے صبح کی طرح روشن ہوا
یوں شرک چھٹ گیا اور پیٹھ پھیر کر چل دیا،
اور دین کے قلعے اور ایوان بلند ہوئے

☆☆☆☆

۹- جوابی حملے کی اسٹریٹجی

دفاعی گہرائی اور احتیاطی افواج یا ریزرو فورسز

(Depth in Defense and Reserve Forces)

”جنگ کے لیے صرف وہی شخص موزوں ہے جو محتاط، بردبار اور ثابت قدم ہو۔“ (حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)

دفاع میں مہارت کی انتہا یہ ہے کہ ہم تیزی اور حسابی رفتار کے ساتھ جوابی حملے میں تبدیل ہو جائیں، اس طرح کہ دشمن کو سانس لینے اور اپنی افواج کو دوبارہ منظم کرنے کا موقع نہ ملے۔ عبقری ونابغہ قائد وہ ہوتا ہے جو صبر، ٹھنڈے اعصاب اور فولادی ارادے کے ساتھ [نقطۂ انقلاب](Turning Point) کا انتظار کرتا ہے، جہاں ترازو کے دو پلڑے اپنی جگہ بدل لیتے ہیں۔ تب ہم دفاع سے نکل کر جوابی حملے کی طرف بڑھتے ہیں، دشمن کی افواج کو تباہ کرتے ہوئے، ان میں انتشار وانہدام کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔

اور حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہمیشہ نقطۂ انقلاب (Turning Point) کی تلاش میں ماہر رہے ہیں۔

جنگ کے عبقری ونابغہ لوگ وہ ہوتے ہیں جو دفاع اور حملے کے درمیان امتزاج میں مہارت رکھتے ہیں اور دشمن کو کھینچنے یا للچانے کے لیے چال چلتے ہیں، تاکہ وہ جوابی حملے کے لیے موزوں مقام کی طرف بڑھ آئے اور اسے ختم کیا جا سکے۔ حملے سے دفاع اور پھر دوبارہ حملے میں تبدیلی ایک نہایت باریک اور حساس عمل ہے۔ جوابی حملہ اُن احتیاطی افواج یا ریزرو فورسز (Reserve Forces) کی موجودگی پر منحصر ہوتا ہے جن میں نقل و حرکت کی اعلیٰ صلاحیتیں ہوں۔

☆☆☆☆

جوابی حملہ دفاعی منصوبے کے بنیادی ستونوں میں سے ایک ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ دشمن کی افواج کو اس کامیابی سے فائدہ اٹھانے سے روکا جائے جو اس نے کسی دفاعی مورچے میں شگاف ڈال کر حاصل کی ہو، تاکہ وہ اسے فیصلہ کن کامیابی میں نہ بدل سکے۔ یہ مقصد اس وقت زیادہ آسانی سے حاصل ہوتا ہے جب دشمن دفاعی جال میں الجھ کر پھنسا ہوا ہو۔ احتیاطی افواج یا ریزرو فورسز کو جوابی حملے کے لیے اسی وقت جھونکا جاتا ہے جب اس بات کی تصدیق ہو جائے کہ شگاف کسی حقیقی حملے کا نتیجہ ہے، کیونکہ جوابی حملہ دفاعی جنگ میں فورسز کے پاس محفوظ آخری پتا (Card) ہوتا ہے۔

جوابی حملہ دوسرے درجے کے یونٹوں کے ذریعے، مشترکہ ہتھیاروں کے ذخائر کو جھونک کر کیا جاتا ہے، جس کا مقصد دفاعی صورتِ حال کو سابقہ حالت میں بحال کرنا ہوتا ہے یا اگر موقع میسر ہو اور کامیابی کے اسباب موجود ہوں تو عمومی جوابی حملے کی طرف منتقل ہونا ہوتا ہے۔

دفاعی منصوبہ اور جوابی حملہ، دفاعی گہرائی اور ایسے خطوط (لائنوں) کے ایک نیٹ ورک پر انحصار کرتے ہیں جو حملے کی شدت کو جذب کریں اور دشمن کی نقل و حرکت کو مفلوج کر دیں۔ یہ بلاشبہ وقت کے عنصر کا تقاضا کرتا ہے تاکہ اسے بہتر طریقے سے تعمیر کیا جا سکے، فورسز کو معرکے کی اچھی تیاری کے لیے یہ وقت دینا ناگزیر ہے۔

☆☆☆☆

دفاعی جنگ میں جوابی حملے کی کامیابی میں شامل عناصر

- مؤثر جوابی حملہ انجام دینے کے لیے دفاعی منصوبہ درست میدانی جاسوسی کی معلومات (ریکی) پر، نیز دیگر انٹیلی جنس معلومات پر منحصر ہوتا ہے تاکہ دشمن کے حملے کے ارادے کی تصدیق کی جا سکے (جیسا کہ ۱۹۴۳ء میں کورسک کی جنگ میں روسیوں نے جرمنوں کے حملے کے دوران کیا)، یا فریب کی ایسی منصوبہ بندی کے ذریعے جس میں دشمن کو حملے پر اکسانے والی معلومات اس تک پہنچائی جائیں (یعنی دانستہ طور پر اپنی معلومات لیک کی جائیں)۔ دشمن کا مطالعہ کرنا، اس کی صلاحیتوں، اس کے کمانڈروں کے طریق کار اور نفسیات کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ اسی طرح ریزرو فورسز کی تیاری، ان کی اچھی تربیت اور ان میں خندقوں میں دفاع کی ذہنیت سے ہٹ کر جارحانہ حملے کی روح برقرار رکھنا بھی لازم ہے۔
- زمین کا درست انتخاب جو ہماری فورسز کو تحفظ فراہم کرے، دشمن افواج کے مشن کو مشکل بنائے، اس کی پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالے اور اسے ایسے محاذ تک محدود کر دے جو جوابی حملہ کرنے والی فورسز کو برتری دے اور اسے آسانی سے ختم کرنے میں مددگار ہو۔
- دفاع اور جوابی حملے میں مشترکہ ہتھیاروں کے درمیان تعاون اور کوششوں کی تقسیم، تاکہ درج ذیل مقاصد حاصل ہوں:
  - دشمن کی حملہ آور افواج پر مضبوط اور حوصلہ شکن فائر سپورٹ فراہم کرنا۔
  - دشمن کی ریزرو افواج کو نشانہ بنا کر انہیں معرکے میں شریک ہونے سے محروم کرنا۔
  - دشمن پر جوابی حملہ کرنے والی فورسز کے لیے حفاظتی اقدامات انجام دینا۔
- دفاعی معرکے میں سیکیورٹی کے اہم ترین نکات میں سے ایک ”پوشیدگی اور کیموفلاج“ کا منصوبہ تیار کرنا ہے جو انتہائی خفیہ ہو، دو امور کے لیے:
  - اوّل: جوابی حملے کی تیاری کے لیے دفاعی فورسز کے ارادوں کو پوشیدہ رکھنا۔
  - دوم: جوابی حملہ کرنے والی فورسز کو دشمن کے جاسوسوں کی نظروں سے اوجھل رکھنا۔
- جوابی حملے کے نفاذ کا فیصلہ بروقت کیا جانا چاہیے، اس طرح کہ دشمن کی افواج دفاعی جال میں تھک چکی ہوں اور ہماری جوابی حملہ آور فورسز دشمن کے اطراف اور عقب میں مناسب مقامات پر موجود ہوں۔

☆☆☆☆

’حملہ‘ ظاہر کر دینے والا (Revealing) ہوتا ہے، کیونکہ جو فریق سب سے پہلے حرکت کرتا ہے وہ اپنی اگلی حرکات کی پیش گوئی کا دروازہ کھول دیتا ہے، اور جو کچھ اس نے حیرت (Surprise) کے طور پر چھپا رکھا ہو وہ دفاعی کمانڈروں کے ذہن میں ’ممکن‘ بن جاتا ہے۔ حملہ آور دشمن کی پہلی ضرب کو کامیابی سے روک لیا جائے تو وہ انتہائی کمزور حالت میں آجاتا ہے جو جوابی حملے کی تیاری کے کام کو آسان بنا دیتا ہے۔ چاہے دشمن کا حملہ زمینی طور پر حقیقی ہو یا محض امکان کے درجے میں ہو، ایک اچھی دفاعی منصوبہ بندی میں تمام منظر ناموں کا احاطہ کیا جاتا ہے۔

ایک متوازن اور بردبار سیاسی و عسکری ذہن، عسکری کارروائیوں (آپریشنز) کی گہری سمجھ کے ساتھ لچک رکھتا ہے اور انہیں معرکے میں فتح کے حصول کے لیے بروئے کار لاتا ہے۔ وہ دفاع سے حملے، پھر پسپائی سے دفاع، اور دوبارہ حملے تک مہارت، قوت، دل کی مضبوطی اور سکونِ اعصاب کے ساتھ سلسلہ وار کارروائیاں انجام دے سکتا ہے اور اس کے ساتھ ہم آہنگی میں ایسے چھوٹے کمانڈروں کا سلسلہ ہوتا ہے جو تجربہ و مہارت رکھتے ہیں، نیز ایسے سپاہی جو مختلف ذمہ داریاں قریبی اوقات (یعنی تھوڑے وقفوں) میں انجام دینے کے لیے تیار کیے گئے ہوں۔

اور میدانِ جنگ سے بلند تر سطح پر ہم اس ذہن کی پختگی اور مہارت دیکھتے ہیں کہ وہ تنازع کی نوعیت کے مطابق مناسب نظریۂ جنگ کا تعین کرتا ہے، چنانچہ وہ کہیں گوریلا جنگ کے نظریے پر عمل کا انتخاب کرتا ہے اور اس کے مراحل کو مضبوطی سے آگے بڑھاتا ہے اور کہیں دوسرے علاقوں میں باقاعدہ (روایتی) جنگ کے اصولوں کو استعمال کرتا ہے۔ اس کی نفسیاتی و ذہنی صلاحیتیں اسے اتنی لچک فراہم کرتی ہیں کہ وہ مراحل کے درمیان منتقل ہو سکے یا معروضی غلطی (Theoretical Mistake) سے بچ نکلے اور راستہ درست کر لے۔

شام میں جہادی تجربہ جس جمود اور سکڑاؤ سے گزرا ہے اور ماضی کے ساتھیوں اور شراکت داروں کا باہمی لڑائی میں الجھ جانا، ہمیں یہ دکھاتا ہے کہ سیاسی و عسکری قیادتیں اس ذہنی لچک سے کتنی دور ہیں جو انہیں کم از کم ٹھہر کر از سرِ نو سوچنے سے بھی روکتی ہے: مسلسل ناکامیوں کی وجوہات پر، جہاں جنگ کی اسٹریٹجی پر نظرِ ثانی ضروری ہے، یا ان کی باہمی لڑائی کے نتیجے میں اندرونی صف کے کمزور پڑنے، امت کے دلوں کے ٹوٹنے اور ان کے دشمن کی برتری قائم ہونے پر، یا اس روح اور اُن اسباب کو دوبارہ زندہ کرنے پر جو ان کی سابقہ فتوحات میں معاون تھے۔ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ انہیں رشد و ہدایت سے نوازے اور اسلام کے لیے خیر کے کاموں کی طرف ان کا ہاتھ تھام لے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۵۲)

”اور اللہ نے یقیناً اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم دشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دکھائی تو تم نے (اپنے امیر کا) کہنا نہیں مانا (۴۹) تم میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے، اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔ پھر اللہ نے ان سے تمہارا رخ پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔ البتہ اب وہ تمہیں معاف کر چکا ہے، اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔“

☆☆☆☆

جب دشمن کے پاس ایسی طاقت یا امتیاز ہو جو ہمارے پاس نہیں، تو ہماری منصوبہ بندی کے بنیادی ستونوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہم اس طاقت کو غیر مؤثر (Neutralize) بنانے کے لیے کام کریں، اس طرح کہ ایسا ماحول تیار کیا جائے جو دشمن کو اس طاقت کے استعمال سے روکے یا اس کی تاثیر کو کم کر دے اور ساتھ ہی ساتھ ہم اپنی اس کمزوری کا علاج دستیاب وسائل کی روشنی میں اپنی مہارت بڑھا کر کریں۔

عام طور پر دشمن کی طاقت اور ہماری کمزوری نقل و حرکت (Mobility) میں ہے۔ دشمن کے پاس فضائی ہتھیار ہیں، لہٰذا ہمیں غیر فعال اور فعال (منفی اور مثبت) دونوں طرح کی پوشیدگی میں مہارت حاصل کرنی ہوگی۔ جب لڑائی کے لیے پیش قدمی کی جائے تو حملے کے دوران رابطہ قائم کرنا ضروری ہے، جبکہ انخلاء کے وقت تیزی سے غائب ہونا، منتشر ہونا اور مہارت اختیار کرنا لازم ہے۔ یہ منصوبہ اس دستیاب وقت کے حساب پر منحصر ہے جو دشمن کی افواج کے رابطہ قائم کرنے، اپنے اڈوں سے فضائی مدد طلب کرنے اور اس کے حملے کے مقام تک پہنچنے کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ بھی تجربے کے ذریعے حاصل ہونے والی مہارت اور دشمن کے مقام اور ان فضائی اڈوں کے درمیان فاصلے سے جڑے وقت کے حساب پر منحصر ہے جہاں سے وہ پرواز کرتے ہیں۔ بغیر پائلٹ (ڈرون) طیاروں کی افادیت و تاثیر زمین پر ہمارے غلط طرزِ عمل سے جڑی ہوتی ہے، جیسے سرگرم جاسوسوں تک معلومات کی رسائی یا مواصلاتی ٹیکنالوجی (سیٹلائیٹ، موبائل اور انٹرنیٹ وغیرہ) کا بے قابو استعمال۔

دشمن کی طاقت کے عناصر میں سے ایک انٹیلی جنس معلومات ہیں، اس لیے ہمارے لیے طاقت کا عنصر ”سکیورٹی اور پیشہ ورانہ مہارت“ ہونا چاہیے۔

دشمن کی طاقت کے اہم نکات میں سے ایک اس کا میڈیا ہے اور عوامی رائے کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی اس کی صلاحیت ہے۔ چنانچہ دشمن اپنی جارحیت اور حملوں کو، جنہیں وہ چھپانے کی بھرپور سعی کرتا ہے، میڈیا کے ذریعے اس انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ خود کو مظلوم (Victim) ظاہر کر سکے۔ اس کے برعکس ہمارا میڈیا، (آگاہی و

تعمیری) کردار ادا کرنے کے بجائے الٹا ہمارے خلاف عوامی رائے بنانے میں حصہ ڈالتا ہے، اس طرح کہ وہ دشمن کو ایک ایسے بے ضمیر قاتل کے طور پر پیش کرتا ہے جو مقتولوں اور مظلوموں کے معاشرتی تعلقات اور جذبات کا لحاظ نہیں رکھتا، نتیجتاً دشمن کے بیانیے کو تقویت دینے میں حصہ ڈالتا ہے، مزید یہ کہ ہمارا میڈیا دشمن کے عوام سے ایسی زبان میں مؤثر خطاب بھی نہیں کرپاتا جو ہمارے مؤقف کی دیانت، عدالت اور حقیقت کو واضح طور پر بیان کرسکے۔ ویتنام کے جرنیل دشمن کی سرزمین پر اور خود اپنے ماحول میں عوامی رائے جیتنے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے میڈیا کو اپنی قضیے کی خدمت کرنے والا ہتھیار بنا دیا۔ (اس کے برعکس) عراق کے تجربے میں جو کچھ ہوا اس نے پوری دنیا، حتیٰ کہ جہادی تحریکوں کو بھی، ان کے خلاف صف آرا کر دیا، یوں وہ ساکھ (Reputation) اور میدان (Battlefield) دونوں کی جنگ ہار گئے، اور ہر وہ اخلاقی و معنوی حمایت کھو بیٹھے جو کارروائیوں کے بعد کی نقل و حرکت (یعنی پوشیدگی (Concealment)، پناہ (Shelter)، علاج (Treatment) وغیرہ) کو آسان بناتی تھی۔

☆☆☆☆

عسکری و پروپیگنڈا ذرائع سے اشتعال انگیزی، دشمن کو اکسانا اور بھڑکانا، ایک ہوشیار فریب کی منصوبہ بندی اور نہایت درستگی سے تیار کیے گئے چارے کے ساتھ، دفاع، حملے اور پسپائی کے درمیان آپریشنل تنوع کے دائرے (فریم ورک) میں، اور ایک حفاظتی چھتری کے تحت جو ہمارے ارادوں کو چھپائے اور ہماری نقل و حرکت پر پردہ ڈالے، یہ سب مل کر ایک پرکشش استدراجی منصوبہ پیدا کرتے ہیں، جس کا نتیجہ دشمن کو اس زمین پر کھینچ لانا ہوتا ہے جہاں ہم بہتر کام کرسکتے ہیں، تاکہ اسے کھپا کر اور گھسا کر بالآخر ختم کر دیا جائے۔

اشتعال انگیزی، اکسانا اور بھڑکانا حریف کو ذہنی عدم توازن کی حالت میں لے آتا ہے، یہ اسے غلط فیصلوں کے ایک سلسلے کا ارتکاب کرنے پر آمادہ کرتا ہے جن کی تلافی مشکل ہوتی ہے اور اس صورت میں دشمن کا حملہ عموماً کمزور ہوتا ہے جو عجلت میں تیار کیا گیا ہوتا ہے۔ اس طرح کے فریب / لالچ کے ذریعے دشمن کی طاقت اسی کے خلاف استعمال کی جاتی ہے، کیونکہ اگرچہ اس کے پاس بڑی عسکری قوت ہوتی ہے، مگر وہ مشتعل اور جلد باز قیادت کے ذریعے چلائی جاتی ہے جو ناقص منصوبہ بندی کرتی ہے اور ہم نے پہلے سے جس کا منصوبہ بنایا ہوتا ہے اس کی طرف غیر معقول انداز میں لپکتی ہے، جہاں جوابی حملے کی یونٹس اس کی منتظر ہوتی ہیں۔

ہر حال میں جوابی حملے کی اسٹریٹیجی نافذ نہیں کی جاسکتی، بعض حالات ہمیں انتظار کے بجائے حملے میں پہل کرنے پر مجبور کرتے ہیں جبکہ بعض حالات ہمیں غیر دانشمندانہ ثابت قدمی (درحقیقت ضد) کے ذریعے خود کو تباہ کرنے کے بجائے انخلا (پسپائی اختیار کرنے) پر مجبور کر دیتے ہیں، یوں ہم اپنے لشکر کی جانیں بچاتے ہیں اور اپنی قوت کو محفوظ رکھتے ہیں تاکہ کسی اور دن لڑ سکیں۔

حِلم (یعنی سکون، متانت اور صبر) دشمن کی غلطیوں سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش پیدا کرتا ہے اور بہت سے اختیارات (آپشنز) کے دروازے کھولتا ہے۔ نفسیاتی سطح پر کامیابی کی کنجی یہ ہے کہ ایسے حریف کے ساتھ اعصاب کی ٹھنڈک برقرار رکھی جائے جس پر اس کی انسانی فطرت غالب آجائے اور وہ جذبات میں آکر بھڑک اٹھے۔

میں آج بھی (یمن کے ساحلی شہر) المکلّا سے مجاہدینِ القاعدہ کی فوری انخلا والی شاندار چال کا معترف ہوں اور ان کے میدانی معرکوں اور میڈیا جنگ میں کامیابی کی دعا کرتا ہوں، نیز میں اس وقت ان کے جوابی حملے کا منتظر ہوں جب (ان شاء اللہ) اسباب مہیا ہوں اور وقت آجائے، کیونکہ (حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق) ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: لبیک اللّٰھم لبیک

پھر گر زندگی کا فیصلہ کن لمحہ بھی آجائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا ہو، تو دل میں کوئی کشمکش نہ ہو، کوئی حسرت نہ ہو، کوئی ایسی وابستگی نہ ہو جو قدم روک لے، بلکہ بندہ اپنے رب کے حکم کی طرف اسی شوق سے بڑھے جس شوق سے رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی پکار اس کے حکم کی طرف بڑھے، جب جب ان کے رب نے پکارا انہوں نے اس کی پکار پر یوں لبیک کہی گویا بس اسی ایک پکار کے منتظر ہوں۔

یہ وہی پیغام ہے کہ جو اللہ رب العزت کے اس فرمان مبارک میں مذکور ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (سورۃ التوبہ: ۲۴)

”آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو، اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

اللہ کے ہر بلاوے پر یوں لبیک کہنا تبھی ممکن ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر کوئی ہمیں محبوب نہ ہو گا، جب ہر محبت سے بڑھ کر اللہ کی محبت اور ہر چاہت سے بڑھ کر اللہ کی رضا محبوب ہو گی، پس اسی میدان میں ہمیں سبقت کرنی ہے، اسی کی طرف لپکنا ہے اور زبانِ حال سے بھی یہی کہنا ہے: لبیک اللّٰھم لبیک!

☆☆☆☆☆

دسویں قسط

اَلقاعِدہ کیوں؟

لماذا اخترت القاعدة؟

میں القاعدہ میں کیوں شامل ہوا؟

تحریر: معین الدین شامی | مستفاد از: لماذا اخترت القاعدة للشیخ الشہید أبي مصعب العولقيؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.

اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

(۱۵)...... کیونکہ وہ فتح کی تیاری میں مؤثر طور پر شریک ہیں

فتح وظفر اس امت کا مقدر ہے اور یہ فتح وظفر صرف تیاری اور اس کے لیے 'تیاری کرنے والوں' ہی کے ذریعے آئے گی۔ فتح کی تیاری میں متعدد فریق کم و بیش حصہ لیتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض اگرچہ ایک جانب معمولی اور سست رفتار تیاری کے ذریعے کوشش کر رہے ہوتے ہیں، لیکن دوسری جانب وہ انجانے میں فتح کو منہدم اور اس کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہوتے ہیں۔

پس القاعدہ اس فتح کی تیاری میں صفِ اول کے لوگوں میں سے ہے، وہ فتح جو جلدی بھی آ سکتی ہے اور اس کے آنے میں دیر بھی ہو سکتی ہے۔ ان کی اس تیاری کی دلیل خراسان میں ان کے مرکز کا موجود ہونا ہے، جہاں انہوں نے قابض ظالم کفری طاقتوں کا مقابلہ کیا اور آج بھی خراسان کے اڑوس پڑوس میں وہ پوری قوت کے ساتھ دشمنانِ دین سے ٹکرا رہے ہیں۔ آج صومالیہ کا اکثر علاقہ اور ساحلِ افریقہ کا کثیر علاقہ انہی مجاہدین القاعدہ کے زیرِ قبضہ ہے، بلکہ القاعدہ نے ساحلِ افریقہ کے ملک مالی کی سبھی جہادی تنظیموں میں موجود مجاہدین اور ان کی قیادت کا دل اپنے منہج، فکر اور اسٹریٹیجی کی بدولت جیت لیا اور وہاں کی واحد اور سب سے بڑی دینی جماعت آج جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین ہے۔ جزیرۃ العرب خصوصاً یمن، پاکستان و بنگلہ دیش، شام اور عراق میں ان کا بھرپور وجود ہے۔ کیا پوری دنیا میں اس جیسی کوئی عالمی جہادی تنظیم موجود ہے جو امریکیوں اور امریکیوں کے ایجنٹوں کا مقابلہ کرتی ہو؟

بے شک اس تنظیم نے نمایاں فتوحات حاصل کی ہیں، دشمن کے ناقابلِ تسخیر ہونے کے زعم کو توڑا ہے اور اب بھی اللہ کے اذن سے ایک بڑی فتح حاصل کرنے کی راہ پر گامزن ہے۔ تنظیم القاعدہ اور اس کے قائدین و کارکنان مجاہدین نے یہ سب کچھ پاکیزہ خون، عظیم کوششوں، وطنوں سے جدائی اور بابرکت مالوں ہی کے ذریعے حاصل کیا ہے۔ تو کیا اس کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ فتح کے حصول میں صفِ اول کے لوگوں میں سے نہیں ہیں؟ اس کا جواب موافقین اور مخالفین، دونوں میں انصاف پسند لوگوں کے پاس موجود ہے۔

(۱۶)...... کیونکہ جہادی تربیت کے لیے ان کا طریق کار عین شرعی ہے!

اگر ہم مسلمان کی شخصیت کی تربیت کے لیے نبوی منہج کا جائزہ لیں، یہاں تک کہ وہ مجاہد بن جائے، تو ہمیں درج ذیل چیزیں ملتی ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب زرہ پہنے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ! میں پہلے جنگ میں شریک ہو جاؤں یا پہلے اسلام لاؤں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”پہلے اسلام لاؤ پھر جنگ میں شریک ہونا۔“ چنانچہ وہ پہلے اسلام لائے اور اس کے بعد جنگ میں شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”عمل کم کیا لیکن اجر بہت پایا“۔ (صحیح بخاری)

پس نبوی منہج کو دیکھیے، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سخت اور غیر معمولی شرائط عائد کیں؟ اور کیا آپؐ نے اس شخص سے کہا ”مدینہ واپس جاؤ تاکہ کچھ عرصہ گزارو، اس دوران تمہارا ایمان مضبوط ہو گا، پھر میدانِ جنگ میں داخل ہونا، اس لیے کہ ابھی تم جنگ میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہو“؟

مربیٔ اعظم، شارعِ برحق علیہ الصلاۃ والسلام کے منہج کو یہاں بھی دیکھیے کہ جب آپؐ حنین کی طرف نکلے تو آپؐ کے ساتھ بعض ایسے صحابہ بھی نکلے جو ابھی ابھی کفر سے ایمان لائے تھے۔ انہوں نے کیا کہا؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کیا جواب دیا؟

ترمذی شریف کی ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

> ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف نکلے اور ہم ابھی کفر سے نئے نئے نکلے تھے۔ مشرکین کا ایک بیری کا درخت تھا جس کے پاس وہ جم کر بیٹھتے تھے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، اسے 'ذاتِ انواط' کہا جاتا تھا۔ ہم ایک درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے

کہا 'یا رسول اللہ! ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر کر دیجیے جیسے ان (مشرکین) کے لیے ذاتِ انواط ہے'۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'اللہ اکبر! یہ تو وہی طریقے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے وہی بات کہی جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ [ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجیے جیسے ان کے لیے معبود ہیں۔ انہوں (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا: بے شک تم جاہل لوگ ہو]۔ تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلوگے۔"

محلِ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں بعض ایسے صحابہ بھی نکلے جن کا کفر سے تعلق ابھی قریب ہی میں چھوٹا تھا، چنانچہ وہ بہت سے احکام اور عقائد سے ناواقف تھے، یہاں تک کہ انہوں نے اس انتہائی سنگین بات کا مطالبہ کر لیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا آپ نے لشکر روک دیا اور کہا کہ جن کا کفر سے ابھی قریب ہی میں تعلق ختم ہوا ہے وہ جنگ میں داخل نہیں ہوں گے؟ یا آپ نے انہیں ساتھ ساتھ ہی تعلیم دی اور انہیں ساتھ لے کر آگے بڑھے؟ میدان ہائے قتال امت کی تربیت کے لیے بہترین تربیت گاہ ہیں۔

پس ان دونوں دلائل سے ہم اس بات کے باطل ہونے کو جان سکتے ہیں جسے بعض دوسری جماعتوں کے افراد بار بار دہراتے ہیں کہ جہاد کے لیے لازماً بڑی تربیت ضروری ہے، گویا صرف وہی شخص جہاد کر سکتا ہے جو علم اور ایمان میں بہت بلند مقام تک پہنچ چکا ہو۔

پس جب ان کے سامنے جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ جہادِ نفس کے گرد گھومنے لگتے ہیں اور اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ تو ان سے کہا جاتا ہے آپ میں سے کچھ کو راہِ تربیت اختیار کیے پندرہ بیس سال ہو چکے ہیں، اور بعض کو اس سے بھی زیادہ اور بعض کو اس سے کم۔ کیا آپ کی تربیت اور اپنے نفسوں سے جہاد آپ لیے کافی نہیں؟ نجانے یہ خود ساختہ شرائط کہاں سے آئی ہیں!؟

ہاں، مجاہد کے اندر عقیدے کے پہلو پر توجہ دینا بہت اہم ہے، بلکہ یہی بنیاد ہے، لیکن اس معاملے میں نبوی منہج کی پیروی کرنی چاہیے۔ نجانے تحصیلِ علم کو اس طرح کیوں بیان کیا جاتا ہے گویا وہ مجاہد کے لیے لازمی شرط ہے؟ کیا جماعتِ صحابہ میں سب کے سب لوگ علماء تھے یا اکثریت علماء کی تھی؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ میں مجاہدین کی اکثریت تھی، بلکہ صحابہ تو سب کے سب مجاہد تھے۔ اب جو شخص جہاد نہ کرے اور وہ اہلِ عذر میں سے بھی نہ ہو، تو اسے اتنی ملامت، سرزنش اور سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے اللہ ہی جانتا ہے۔ اور کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کا واقعہ تو ہم سب بخوبی جانتے ہیں۔

جہاد کے بارے میں القاعدہ کی شرط یہی نبوی شرط ہے۔ اور دیکھیے کہ شہیدِ اسلام سید قطب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کیا کہا:

"ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قرآن اپنے اسرار صرف انہی لوگوں پر کھولتا ہے جو اسے لے کر معرکے میں اترتے ہیں اور اس کے ذریعے بڑی جدوجہد کرتے ہیں۔ یہی لوگ اس ماحول میں زندگی گزارتے ہیں جس میں قرآن نازل ہوا تھا۔" (فی ظلال القرآن)

اسی لیے سلف کے علماء اور عصرِ حاضر کے اہلِ نظر نے اس مسئلے کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ نور اللہ مرقدہ کہتے ہیں:

"جس شخص کے گناہ زیادہ ہوں، اس کی سب سے بڑی دوا جہاد ہے......" (مجموع الفتاویٰ، ۲۸/۴۲۱)

اور یہ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو قیام، روزے، تلاوت اور ذکر اور ان تمام چیزوں کی پابندی کرنے والے کو، جو پُرسکون تربیت والوں کی غایت ہے، اور جہاد اور حق بات بلند کرنے کو ترک کرنے والے کو مردہ دلوں میں اور ان لوگوں میں شمار کرتے ہیں جنہیں اللہ ناپسند کرتا ہے۔ (إعلام الموقعین ۲/۱۹۷)

امیر المومنین حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ایک مامور اور مرید نے کہا کہ حضرت عبادات میں جو مزہ و لذت ہندوستان کے خانقاہوں میں آتا تھا وہ یہاں نہیں آتا۔ حضرت سیّد بادشاہ نے فرمایا "جو ایمانی ترقی ہمیں یہاں جہاد میں حاصل ہوئی ہے کبھی نہیں ہوئی"۔ (تاریخ دعوت و عزیمت)

شیخ محمد الامین مصری کہتے ہیں: "رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے منتشر، جاہل اور اپنے دین کے معانی سے دور ہونے کی حالت میں جہاد کیسے ممکن ہے، تو ان کا جواب یہ ہے کہ ان سب کا علاج میدانِ قتال میں داخل ہونا ہے......" یہاں تک کہ شیخ محمد الامین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "بے شک تربیت کا سب سے بڑا میدان، میدانِ قتال ہے......"۔ (دیکھیے کتاب إدارة التوحش)

پس اے وہ لوگو جو ان تمام برسوں میں تربیتِ نفس کے گرد گھومتے رہے ہو! کیا اب وقت نہیں آگیا کہ تم جان لو کہ تم نے اس شرط کو نبوی منہج سے بڑھا کر بہت بڑا بنا دیا ہے؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم اس باب میں اپنی کوتاہی کو پہچانو اور دوسروں کے عیب نکالنا چھوڑ دو؟

شاعر نے کہا:

وما عبَّر الإنسان عن فضل نفسه
بمثل اعتقاد الفضل في كل فاضل

وليس من الإنصاف أن يدفع الفتى
يد النقص عنه بانتقاص الأفاضل

(انسان نے اپنی فضیلت کا اظہار اس سے بڑھ کر نہیں کیا کہ وہ ہر صاحبِ فضیلت کو فضیلت والا سمجھے۔ اور یہ انصاف نہیں کہ آدمی اپنے اندر کی کمی کو دور کرنے کے لیے اہلِ فضیلت کی تنقیص کرے۔)

اور یہاں بعض لوگوں کے ذہن میں ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں (وہ حدیث جس میں ایک شخص نے اسلام قبول کیا، پھر جنگ کی اور پھر قتل ہو گیا، اور ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کی حدیث) کے بارے میں آپ سے کہا جا سکتا ہے: ہاں، یہ احادیث ثابت ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جہاد میں ان لوگوں قیادت کے مقام پر فائز نہیں کیا تھا، بلکہ آپ کے ساتھ ابو بکر، عمر اور بہترین صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، جبکہ دوسرے لوگ صرف تابع تھے، لہٰذا امت کے لیے عظیم تربیت ضروری ہے۔ جواب یہ ہے کہ القاعدہ نے بھی اصولاً اپنے جہاد کی بنیاد اہلِ علم اور اہلِ عقیدہ ہی پر رکھی ہے اور قیادتِ اہلِ علم، اہلِ تجربہ، اہلِ فن لوگوں ہی کے حوالے ہے اور دیگر لوگ تو صرف تابع ہیں۔

(۱۷)...... کیونکہ اخلاق کے اعتبار سے وہ بہترین لوگوں میں سے ہیں

جس چیز نے مجھے قاعدۃ الجہاد کے مجاہدین سے بہت متاثر کیا وہ ان میں پائے جانے والے بلند اخلاق تھے۔ ان عالی اخلاق نے میرے دل میں ان کی قدر و منزلت مزید بڑھا دی۔ پہلی بار جہادی دعوت ملنے سے لے کر آج تک، ان میں سے جس شخص سے بھی میری ملاقات ہوئی، میں نے اسے انتہائی متواضع پایا، اور جن جن لوگوں سے میں ملا، تقریباً ہر ایک میں یہ صفت نمایاں تھی۔ ان سے تعلق رکھنے والے عربی ہوں یا عجمی، افغان ہوں یا پنجابی و کشمیری، سبھی عالی اخلاق والے تھے۔ جن لوگوں سے راقم الحروف خود ملا یا جن کے بارے میں سنا تو ان کا ذکر مناسب ہو گا۔

شیخ احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق تو بڑے ہی نمایاں تھے، یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ برِّصغیر میں القاعدہ کی جہادی قیادت کی اکثریت بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے اخلاقِ حسنہ کے سبب تربیت شدہ ہے، شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے انسانوں کے ساتھ تو جو اخلاق تھے سو تھے، پرندوں کے ساتھ بھی وہ حسنِ خلق سے پیش آتے تھے جس پر ایک واقعہ میں نے امیرنا استاد اسامہ محمود صاحب سے سنا۔

شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پائے کے عالم تھے، موریتانیہ تا کراچی انہوں نے نامور بڑے بڑے مشائخ و علماء سے تحصیلِ علمِ دین کیا، عقل و فہم میں بھی وہ بڑے عالی مرتبت تھے، لیکن علومِ دنیا سیکھنے بھی جب وہ کسی کے سامنے بیٹھتے تو یوں بیٹھتے گویا ایک عام و ادنیٰ طالبِ علم ہو۔

مجاہد قائد بدر منصور رحمۃ اللہ علیہ بھی اعلیٰ خُلق لوگوں میں سے ایک تھے۔ اگر کوئی ان کو شکلاً نہ جانتا ہوتا تو مجلس میں اندازہ کرنا مشکل ہوتا تھا کہ ان میں امیر (یعنی بدر منصور) کون ہے۔ ساتھیوں کے ساتھ گھل مل کر رہنا، خدمت کرنا، خوش گپی کرنا، ساتھیوں کی ذاتی ضروریات پوری کرنا، ساتھیوں سے نہایت تواضع سے پیش آنا، خاص کر علمائے کرام کا بے حد احترام کرنا اور ان کے ساتھ انکساری سے پیش آنا ان کی اعلیٰ صفات تھیں۔

میں نے ابھی چند نام یہاں اور بھی لکھے تھے، ان عالی اخلاق شخصیات کے جن کے ساتھ میں خود رہا، ہر ایک نام کے بعد ایک اور عالی خُلق شخصیت کا نام آ جاتا ہے، اور یہ مضمون ان سب ناموں کے ذکر کا شاید محل نہیں اور فہرست انتہائی طویل ہے، لہٰذا ابھی دیگر کے نام درج کرنے سے گریز کرتا ہوں۔ البتہ حضرت الامیر مولانا عاصم عمر شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر یہاں کرنا لازمی سمجھوں گا کہ چند بار انہوں نے بعض امور میں مجھ جیسے معمولی مجاہد سے خط و کتابت کے ذریعے مشورہ کیا تو اس میں ان کے عالی اخلاق، تواضع و انکساری اور حق کو پانے کا جذبہ بڑا نمایاں تھا۔ اسی طرح حضرت الامیر سے بدر منصور بھائی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر بنائی گئی دستاویزی فلم اور 'پیغامِ اسلام' نامی دستاویزی فلم کے معاملے میں خط و کتابت اور حضرت کا اس پر جواب اور ویڈیو ریکارڈنگز وغیرہ ان کے کمالِ تواضع کی دلیل تھیں (اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ اپنے ہر قائدِ جہاد کو ایسا ہی متواضع پایا ہے، اللہ ان سب کی حفاظت فرمائے)۔ حضرت الامیر کے جہادی ذمہ داران کے لیے تربیتی دورے کے دروس بڑے قیمتی ہیں اور ان دروس میں بھی ان کے اخلاقِ کریمانہ واضح ہیں جو ان کے لہجے سے جھلک و چھلک رہے ہیں، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

بے شک یہ وہ بلند اخلاق ہیں جن کی اسلام نے ہمیں ترغیب دی ہے اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنایا تھا۔

شیخ ابو مصعب العولقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "جو باتیں مجھے یاد ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ میری ملاقات القاعدہ کے مرکزی نائب امیر اور القاعدہ جزیرۃ العرب کے امیر شیخ ناصر الوحیشی سے ہوئی، تو وہ میرے ساتھ انتہائی تواضع اور کشادہ دلی سے پیش آئے، گویا ہم ایک زمانے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں"۔

بے شک اسلام نے اخلاق کی ترغیب دی ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کی نوعیت بھی بیان فرمائی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تو صرف اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کر دوں" (شرح السنۃ)۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن بندۂ مومن کے میزان میں حُسنِ اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہو گی، اور بے شک اللہ تعالیٰ فحش گو اور بدزبان شخص کو ناپسند کرتا ہے" (رواہ الترمذی)۔

عرب شاعر کہتا ہے:

(بقیہ: صفحہ نمبر ۹ پر)

مدرسہ و مبارزہ

مدارس اور دینی جدوجہد کی تحریک

مولوی عبدالہادی مجاہد

زیر نظر تحریر افغانستان سے تعلق رکھنے والے عالم، داعی اور فکری جنگ پر دقیق نظر رکھنے والے مفکر فضیلۃ الشیخ مولوی عبد الہادی مجاہد (دامت برکاتہم) کی پشتو تصنیف 'مدرسہ او مبارزہ' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر افغانستان میں مدارس اور دینی تعلیم کے نظام کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، لیکن کتاب میں بیان کی گئی امت مسلمہ کی حالت اور اس حوالے سے جو مطالبہ ایک افغان عالم اور مدرسے سے کیا گیا ہے وہ در حقیقت باقی عالم اسلام کے علماء اور مدارس سے زیادہ مطلوب ہے۔ اس لیے کہ افغانستان میں تو آج ایک شرعی و اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے جبکہ باقی عالَم اسلام اس سے کہیں پیچھے ہے۔ اس کتاب کے اصل مخاطبین علماء و طلبہ ہیں جن کی تاریخ بالاکوٹ، شاملی، صادق پور اور دیوبند کے پہاڑوں، دروں، میدانوں اور مساجد و مدارس کے در و دیوار پر نوشتہ ہے! ومن الله التوفيق! (ادارہ)

باب ہشتم: مدارس کے نصاب میں طلباء کے اندر انقلابی فکر و سیاسی شعور پیدا کرنے والے مضامین کا فقدان (۳)

علمائے سلف نے باطل کی پہچان کو ہمیشہ غیر معمولی اہمیت دی ہے!

آج اگر ہمارے تعلیمی نصاب میں غفلت، سہل انگاری اور اسلام و کفر کے درمیان جاری ہمہ گیر معرکے کو سطحی نظر سے دیکھنے کے باعث باطل کی پہچان پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاتی، تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سلفِ صالحین نے بھی اس پہلو کو نظر انداز کیا تھا۔ بلکہ اسلامی علمی و دعوتی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر دور میں اہلِ علم نے اپنے زمانے کے کفر، بدعت، فکری انحرافات اور خود ساختہ عقائد و نظریات کے خلاف شعوری اور منظم جدوجہد کی۔ انہوں نے ان باطل افکار کے رد میں کتابیں تصنیف کیں، امت کے سامنے ان کے باطل ہونے اور راہِ حق سے ان کے انحراف کو واضح کیا، اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ علمی مباحثوں اور مناظروں کے ذریعے ان کی گمراہی کو آشکار کیا۔

تعلیمی نصاب میں باطل کی پہچان کو شامل کرنے کا فائدہ یہ تھا کہ لوگ باطل کو پہچانتے، اس سے نفرت کرتے اور اس کا ساتھ دینے سے گریز کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان معاشروں میں باطل افکار کی طرف اس طرح اجتماعی اور وسیع پیمانے پر رجحان پیدا نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ آج لاکھوں ایسے لوگ، جو خود کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں، کمیونزم، لبرل ازم، جمہوریت، ہیومنزم، جدید الحاد کی مختلف صورتوں اور مشرق و مغرب کے دیگر کفریہ نظریات اور باطل عقائد سے متاثر ہو رہے ہیں۔

موجودہ دور میں کفر اور باطل کے عقائد، نظریات، قوانین، اخلاق، تہذیب اور طرزِ زندگی نے نہایت پیچیدہ صورت اختیار کر لی ہے۔ ان افکار نے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے دلوں، ذہنوں اور عملی زندگی میں جگہ بنا لی ہے اور اسلام پر ان کے یقین کو کمزور کر دیا ہے۔

اس منفی اثر کے نتیجے میں مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ فکری، سیاسی، عسکری، عدالتی، معاشی، اخلاقی، ثقافتی اور سماجی میدانوں میں مختلف انداز سے کفار کی پیروی اور رفاقت اختیار کر چکا ہے، بلکہ بعض لوگ اسلام دشمنی کے جذبے کے تحت کفار کی روش اپناتے ہوئے اسلامی عقیدے اور اسلامی نظام کے خلاف صف آرا ہو گئے ہیں۔

اس صورتِ حال کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کے دینی مدارس کے تعلیمی نصاب میں موجودہ دور کے کفر اور باطل کی مختلف صورتوں اور اقسام کو متعارف کرانے اور نئی نسلوں کی ذہنی و فکری تربیت کرنے پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی، جبکہ دوسری طرف کفری طاقتوں نے اپنے عقائد، نظریات اور تہذیب کو ایسے دلکش عنوانات کے ساتھ عالمِ اسلام میں رائج کیا جو نفرت انگیز یا صریح طور پر کفری نہیں تھے، بلکہ انہیں ترقی، انسانیت، مساوات، انصاف، عقلیت، قانون کی حکمرانی، عالمگیریت، تہذیب، مذہبی رواداری، عدم تشدد اور خواتین و اقلیتوں کے حقوق جیسے خوش نما نعروں کے قالب میں پیش کیا گیا۔ چنانچہ بہت سے لوگ ان عنوانات کی ظاہری کشش میں آ کر ان کے پس پردہ فلسفیانہ اور اعتقادی حقیقت سے بے خبر رہے۔

موجودہ دور میں کفری طاقتوں نے نہایت مہارت کے ساتھ مسلمانوں کے اذہان کو اس طرح متاثر کیا کہ مسلمان حکمرانوں نے خود ہی اپنے نظام، افواج اور معیشت کو کفری ممالک سے وابستہ کر دیا، اور ان ممالک نے بھی ایسا اثر و رسوخ قائم کیا کہ مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں پر ان کی بالادستی قائم ہو گئی۔

انہوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے اپنی پسند کے نظام، تعلیمی نصاب، سیاسی جماعتیں اور قوانین مسلمان معاشروں پر مسلط کیے، اور اسلامی ممالک کی معیشت کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ مشقت اور بوجھ مسلمانوں کے حصے میں آئے، جبکہ اس کے ثمرات اور فوائد خود کفری طاقتوں کو حاصل ہوں۔

اسی طرح انہوں نے عالمِ اسلام میں مسلسل ایسے افراد کو اقتدار پر برقرار رکھا جو نہ صرف دین کی صحیح معرفت سے محروم تھے، بلکہ انہوں نے اپنے نظام اور قوانین بھی اس انداز سے مرتب کیے کہ معاشرے میں دین کی حاکمیت کی راہ مسدود ہو جائے، اور عوام کے دلوں میں دین کی افادیت اور رہنمائی کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوں۔

تعلیمی نصاب میں کفر کی شناخت سے متعلق مضامین کی عدم موجودگی نے ایسی نسلوں کو جنم دیا ہے کہ جو کفر کا مقابلہ کرنے یا اسلام کے دفاع کے لیے اس کے خلاف عملی جدوجہد کرنے کے بجائے، اپنے ہی معاشروں میں کفار سے مرعوب ہو چکی ہیں۔ بعض ان کی شیطانی سازشوں سے اس قدر غافل ہیں، اور بعض داخلی فکری و تنظیمی اختلافات میں اس طرح الجھ گئے ہیں کہ انہیں کفار کے مقابلے میں اپنی ذمہ داری اور جدوجہد کا احساس ہی باقی نہیں رہا۔

ہم نے تعلیمی نصاب کے ذریعے معاصر باطل کی پہچان کے لیے کیا کیا ہے؟

گزشتہ ڈیڑھ صدی امتِ مسلمہ کی سیاسی، سماجی، دینی اور فکری تاریخ کا نہایت کٹھن اور ہنگامہ خیز دور رہی ہے۔ اسی عرصے میں عالمِ اسلام کے مختلف خطے برطانیہ، اٹلی، فرانس، روس، سپین اور چین جیسی غیر مسلم استعماری طاقتوں کے تسلط اور اثر و رسوخ میں آ گئے۔ اسی دوران استعمار نے اپنے نو آبادیاتی نظام، مسلط کردہ قوانین، نہایت منصوبہ بندی کے ساتھ مرتب کیے گئے تعلیمی نصاب، مغربی اور الحادی لٹریچر، سیاسی افکار و نظریات، نیز کلیسا کی تبلیغی سرگرمیوں کے ذریعے مسلمان معاشروں کی نئی نسلوں کے اذہان میں الحاد، اسلام دشمنی، اباحیت، مغرب زدگی، عیش پرستی اور بلند مقاصد سے بے رغبتی کے بیج بوئے، جن کے نہایت تباہ کن نتائج سامنے آئے۔

اس عرصے میں ایک طرف مسلمان اپنی سیاسی خودمختاری، آزادی، شریعت کی حاکمیت اور باوقار زندگی کی نعمت سے محروم ہوئے، تو دوسری طرف عالمِ اسلام پر سیکولرزم، جمہوریت، ویسٹرنائزیشن (مغرب زدگی)، کمیونزم، ڈارونزم، ریشنلزم (عقل پرستی)، نیشنلزم، تنصیر (عیسائیت کی تبلیغ)، وضعی قوانین، ماڈرنزم، مغربی طرز کی خواتین کی آزادی اور سینکڑوں دیگر نظریات و عقائد کی یلغار ہوئی۔ ان تمام نظریات نے پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کی بنیادیں متزلزل کرنے، انہیں اسلام سے بدظن کرنے، شریعت کی حاکمیت سے دور کرنے، اور ایسے افراد میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جو صرف نام کے مسلمان ہوں، جبکہ ان کی عملی زندگی کے تمام شعبے غیر اسلامی معیارات کے مطابق چل رہے ہوں۔

اگرچہ اس صورتِ حال کے سب سے گہرے اور تباہ کن اثرات ماوراء النہر، قوقاز، مشرقی یورپ (بلقان) کے مسلم علاقوں اور عرب دنیا میں نمایاں ہوئے، لیکن افغانستان بھی اس جدید جاہلیت کی تباہ کن لہروں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ یہاں بھی یکے بعد دیگرے ایسی حکومتیں اور نظام قائم ہوئے جنہوں نے کمیونزم اور سیکولرزم کے فروغ کے لیے وسیع میدان فراہم کیا، جس کے نتیجے میں معاشرے پر نہایت خطرناک اور تباہ کن اثرات مرتب ہوئے۔

مغرب، سوویت یونین اور چین سے اٹھنے والی ان کفر پرور فکری یلغاروں کے مقابلے میں ضروری تھا کہ دینی تعلیمی نصاب میں ایسے مضامین شامل کیے جاتے جو طلبہ کو عصرِ حاضر کی زبان اور اسلوب میں معاصر کفری فلسفوں، نظریات اور عقائد کا علمی جواب دینے اور ان کا مؤثر رد کرنے کی صلاحیت عطا کرتے۔ اسی طرح ہمارے علماء بھی اپنی نوجوان نسل کو اسلام کی برتری اور غیر اسلامی نظریات کے بطلان پر مضبوط اور مدلل یقین دلانے کے قابل ہوتے۔

تاہم افسوس کی بات یہ ہے کہ اسی عرصے میں دینی مدارس میں خالص شرعی اور فکری علوم کے بجائے قدیم طرز کے لغوی، ادبی اور عقلی علوم پر زیادہ توجہ دی جاتی رہی۔ نتیجتاً علماء انہی علوم میں مصروف رہے، جن کی عام لوگوں کو محدود ضرورت تھی، جبکہ دوسری جانب نوجوانوں اور تعلیم یافتہ طبقے کے اذہان مغربی اور کمیونسٹ افکار کے زیرِ اثر آتے گئے، یہاں تک کہ انہی میں سے ایک بڑا طبقہ دینی طبقے کے مقابلے میں صف آرا ہو گیا۔

معاصر باطل کی پہچان کے حوالے سے یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ دینی علماء نے اس میدان میں بالکل کوئی کام نہیں کیا۔ انفرادی اور شخصی سطح پر ہمارے معاشرے کے بہت سے علماء نے کفری نظریات کی روک تھام کے لیے قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں، اور عملی طور پر کفر کے مقابلے کے لیے جماعتیں، تنظیمیں اور مضبوط محاذ بھی قائم کیے ہیں۔ تاہم جس پہلو پر اب تک خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی، وہ دینی تعلیمی نصاب میں معاصر کفری نظریات کی اقسام کا تعارف، ان کا علمی جائزہ، ان پر تنقیدی بحث، اور ان کے فکری و اخلاقی اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیے باقاعدہ مضامین کی شمولیت اور ایسے اساتذہ کی تربیت ہے جو طلبہ میں معاصر کفری افکار اور ان کے پس منظر سے متعلق صحیح آگاہی پیدا کر سکیں۔

ہمارے علماء اور عوام نے ماضی قریب میں کمیونزم کا عملی طور پر مقابلہ ضرور کیا، لیکن دینی مدارس کے نصاب میں کبھی بھی اسلامی نقطۂ نظر سے یہ نہیں پڑھایا گیا کہ کمیونزم کیا ہے؟ اس کے کفر کی شرعی اور عقلی بنیادیں کیا ہیں؟ اس کے بطلان کے دلائل کیا ہیں؟ اور اس کے مقابلے میں اسلام کا شرعی مؤقف کیا ہے؟ نہ اس موضوع پر کوئی باقاعدہ درسی کتاب نصاب کا حصہ بنی اور نہ ہی اسے ایک مستقل مضمون کی حیثیت دی گئی۔

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ کمیونزم کے نظریے اور اس کے پیروکاروں نے ہمارے دین، معاشرے، معیشت، وطن اور عوام کو شدید نقصان پہنچایا، لوگوں کو دین سے دور کیا، لیکن اس کے باوجود آج تک ہمارے دینی نصاب میں کمیونزم کے بارے میں کوئی مستقل کتاب یا مضمون شامل نہیں کیا گیا، جس کے ذریعے نئی نسلوں کو بتایا جاتا کہ کمیونزم کیا ہے، اس کے کفر کے دلائل کیا ہیں، اس کے ظلم و جبر کی حقیقت کیا ہے، اور اس کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

دینی تعلیمی نصاب کے ذریعے عوام کو کمیونزم سے متعارف نہ کرانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے کے ایک بڑے طبقے کے دلوں میں اس بڑے نظریاتی دشمن کے خلاف مطلوبہ

نفرت اور بیزاری پیدا نہ ہو سکی۔ چنانچہ جب کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ ہوا تو اسی دن اس معاشرے کے بہت سے مسلمان کمیونسٹوں کے ساتھ اس طرح گھل مل گئے، گویا ان کے درمیان کبھی کوئی اعتقادی اختلاف یا نظریاتی دشمنی موجود ہی نہ تھی۔

یہ سب کچھ اس حال میں ہوا کہ کسی ایک کمیونسٹ نے بھی علانیہ اپنے سابقہ عقیدے سے توبہ کا اعلان نہیں کیا۔ نہ میں نے آج تک ایسا کوئی اعلان دیکھا ہے اور نہ ہی کسی سے سنا ہے کہ کسی کمیونسٹ نے کھلے عام یہ کہا ہو کہ "میں کمیونزم قبول کرنے کی وجہ سے کافر تھا، اب میں نے اس سے توبہ کر لی ہے اور دوبارہ مسلمان ہو گیا ہوں"۔

کمیونسٹ نہ پہلے مسلمان تھے اور نہ بعد میں مسلمان ہوئے، لیکن جیسے ہی ان کا نظام ختم ہوا، اسی دن ان کے رشتہ دار اور قریبی لوگ دوبارہ ان سے اسی طرح مل گئے کہ گویا عقیدے کی بنیاد پر ان سے کسی قسم کی جدائی یا دشمنی کبھی موجود ہی نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سابقہ جہادی تنظیمیں نہ اسلامی نظام نافذ کر سکیں اور نہ ہی اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئیں، حالانکہ اسی مقصد کے لیے اس قوم نے تقریباً دو دہائیوں تک مسلسل جدوجہد اور بے شمار قربانیاں دی تھیں۔

کمیونزم کے بعد مغربی جمہوریت کے نظریے، اس کی ثقافت اور اس کے لشکروں نے ہماری سرزمین، ہمارے عقیدے اور ہمارے معاشرے پر یلغار کی اور لبرل ازم، سیکولرزم، عیسائیت کی تبلیغ (تنصیر) اور وضعی قوانین جیسے کفری نظریات کو مختلف خوش نما اصطلاحات اور دلکش نعروں کے پردے میں ہمارے معاشرے میں متعارف کرایا۔

مغربی جمہوریت کے علم برداروں نے نہایت منظم انداز اور اپنے خاص طریقے کے ذریعے ہمارے دین، مذہب، علماء، مدارس، مساجد، محراب و منبر، نیز ہماری دینی، اخلاقی اور سماجی اقدار کے خلاف ایک وسیع مہم شروع کی۔ انہوں نے علماء کو قتل کیا، مدارس و مساجد پر بمباری کی، مجاہدین کو شہید اور قید کیا، جہادی فکر اور اسلامی اقدار کو نشانہ بنایا، مولوی اور طالب کو قتل کرنا اپنا فرض سمجھا اور جمہوریت کو نافذ کرنا اپنی بنیادی ذمہ داری قرار دیا۔

انہوں نے انسانی حقوق کے عالمی منشور اور اس سے ملتے جلتے دیگر بین الاقوامی معاہدوں، جو ان کے اپنے نظریات اور مفادات کی تکمیل کے لیے وضع کیے گئے تھے، کو ہمارے معاشرے پر مسلط کیا۔ اسی طرح اپنے نظام، اخلاق، سماجی اقدار، قوانین اور معیارات کو ہم پر نافذ کیا، سینکڑوں قوانین اور معاہدے متعارف کرائے، دیہات اور شہروں پر جنگ مسلط کی، ہمارے نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہتھیار تھما کر انہیں اپنے ہی امام، طالبِ علم اور مجاہد کے خلاف لڑنے پر آمادہ کیا، قبائل اور قوموں کو مختلف بہانوں سے ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کیا، اور معاشرے میں بے شمار اقسام کے فساد کو فروغ دیا۔

کیا اب بھی یہ ضروری نہیں کہ ہم اپنے دینی تعلیمی نصاب میں ایسے مضامین شامل کریں جو اس مکار دشمن اور اس کے کفری افکار و نظریات کی حقیقت کو واضح کریں؟ اور انہی مضامین کے ذریعے علماء کی ایسی نسل تیار کریں جو اپنے دور کے فکری، اعتقادی اور تہذیبی چیلنجز کا علمی انداز میں مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو؟

کیا ہمارے موجودہ تعلیمی نصاب میں یہی خلا اس بات کا سبب نہیں بنا کہ ہمارے معاشرے کا ایک بڑا طبقہ فکری اور اعتقادی طور پر کفری نظریات سے متاثر اور ان کا غلام بن گیا؟ کیا آج بھی بہت سے لوگوں کے نزدیک معروف، منکر اور منکر، معروف دکھائی نہیں دیتا؟ کیا وہ اپنے دین اور ایمان کے محافظ علماء، مجاہدین، طلبہ اور دینی قیادت کے خلاف نفرت نہیں رکھتے؟ کیا انہی لوگوں نے انہیں باغی، مفسد اور تخریب کار قرار دے کر ان کے خلاف جنگ نہیں کی، ان پر بمباری نہیں کی، انہیں قتل نہیں کیا اور وحشیانہ جیلوں میں نہیں ڈالا؟

یہ تمام حقائق اس امر کے متقاضی ہیں کہ ہمارے دینی مدارس کے نصاب مرتب کرنے والے اور اساتذہ معاصر کفر کے ان افکار، نظریات، فلسفوں اور عقائد پر جامع مضامین اور کتابیں نصاب کا حصہ بنائیں، جن کی بنیاد پر ایسے انسان نما درندے تیار کیے گئے جو ظلم، تشدد اور بربریت کا ذریعہ بنے۔

کفر کی پہچان کوئی نیا موضوع نہیں، بلکہ علماءِ سلف صالحین نے ہر دور میں باطل کی شناخت کو اپنی بنیادی ذمہ داری سمجھا ہے۔ انہوں نے نہ صرف کھلے کفار کے بارے میں، بلکہ ان فکری گروہوں کے بارے میں بھی، جو اسلام کے حقیقی تصور کے برخلاف مختلف نظریات کے ساتھ سامنے آئے، کتابیں تصنیف کیں اور ان کے افکار کا علمی جائزہ پیش کیا۔

ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے دور کے ان کفری نظریات کو، جو مختلف شکلوں، ناموں اور نعروں کے ساتھ ہمارے معاشرے پر اثر انداز ہو رہے ہیں، ہماری تہذیب، عقائد، اخلاق اور ترجیحات کو بدل رہے ہیں، اور نئی نسل کو اسلام سے دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اپنے دینی نصاب میں متعارف کرائیں، تاکہ علماء کی نئی نسل ان کی حقیقت سے آگاہ ہو اور عوام کو بھی ان کے شر اور گمراہ کن اثرات سے خبردار کر سکے۔

معاصر کفر کی چند اہم صورتیں، جن سے متعلق دینی نصاب میں باقاعدہ تدریس ہونی چاہیے

کفر اور شرک کی بعض صورتیں سادہ اور انفرادی نوعیت کی ہوتی ہیں، جن کا نقصان زیادہ تر افراد تک محدود رہتا ہے اور پوری امتِ مسلمہ ان سے اجتماعی طور پر متاثر نہیں ہوتی۔ لیکن معاصر کفر اور اسلام کے خلاف اس کی سازشوں اور منصوبہ بندیوں کا خطرہ اس قدر وسیع اور گہرا ہے کہ گزشتہ دو صدیوں اور موجودہ دور میں اس کے مضر اثرات پورے عالمِ اسلام اور امتِ مسلمہ تک پہنچے ہیں، اور اس کے نتیجے میں امت کی دینی، سیاسی، سماجی، معاشی، ثقافتی اور عسکری زندگی پر نہایت سنگین اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

معاصر کفر کی وہ نمایاں اور خطرناک صورتیں، جن پر دینی مدارس کے تعلیمی نصاب میں خصوصی توجہ دی جانی چاہیے، ان میں جدید الحاد کی مختلف شکلیں، مثلاً کمیونزم، ہیومنزم،

وجودیت (Existentialism)، ریشنلزم (عقل پرستی)، نیز مغربی کفر کے مختلف نظریات، جیسے جمہوریت، لبرل ازم، فری میسنری (ماسونیت)، صہیونیت اور اس سے وابستہ تنظیمیں، مثلاً روٹری (Rotary) اور لائنز (Lions)، شامل ہیں۔ اسی طرح تنصیر، استعمار، استشراق، گلوبلائزیشن، ادیان کے تقارب کا نظریہ، بین الاقوامی سیاسی، عسکری، معاشی اور ثقافتی معاہدے، انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ، اقوامِ متحدہ کا چارٹر، وضعی قوانین، قوم پرستی (نیشنلزم)، بہائیت، قادیانیت، انکارِ حدیث اور معاصر کفر کی دیگر متعدد صورتیں بھی ان موضوعات میں شامل ہیں۔

اگر ہمارے تعلیمی نصاب معاصر کفر کی ان مختلف صورتوں کے بارے میں، جن کے اس وقت افغانستان اور دیگر اسلامی ممالک میں بھی بہت سے حامی اور سرگرم پیروکار موجود ہیں، واضح تصور اور ان کے متعلق شرعی موقف پیش نہ کریں، تو نئی جاہلیت کے جال میں مزید لوگ پھنس جائیں گے، اور وہ دوبارہ اسلام کے خلاف صف آرا ہو جائیں گے، جیسا کہ آج ہم اس صورتِ حال کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

دینی مدارس کے تعلیمی نصاب اور دینی فکر میں کن امور کو اولین ترجیح دی جانی چاہیے؟

گزشتہ بیسویں اور موجودہ اکیسویں صدی میں عالمِ اسلام، بالخصوص افغانستان، عالمی کفری طاقتوں کی فکری اور ثقافتی یلغار کا نشانہ بنا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد زندگی کے تقریباً ہر شعبے میں غیر مسلم اقوام سے متاثر ہوئی اور بہت سے معاملات میں ان کی پیروی اختیار کر بیٹھی۔

اس صورتِ حال سے مسلمانوں، خصوصاً افغان عوام کو نکالنے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری تھا، اور آج بھی ضروری ہے، کہ مسلمانوں کے دلوں میں عقیدے، فکر اور اخلاق کے اعتبار سے اپنے دین کے احکام پر پختہ ایمان پیدا کیا جائے، نیز انہیں دیگر ادیان اور نظریات کے مقابلے میں اسلام کی برتری اور حقانیت پر کامل یقین دلایا جائے۔ اسی طرح ان میں روحانی اور فکری سطح پر اس دور کی جارح قوتوں اور ان کے افکار کے مقابلے کی جرأت اور عزم پیدا کیا جائے، تاکہ وہ اغیار کی اندھی تقلید اور احساسِ کمتری سے نجات حاصل کریں اور اپنی دینی، روحانی اور تہذیبی اقدار پر اعتماد بحال کر سکیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے بنیادی قدم یہ ہے کہ دینی مدارس کے تعلیمی نصاب، جن کے ذریعے ملک و ملت کے علماء تیار کیے جاتے ہیں، میں ایسے مضامین اور تصورات شامل کیے جائیں جو علماء میں انقلابی فکر، دعوتِ دین کا احساس، دشمن کی صحیح پہچان، اسلامی نظام کے قیام کی فکر، اور امت کی دینی و سیاسی قیادت کی صلاحیت اور استعداد پیدا کریں۔

اس کے برعکس، ہمارے دینی مدارس کے نصاب میں آزادیٔ فکر، انقلابی شعور اور عصرِ حاضر کے فکری فتنوں کے مقابلے پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس کے بجائے ایک ایسے انداز میں صرف و نحو کی تدریس پر غیر معمولی زور دیا گیا ہے کہ عربی جیسی عظیم اور شیریں زبان کا حاصل محض خشک اور بے روح قواعد اور جملوں (ضرب زید عمرا) تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، جن کے ذریعے زبان کا ذوق اور اس کی روح منتقل نہیں ہو پاتی۔ اسی طرح موجودہ دور کے فکری اور دینی چیلنجوں کا سامنا کرنے کے بجائے یونانی منطق اور فلسفے کو اس قدر وقت اور اہمیت دی گئی ہے، حالانکہ بہت سے پہلوؤں سے وہ نہ ہمارے دینی عقائد سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں، نہ مسلمہ سائنسی حقائق سے، اور نہ ہی ہمارے اس مظلوم، زیرِ یلغار اور نئے فکری چیلنجز سے دوچار معاشرے کی علمی ضروریات سے مطابقت رکھتے ہیں۔

ہمارے علماء اور دینی مدارس کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد کی علمی گفتگو اور مناظروں کا محور بھی اکثر وہ اختلافی مسائل بن جاتے ہیں جو اسلامی فقہی مکاتب کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ ان مسائل میں اختلاف کی بنیاد دلائل کی قوت وضعف ہے، نہ کہ حق و باطل کا فیصلہ۔

ہمارے بعض علماء نہایت جوش و خروش کے ساتھ مختلف اسلامی مکاتبِ فکر کے باہمی اختلافات پر مناظرے کرنے، ان کے لیے طلبہ کی خصوصی تربیت کرنے، اور اہلِ سنت کی مختلف جماعتوں کے بارے میں بدعت، فسق بلکہ بعض اوقات تکفیر کے فتوے صادر کرنے کی جرأت تو رکھتے ہیں، لیکن ان کے پاس یہ صلاحیت نہیں کہ وہ کفری نظریات، ان کے زہریلے افکار اور خطرناک منصوبوں کے بارے میں مدارس کے طلبہ یا تعلیم یافتہ نوجوانوں کی صحیح فکری رہنمائی کر سکیں، یا ان مجاہدین کی فکری و اخلاقی تربیت کر سکیں جو اسلام کے دفاع کے لیے میدان میں نکلے ہیں اور اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں۔

اس طرزِ فکر کے حامل افراد کو اس بات پر افسوس نہیں ہوتا کہ معاشرے کے لاکھوں نوجوان کبھی کمیونزم کے زیرِ اثر آکر الحاد کا دفاع کرنے لگتے ہیں، اور کبھی جمہوریت اور سیکولرزم کے نام پر اسلامی شریعت کے بجائے غیر اسلامی نظام اور نظریات کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن وہ اس بات میں غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں، یا کسی فقہی مسئلے پر شور و غوغا، تلخی اور تعصب سے بھرپور مناظرے کریں، اور اپنی رائے کی تائید کے لیے عوامی جذبات کو بھڑکائیں۔

دوسری طرف مدارس سے وابستہ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اگرچہ اختلافات کو ہوا دینے کو ترجیح نہیں دیتا، لیکن اس کا علم اور کتاب سے تعلق بھی زیادہ تر کتابوں سے مسائل اخذ کرنے، پھر انہی پر عربی زبان میں شروح اور حواشی لکھنے تک محدود رہتا ہے، اور بالآخر وہ کتابیں دوبارہ الماریوں کی زینت بن جاتی ہیں، جبکہ ان کا علمی سرمایہ معاشرے تک منتقل نہیں ہو پاتا۔

اس انقلابی دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ علم کو کتابوں کی محدود دنیا سے نکال کر معاشرے تک پہنچایا جائے، عوام کو اس سے روشناس کرایا جائے، اس کے ذریعے اغیار کے افکار اور نظریات کا علمی مقابلہ کیا جائے، اور امت کو دوبارہ رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرام اور امت کے سلفِ صالحین کے روشن اور پاکیزہ راستے کی طرف واپس لایا جائے، تاکہ وہ ایک مرتبہ پھر عزت و وقار کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

اگر دینی مدارس کے نصاب میں ایسے مضامین شامل کیے جائیں جو نصاب کو عصرِ حاضر کے فکری چیلنجز اور آزمائشوں کا جواب دینے کے قابل بنائیں، تو فکر، تہذیب، سیاست اور معاشرت کے میدان میں بھی قیادت علماء کے ہاتھ میں ہو گی جیسا کہ میدانِ جہاد میں ان کے ہاتھ میں آچکی ہے۔ لیکن اگر طلبہ کا بیشتر وقت پرانے انداز میں صرف، نحو اور منطق کی تدریس میں گزر جائے، اور باقی وقت جدید ذرائع ابلاغ اور سوشل میڈیا میں صرف ہو، تو اندیشہ یہی ہے کہ ایسے علماء تیار ہوں گے جو اپنے ہی شہر اور گاؤں میں اپنے رب کا پیغام مؤثر انداز میں پیش کرنے سے قاصر ہوں گے، کیونکہ اس وقت تک معاشرہ ایسے افراد کے زیرِ اثر آچکا ہو گا جو کفریہ افکار پر پروان چڑھے ہوں گے، علماء اور طلبہ سے دشمنی رکھتے ہوں گے، اور عوام کو غیر اسلامی قوانین اور بیرونی نظاموں کے تابع کرنے کی کوشش کریں گے، جبکہ بیرونی طاقتیں مشرق و مغرب سے اپنے نظریات اور عقائد کو تعلیمی نصاب، میڈیا، انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع کے ذریعے پورے معاشرے تک پہنچا چکی ہوں گی۔

لہٰذا اس صورتِ حال کے تدارک کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ تعلیمی نصاب کو جمود سے نکالا جائے اور مختلف، غیر مربوط نصابوں کی جگہ ایک ایسا متحد، خالص شرعی، متوازن اور مؤثر نصاب مرتب کیا جائے جو شرعی اصالت، علمی گہرائی، جامعیت، انقلابی فکر، تدریج، آسانی اور شرعی اعتدال کی خصوصیات کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ موجودہ اور آئندہ آنے والے فکری و اعتقادی فتنوں اور چیلنجز کا مؤثر مقابلہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو، تاکہ ہماری ملت کو فکری غلامی سے نجات ملے اور وہ دوبارہ اسلامی بیداری اور خود اعتمادی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

افغانستان اور دیگر اسلامی ممالک میں خونریز تحریکوں کا اصل سبب مغربی افکار کی یلغار ہے

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، مغربی افکار، خواہ وہ کمیونزم اور اس سے ملتے جلتے نظریات ہوں یا مغرب کے لبرل اور سیکولر تصورات، نہایت منصوبہ بندی اور مہارت کے ساتھ عالمِ اسلام کے تمام ممالک میں منتقل کیے گئے۔ ان افکار کی بنیاد پر لوگوں کی ذہنی تربیت کی گئی، ان کی اشاعت اور نفاذ کے لیے تعلیمی نصاب مرتب کیے گئے، سیاسی نظام قائم کیے گئے، اور انہی نظریات کی بنیاد پر عالمِ اسلام میں سیاسی جماعتیں اور مختلف تنظیمیں وجود میں آئیں۔ ان سب نے پوری قوت کے ساتھ فکری، سیاسی، سماجی اور عسکری میدانوں میں ایسی سرگرمیاں انجام دیں جن کا مقصد اسلامی معاشروں کی فکر، تہذیب، سیاست اور اجتماعی زندگی کو ان معیارات کے مطابق ڈھالنا تھا، جنہیں استعماری مغرب کے سیاست دان اور عسکری حکمتِ عملی وضع کرنے والے مطلوب سمجھتے تھے۔

چونکہ مغرب سے درآمد کیے گئے یہ افکار، نظریات، عقائد، تہذیبی تصورات، طرزِ زندگی، سیاسی سرگرمیاں اور قوانین مسلمان معاشروں کے لیے اجنبی تھے اور ان کے دین، عقیدے اور اخلاقی اقدار سے متصادم تھے، اس لیے مسلمانوں نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔

مغربی ممالک یا سوویت یونین کی سرپرستی میں قائم ہونے والے حکمران نظام اور سیاسی دھڑے، ہر صورت میں اسلامی ممالک کو مغرب کا تابع بنانا اور مسلمان عوام کو مغربی راستے پر چلانا چاہتے تھے۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے اپنے نظام، قوانین اور مغربی اقدار کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کے لیے طاقت اور تشدد کا سہارا لیا۔ اس کے نتیجے میں عالمِ اسلام میں حکومتوں اور عوام کے درمیان سیاسی اور مسلح تصادم کی فضا پیدا ہوئی۔ ان خونریز کشمکشوں میں افغانستان سمیت پورے عالمِ اسلام میں لاکھوں مسلمان قتل کیے گئے، قید و بند اور تشدد کا نشانہ بنے، یا جلاوطنی پر مجبور ہوئے، صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے کمیونسٹ یا مغرب نواز حکومتوں کے قوانین اور مطالبات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اگر ہم مذکورہ صورتِ حال کی عملی مثال اپنے ملک افغانستان میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ تقریباً ڈیڑھ صدی کے دوران افغانستان اور افغان عوام کو جان، مال، فکر اور عقیدے کے میدان میں سب سے بڑے نقصانات باطل مغربی افکار، فلسفوں اور نظریات کے اثرات اور ان کے نفوذ سے پہنچے، جن کی چند نمایاں مثالیں درج ذیل ہیں:

- بادشاہ امان اللہ خان کی مغرب زدگی، دین اور علمائے دین کے بارے میں معاندانہ رویے، اور افغانستان کو مغربی راستے پر چلانے کی کوششوں کے نتیجے میں ملک میں دینی اقدار اور سماجی استحکام کے خلاف ایک منفی صورتِ حال پیدا ہوئی۔ اس کے باعث بہت خونریزی ہوئی، عوام داخلی جنگوں کا شکار ہوئے، اور ان کے افکار و پالیسیوں کے اثر سے ایک طویل عرصے تک دینی نظام کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں پیدا رہیں۔ مزید یہ کہ ان کے پیروکاروں کی ایک ایسی فکری نسل وجود میں آئی جو آج تک دین اور دینی نظام کی مخالفت کرتی ہے۔
- ظاہر شاہ، جس نے فرانس میں تعلیم حاصل کی تھی، اپنے دورِ حکومت میں مغربی افکار اور قوانین کے نفوذ، سیکولر (لادینی) سیاسی جماعتوں کے قیام اور جمہوریت کے عملی نفاذ کے لیے راستہ ہموار کیا۔ ان مغربی طرز کے اقدامات اور پالیسیوں کے نتیجے میں کمیونسٹ اور مغرب نواز جماعتیں مضبوط اور فعال ہوئیں، جنہوں نے دین اور مسلمان عوام کی دینی و روحانی اقدار کے خلاف سرگرمیاں شروع کیں۔ یہاں تک کہ دین، علمائے دین اور مدارس کے خلاف کھلی مخالفت کا اعلان کیا گیا، جس کے منفی اثرات آج تک افغانستان کے اندر اور بیرونِ ملک افغانوں کی فکری، اخلاقی اور اعتقادی زندگی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔
- داود خان کی مغربی طرز کی جمہوری حکومت کے قیام، اسلام پسندوں کے خلاف اس کے نظریات اور پالیسیوں، اور اس کے مقابلے میں کمیونسٹوں کے ساتھ اس کے بڑھتے ہوئے تعلقات نے کمیونسٹوں کے اقتدار میں آنے اور کمیونزم کے سرخ

سیلاب کے پھیلاؤ کے لیے راستہ ہموار کیا، جس کے نتیجے میں افغانستان میں خونریز تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

- افغانستان میں کمیونزم کی الحادی فکر کا پھیلاؤ، کمیونسٹوں کا اقتدار پر قبضہ، اور سوویت یونین کی جانب سے افغانستان پر یلغار ایک عظیم سانحہ اور ملک کی تاریخ کا ایک فیصلہ کن موڑ تھا، جو ایک کفری نظریے کو اختیار کرنے کا نتیجہ تھا۔

کمیونزم، ایک اجنبی نظریے کی حیثیت سے، غیر ملکی سرپرستی میں پروان چڑھنے والی سیاسی و عسکری قوتوں اور کمیونسٹوں کے ذریعے افغانستان میں متعارف کرایا گیا۔ انہوں نے معاشرے، بالخصوص نوجوانوں کے درمیان اس نظریے کی اشاعت کی، ان کے افکار و اذہان کو اس باطل فکر کے مطابق ڈھالا، ایک پوری نسل کو اسی نہج پر پروان چڑھایا، اور اس مقصد کے لیے سیاسی جماعتیں بھی قائم کیں۔

بعد ازاں انہی کمیونسٹوں نے فوجی بغاوت کے ذریعے ملک کے قائم نظام کا تختہ الٹ دیا، پھر سوویت یونین کی افواج کو افغانستان آنے کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں ملک روسی قبضے میں چلا گیا۔

کمیونسٹ افغانستان میں کمیونزم نافذ کرنا چاہتے تھے، مگر اس مسلمان قوم نے ان کے نظریے کو قبول نہ کیا۔ چنانچہ اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے اور اپنے نظریات بزور نافذ کرنے کے لیے انہوں نے ظلم و تشدد کی ایسی مہم شروع کی کہ اس کے نتیجے میں بیس لاکھ سے زائد انسان اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، لاکھوں افراد عمر بھر کے لیے معذور ہو گئے، بے شمار دیہات کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے، لاکھوں ہیکٹر زرعی اور زرخیز زمینیں تباہ اور بنجر ہو گئیں، جبکہ ساٹھ لاکھ سے زیادہ افغان اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

انہوں نے مسلسل چودہ برس تک افغانستان کو آگ اور خون کی بھٹی میں جھونکے رکھا اور اس مسلمان قوم کے خلاف اپنی جنگ اس وقت تک جاری رکھی، جب تک انہیں طاقت کے زور پر اقتدار سے بے دخل نہ کر دیا گیا۔ اقتدار سے محروم ہونے کے بعد وہ مغربی ممالک کی آغوش میں جا پناہ گزین ہوئے اور وہاں پہنچ کر اپنی سابقہ سیاسی فکر کے برخلاف مغربی طاقتوں کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

- کمیونسٹوں کے بعد مغربی جمہوری فکر اور مغربی لشکروں نے افغانستان پر یلغار کی۔ یہ مغربی حملہ آور لبرل ازم، جمہوریت، یہودی سیاست، نصرانیت اور دیگر وضعی (خود ساختہ) قوانین کا ایک ملغوبہ تھے۔ ان کا مقصد افغانستان کو زیرِ نگیں لانا اور افغان قوم کو اپنے مقاصد و مفادات کے حصول کا ذریعہ بنانا تھا۔

گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد امریکہ کی قیادت میں افغانستان پر بیس سالہ قبضہ، مغرب نواز لبرل اور جمہوری قوتوں کا اقتدار، دینِ اسلام، جہاد اور اسلامی نظام کے قیام کے خلاف ان کی مسلسل معاندانہ پالیسی، نیز اسلامی نظام کی دوبارہ بحالی کو روکنے کے لیے ایک وسیع بین الاقوامی عسکری اور فکری اتحاد کا قیام، ایک ایسا عظیم اور خونریز سانحہ تھا جو مغربی افکار کے حامل عناصر کے ذریعے رونما ہوا۔ اس کے نتیجے میں دنیا کا واحد خالص اسلامی نظام ختم کر دیا گیا، لاکھوں افغان جان سے گئے، جبکہ ہزاروں مغربی اداروں نے افغان معاشرے کی فکری و تہذیبی تشکیلِ نو کے نام پر وسیع سرگرمیاں انجام دیں۔ ملک کے اندر اور بیرونِ ملک ہزاروں فکری، تحقیقی اور اشاعتی مراکز نے افغان عوام کے افکار و اقدار کو تبدیل کرنے کے لیے مسلسل کام کیا، جس کے تباہ کن نتائج پوری قوم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

ان ادوارِ حکومت اور ان کے نتیجے میں رونما ہونے والی منفی تبدیلیوں کے باعث افغانستان میں متعدد کفریہ، گمراہ کن اور اجنبی نظریات و فلسفے متعارف ہوئے، جن میں نمایاں درج ذیل ہیں:

- کمیونزم (الحاد)
- لبرل ازم (دین اور ہر قسم کی اخلاقی و روحانی پابندی سے آزادی)
- سیکولرزم (دین سے بے نیاز طرزِ زندگی)
- جمہوریت (اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے بجائے عوام کی حاکمیت)
- ہیومنزم (اللہ کی بندگی کے بجائے انسان پرستی اور انسان کو ہر چیز سے مقدس سمجھنا)
- نیشنلزم (اسلامی وحدت کے بجائے قوم پرستی)
- ریشنلزم (وحی الٰہی اور احادیث نبویہ کے بجائے انسانی عقل کی پرستش)
- گلوبلائزیشن (ادیان و عقائد کے اختلاف سے قطعِ نظر پوری دنیا کو ایک ہی فکری اور تہذیبی دھارے میں لانے کا تصور)
- اظہارِ رائے کے نام پر مغربی تصورِ آزادی
- خواتین کے مغربی طرز کے حقوق اور فکر و اظہار کی مغربی طرز کی آزادی
- عالمی برادری (دنیا کے تمام ممالک اور نظاموں کا چند بڑی طاقتوں کی قیادت کو قبول کرنا)

اس کے علاوہ بھی بہت سے اجنبی افکار اور عقائد۔

یہ تمام نظریات اور عقائد نہ صرف افغانستان کے اندر بلکہ بیرونِ ملک مقیم افغانوں میں بھی اپنے ماننے والے اور حامی رکھتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ ان نظریات کی حقیقت سے ناواقف ہونے یا غلط فہمی کا شکار ہونے کی وجہ سے ان کے پیروکار بنے، جبکہ بعض نے گمراہی کے باعث انہیں شعوری طور پر قبول کیا۔ یہ لوگ مختلف ذرائع سے مسلمان معاشرے میں ان افکار کی اشاعت اور ترویج کی کوشش کر رہے ہیں۔

افغانستان میں معاصر مغربی فکر کے علمبرداروں کے جرائم

مغربی فکری اور عسکری اتحاد نے اس مسلمان قوم کے آزادی پسند مجاہدین، نیز اس کے دین، مذہب، علماء، طلبہ، مدارس، مساجد، محراب و منبر کے خلاف ایک طویل اور خونریز جنگ مسلط کر دی تھی۔ اس کا بنیادی مقصد مغربی فکر، جمہوریت اور دیگر نظریات کے فروغ کے

لیے سازگار ماحول ہموار کرنا، اور ان تمام علمی و فکری مراکز اور رجحانات کا خاتمہ کرنا تھا جو مغربی افکار کی اشاعت و ترویج کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔

مغربی فکر کے پیروکاروں نے یہاں نہ صرف لاکھوں انسانوں کو قتل کیا، انہیں عمر بھر کے لیے معذور بنایا، ان کے گھر بار مسمار کیے اور انہیں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انہوں نے بدعنوان، لٹیروں، سفاک، وحشی اور بیرونی طاقتوں کے وفادار عناصر کو اس قوم پر حکمران بنا کر مسلط کر دیا، یہ صورتحال صرف افغانستان کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ عالمِ اسلام کے بہت سے ممالک میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ایک طرف عالمِ اسلام میں مغربی افکار سے متاثر نظاموں نے لاکھوں انسانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، تو دوسری طرف کروڑوں مسلمان انہی ظالمانہ اور استبدادی حکومتوں کے زیر تسلط آ گئے۔ انہیں غیر اسلامی قوانین اور نظاموں کو قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، جبکہ نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت ایسے افکار، عقائد اور ثقافت کے مطابق کی گئی جو اسلامی تعلیمات سے متصادم تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ نسلیں اسلام کی حقیقی تعلیمات اور اس کے تقاضوں سے دور ہوتی چلی گئیں۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف مغرب نواز حکومتوں اور نظاموں کو دوام ملا، بلکہ اسلامی ممالک میں مختلف غیر اسلامی افکار، نظریات اور تہذیبوں کے فروغ کی راہیں بھی ہموار ہوئیں، جن کے ذریعے مسلمانوں کی نئی نسل کو اسلامی احکام اور دینی اقدار سے بیگانہ کر دیا گیا۔

جب تک عالمِ اسلام میں مغربی افواج داخل نہیں ہوئی تھیں، مغربی افکار یہاں منتقل نہیں ہوئے تھے، اور ان افکار کی بنیاد پر حکومتیں اور نظام قائم نہیں کیے گئے تھے، اس وقت تک مسلمان امن، استحکام اور باہمی سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن جب مغربی طاقتوں نے استعمار کے عزائم کے تحت عالمِ اسلام پر حملے شروع کیے، افریقہ کے مسلمان ممالک کو فرانسیسیوں، ہسپانویوں، اطالویوں اور انگریزوں کے زیرِ نگیں کر دیا، ایشیا کے متعدد خطوں پر انگریزوں اور فرانسیسیوں نے قبضہ جما لیا، اور وسطی ایشیا روسی تسلط میں چلا گیا، تو پورے عالمِ اسلام میں مسلمانوں کے قتلِ عام، وسیع پیمانے پر قید و بند، لاکھوں انسانوں کی جبری بے دخلی، استعمار کے قوانین کو طاقت اور جبر کے ذریعے نافذ کرنے، اور استعماری قوتوں کے خلاف برپا ہونے والی ملی و اسلامی مزاحمتی تحریکوں کو کچلنے کا ایک طویل اور المناک سلسلہ شروع ہو گیا۔

اگر ایک طرف خلافتِ عثمانیہ، جو مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کی آخری علامت تھی، مغربی تربیت یافتہ افراد کے ہاتھوں ختم کر دی گئی اور اس کی جگہ ترکی میں کمال اتاترک کی قیادت میں ایک سیکولر اور دین مخالف نظام قائم کیا گیا، تو دوسری طرف عرب علاقوں میں بھی ایسے لوگوں کو اقتدار میں لایا گیا جنہوں نے آمرانہ حکومتیں قائم کیں اور شریعت کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے، سوائے افغانستان کے جہاں جہاد کے نتیجے میں امریکی قبضے سے آزادی حاصل کی گئی۔

استعماری طاقتوں نے صرف عسکری قبضے تک خود کو محدود نہیں رکھا، بلکہ اپنے افکار بھی، خواہ وہ کمیونزم ہو یا اس سے ملتے جلتے نظریات، یا مغرب کے لبرل اور سیکولر تصورات، بڑی مہارت کے ساتھ عالمِ اسلام کے ممالک میں منتقل کیے۔ انہوں نے یہاں لوگوں کو انہی نظریات کے مطابق تعلیم و تربیت دی، ان کے فروغ اور نفاذ کے لیے تعلیمی نصاب اور سیاسی نظام تشکیل دیے، اور انہی مغربی افکار کی بنیاد پر عالمِ اسلام میں سیاسی جماعتیں اور تنظیمیں بھی قائم کیں۔

ان تمام سرگرمیوں نے اپنی پوری قوت کے ساتھ فکری، سیاسی، سماجی اور عسکری میدانوں میں کام کیا، تاکہ مسلم معاشروں کی زندگی کو ان نظریات، سیاسی تصورات اور سماجی اصولوں کے مطابق ڈھالا جا سکے جنہیں استعماری مغرب اور روس کے سیاست دان اور عسکری ماہرین اپنے مفادات کے لیے موزوں سمجھتے تھے۔

چونکہ مغرب اور روس سے عالمِ اسلام میں درآمد کیے گئے افکار، نظریات، عقائد، ثقافت، طرزِ زندگی کے پیمانے، سیاسی سرگرمیاں اور قوانین مسلمانوں کے دینی عقائد اور اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ نہیں تھے، اس لیے مسلم عوام نے انہیں آسانی سے قبول نہیں کیا، بلکہ ان کے خلاف مزاحمت کا آغاز کیا۔

مغربی اور روسی حمایت سے قائم ہونے والے حکمران نظاموں اور سیاسی قوتوں نے، جو ہر حال میں اسلامی ممالک کو مغرب یا روس کا تابع بنانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو انہی راستوں پر چلانے کی کوشش کرتے تھے، اپنے نظاموں، قوانین اور اقدار کو منوانے کے لیے مسلمانوں پر جبر اور تشدد کا راستہ اختیار کیا۔

اس طرزِ عمل نے عالمِ اسلام میں حکومتوں اور عوام کے درمیان سیاسی اور مسلح تصادم کی بنیاد فراہم کی۔ اس تصادم کے نتیجے میں افغانستان سمیت پورے عالمِ اسلام میں لاکھوں ایسے مسلمان قتل کیے گئے، قید و بند اور تشدد کا نشانہ بنے، یا جلاوطنی پر مجبور ہوئے، جنہوں نے کمیونسٹ یا مغرب نواز حکومتوں کے قوانین، نظاموں اور مطالبات کو قبول کرنے سے انکار کیا۔

افغانوں کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا کہ عوام اپنے ہی نظام، حکومت یا بادشاہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں، طویل جنگ کریں، بڑی تعداد میں لوگ مارے جائیں، بے گھر ہوں، جیلیں ان سے بھر جائیں، عوام حکمران کے خلاف مورچے سنبھالیں اور حکمران عوام کے خلاف اپنی فوجیں میدان میں اتار دیں۔

اس نوعیت کی صورتحال پہلی مرتبہ اس وقت پیدا ہوئی جب امان اللہ خان کے دورِ حکومت میں اس نے یورپ کے سات ماہ کے سفر سے واپسی کے بعد یہاں مغربی افکار، نظریات، قوانین اور طرزِ زندگی کو فروغ دینے اور عوام پر نافذ کرنے کی عملی کوششیں شروع کیں، اور اصلاحات کے نام پر ایک سلسلہ وار تبدیلیاں نافذ کرنا شروع کیں۔

امان اللہ خان نے جب شریعت کے بجائے مغربی افکار اور قوانین کو عملی جامہ پہنانا چاہا اور معاشرے میں دینی اقدار کو اہمیت نہ دی، تو دینی طبقے، علماء اور معاشرے کے دیندار لوگوں نے اس کے نظریات پر تشویش اور حساسیت کا اظہار کیا۔ لیکن وہ اس عوامی ردِ عمل کے سامنے جھکنے کے بجائے یورپی افکار اور قوانین کے نفاذ پر مزید زور دیتا رہا۔ اس کے علاوہ اس نے دین کی طرف رجوع کرنے اور اہلِ علم و اصلاح پسندوں کی نصیحت قبول کرنے کے بجائے ان کے خلاف سختی اور تشدد کا راستہ اختیار کیا۔

نتیجتاً عوام اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ایسی افراتفری پیدا ہوئی جس میں ملک شدید انتشار کا شکار ہو گیا۔ اسی بحران کے نتیجے میں امان اللہ خان اپنی بادشاہت سے محروم ہوا، ملک چھوڑ کر اٹلی چلا گیا، اور بعد میں ۱۹۶۰ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورخ کے ایک ہسپتال میں اس کا انتقال ہوا۔ یہ تمام حالات اس وجہ سے پیدا ہوئے کہ وہ افغانستان میں اسلامی اقدار کے بجائے یورپی افکار کو نافذ کرنا چاہتا تھا۔

اگر وہ مغرب زدہ سوچ اور غیر ملکی افکار کو یہاں نافذ کرنے کی کوشش نہ کرتا اور انہیں عوام پر مسلط نہ کرتا، تو لوگ اس کے خلاف کیوں اٹھتے؟ عوام نے تو اس کے والد حبیب اللہ خان اور دادا عبدالرحمن خان کے ادوارِ حکومت میں بھی سختیوں، ظلم اور جبر کو برداشت کیا تھا، مگر ان کے خلاف اس طرح بغاوت نہیں کی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگرچہ اس کے والد اور دادا کے ادوار میں بھی استبداد موجود تھا، لیکن انہوں نے دین کے خلاف وہ واضح مؤقف اختیار نہیں کیا تھا جو امان اللہ خان نے اختیار کیا۔

دوسری مرتبہ اسی نوعیت کی صورتحال افغانستان میں ظاہر شاہ کے دورِ حکومت میں پیدا ہوئی، جب اس کے عہد میں افغانستان میں بائیں بازو کے افکار، نظریات اور سیاسی جماعتوں کو ابھرنے کا موقع ملا، جبکہ اس کے مقابلے میں اسلامی نظریات رکھنے والے افراد کو دباؤ اور پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس صورتِ حال کے خلاف بھی علماء اور اسلام پسند عناصر احتجاج اور اصلاح کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن ظاہر شاہ نے فساد کے سدِباب کے بجائے علماء اور دینی حلقوں کے مقابلے میں سختی اور جبر کا راستہ اختیار کیا۔ یہی وہ مرحلہ تھا جب لوگوں میں حکومتی نظام کے خلاف مزاحمت کا جذبہ پیدا ہوا، جو بعد میں کمیونسٹوں کے خلاف جہاد اور مقابلے کی بنیاد بنا۔

تیسری مرتبہ یہ تلخ تجربہ اس وقت دہرایا گیا جب افغانستان میں کمیونزم ایک بیرونی فکر اور طاقت کے طور پر آیا۔ کمیونسٹ عناصر نے بیرونی طاقتوں کی پشت پناہی سے نہ صرف اس فکر کو یہاں فروغ دیا بلکہ ایک سیاسی جماعت بھی قائم کی، جس کے ذریعے ایک نئی نسل کی فکری وسیاسی تربیت کی گئی۔ بعد ازاں انہی کمیونسٹوں نے ایک فوجی بغاوت کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹ دیا، اقتدار پر قبضہ کیا، اور پھر روس کو افغانستان میں مداخلت کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں روسی قبضہ وجود میں آیا اور ملک ایک طویل تباہی سے دوچار ہوا۔

کمیونسٹ افغانستان میں کمیونزم کا عملی نفاذ چاہتے تھے، لیکن مسلمان عوام نے اسے قبول نہ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ کمیونسٹوں کے اقتدار میں آنے اور روسی فوجوں کی آمد کے بعد افغانستان میں شدید خونریزی شروع ہوئی۔ لاکھوں انسان مارے گئے، لاکھوں افراد معذور ہوئے، دیہات تباہ و برباد کر دیے گئے، لاکھوں ہیکٹر زرعی زمینیں ویران ہوئیں، اور پچاس لاکھ سے زیادہ لوگوں کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔

چودہ سال تک افغانستان میں آگ اور خون کا یہ کھیل جاری رہا۔ کمیونسٹ حکومت اور اس کے حامی اس وقت تک مسلمان عوام کے خلاف جنگ کرتے رہے جب تک طاقت کے ذریعے ان کا نظام ختم نہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ مغربی ممالک میں چلے گئے، جہاں انہوں نے اپنی سابقہ سیاسی فکر کے برخلاف مغربی قوتوں کی خدمت شروع کر دی۔ لیکن ان کے پیدا کردہ بحران کے اثرات آج تک باقی ہیں۔ ان تمام تباہیوں کا بنیادی سبب پھر وہی بیرونی فکر تھی، جو دراصل ایک یورپی نظریہ تھا۔

اگر ابتدا ہی میں ہم کمیونزم کے افکار کے داخلے اور لوگوں کو اس سے متاثر ہونے سے روکنے میں کامیاب ہو جاتے، اور علم، دعوت اور عوامی شعور کے ذریعے لوگوں کو کمیونزم کے باطل نظریات کے نقصانات سے آگاہ کر دیتے، تو لاکھوں انسان ان کے صف میں شامل نہ ہوتے اور نہ ہی موت کی چکیاں اس قوم کے سروں پر گردش کرتیں۔

کمیونسٹوں کے بعد ۲۰۰۱ء میں امریکہ کی قیادت میں جمہوریت کا نظریہ اور اس کے ساتھ آنے والی فوجی طاقت افغانستان میں داخل ہوئی۔ امریکہ اور اس کے یورپی اتحادیوں نے بیس سال تک فوجی قبضہ جاری رکھا اور افغانستان پر ایسے سیاسی و فکری تصورات مسلط کرنے کی کوشش کی جن میں مغربی طرزِ فکر، سیکولر قوانین اور دیگر غیر ملکی نظریات شامل تھے۔

امریکیوں اور ان کے یورپی اتحادی جو لبرلزم، جمہوریت، یہودی سیاست، عیسائیت، خود ساختہ قوانین اور دیگر مغربی افکار سمیت کفر کا ایک ملغوبہ تھا، ان کا مقصد یہ تھا کہ افغان عوام کو فکری طور پر اپنے زیرِ اثر لایا جائے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جائے۔

امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے افغان عوام کو زیر اثر لانے کے لیے ان کے خلاف اپنی تاریخ کی طویل ترین جنگ لڑی۔ اس جنگ میں، جو عسکری اور فکری دونوں میدانوں میں جاری رہی، دو کھرب ڈالر سے زیادہ خرچ کیے گئے۔ اس دوران انہوں نے اپنے وفادار نام نہاد افغان افراد کو اقتدار میں مسلط کیا جن کا مقصد افغان عوام کے افکار اور سماجی اقدار کو تبدیل کرنا تھا۔

اسی مقصد کے لیے مغربی قوتوں نے اپنے افغان حامیوں کے ذریعے ایسے اقدامات کیے جن میں دینی اقدار کو کمزور کرنا، ظلم و زیادتی، اخلاقی اور مالی بدعنوانی کو فروغ دینا شامل تھا۔ مغربی ممالک نے اپنے قبضے کے دور میں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے افغان ساتھیوں کے ساتھ مل کر تعلیمی نصاب، ریڈیو، ٹیلی وژن، اخبارات، رسائل اور ویب سائٹس قائم

گئیں، جن میں ہزاروں افراد کو بھاری تنخواہوں پر کام دیا گیا تاکہ وہ فکری طور پر مغربی نظریات کے مطابق تیار کیے جائیں۔

ان کوششوں کا مقصد یہ تھا کہ افغان عوام کے ذہنوں اور دلوں سے آزادی کا جذبہ کم کیا جائے، انہیں دین اور دینی وابستگی سے دور کیا جائے، ان کے اخلاق، لباس اور ثقافت میں تبدیلی لائی جائے، معاشرتی ڈھانچے کو کمزور کیا جائے، اور شریعت کے بجائے انسانی قوانین اور مغربی اداروں کو فیصلہ سازی کا معیار بنایا جائے۔ اسی طرح خواتین کو فحاشی کی ترغیب دی گئی، اور ان کے تحفظ کے لیے مغربی نگرانی میں (دار الامان نامی) ایسے مراکز قائم کیے گئے جو دراصل فحاشی و اخلاقی فساد کے اڈے تھے۔

مغربی طاقتوں نے اپنے افغان حامیوں کے ذریعے عدالت، فوجداری، حقوق، میڈیا، سکیورٹی، تجارت اور بین الاقوامی تعلقات سے متعلق قوانین بھی اپنی خواہشات کے مطابق مرتب کیے۔

جس جہاد کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر دین کی سربلندی کے لیے فرض قرار دیا ہے، اسے ان طاقتوں نے ''دہشت گردی'' کا نام دیا، اور اسی بنیاد پر ہزاروں نوجوانوں کو ملک کے مختلف زندانوں میں قید کیا گیا۔ ان پر یہ الزامات عائد کیے گئے کہ وہ افغانستان میں جہاد، اسلامی نظام، اسلامی اقدار اور آزادی کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟ اور غلامی قبول کرنے پر کیوں آمادہ نہیں ہوتے؟

قبضے کے دور میں بنائے گئے افغانستان کے آئین میں بھی ایسے تصورات شامل کیے گئے جن میں جمہوریت، عوامی ارادے کی بنیاد پر نظامِ حکومت اور انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کی پیروی شامل تھی۔ ان میں بعض ایسے مفاہیم شامل تھے جو مغربی اقدار کی بنیاد پر تشکیل دیے گئے اور بعد میں اسلامی ممالک پر بھی نافذ کیے گئے۔

امریکیوں نے افغانستان پر حملے کے بعد تعلیمی نصاب سے سوویت یونین اور کمیونزم کے خلاف افغان عوام کی تاریخی جدوجہد سے متعلق بعض موضوعات کو بھی حذف کیا۔ ان کا مؤقف تھا کہ وہ دور اختلافات سے بھرا ہوا تھا اور اس زمانے کے لوگ ابھی تک زندہ ہیں، لہٰذا اس جہادی تاریخ کا ذکر دوبارہ اختلافات کو جنم دے سکتا ہے۔

امریکی نگرانی میں تیار کیے گئے نصاب میں کمیونزم کے خلاف افغان جہاد کے دور کو ''بحران'' یا ''تباہی'' جیسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا، جبکہ جرمنی کے شہر بون میں افغانستان کے مستقبل کے حوالے سے منعقدہ اجلاس اور بعد میں کابل میں ہونے والی لویہ جرگہ کو نصاب میں شامل کیا گیا۔ افغان عوام کی تاریخ کے ان واقعات، جن میں سوویت یونین کی شکست، جہاد اور قومی جدوجہد کی عظمت بیان ہوتی تھی، کو نصاب سے نکال دیا گیا تاکہ نئی نسل یہ سبق نہ لے کہ جس قوم نے روسی حملہ آوروں کو شکست دی، وہ کسی اور بیرونی طاقت کا مقابلہ بھی کر سکتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا معاشرہ مختلف باطل افکار سے متاثر ہوا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ آئندہ نسلیں غیر ملکی نظریات کی پیروی نہ کریں تو ضروری ہے کہ باطل افکار کو پہچانا جائے اور ان کے بارے میں نصاب میں مناسب معلومات شامل کی جائیں۔

باطل نظریات کو سمجھنا ہمارے اسلامی معاشرے کے لیے اس لیے بھی زیادہ ضروری ہے کہ یہ مختلف ناموں اور شکلوں میں ہمارے معاشرے کو متاثر کر چکے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ ہم نے دیکھا کہ موجودہ دور میں مختلف ناموں اور عنوانات کے تحت ہمارے لاکھوں نوجوان کمیونزم اور لبرلزم کے نظریات کے پیروکار بن گئے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اس ملک کے لاکھوں نوجوان امریکی حملہ آوروں کی صف میں کھڑے ہو گئے، اور ہمارے تعلیمی نصاب میں ان قابض قوتوں کے نظریات کو شامل کیا گیا۔

ہمارے دینی تعلیمی نصاب میں صرف و نحو، منطق اور قدیم علوم پر بہت توجہ دی جاتی ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جدید باطل نظریات کا تعارف، ان پر تنقید اور اسلامی نقطۂ نظر سے ان کا جائزہ، جو اسلام کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے، بہت کم موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے سے ہی لاکھوں لوگ وقتاً فوقتاً غیر اسلامی نظریات سے متاثر ہو کر دین، علماء، مدارس، مساجد اور محراب کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ ہمارے دینی اور دنیاوی دونوں تعلیمی نصابوں میں جدید دور کے باطل نظریات اور ان کے بارے میں اسلامی مؤقف کی مناسب تعلیم موجود نہیں ہے۔

جب جدید باطل افکار اور تصورات قانون، نظام، میڈیا، تعلیمی نصاب اور دیگر ذرائع کے ذریعے لوگوں میں پھیلائے جائیں، لیکن ان کے مقابلے میں اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی واضح تعلیم نہ دی جائے، تو نئی نسل میں ان نظریات کے خلاف فکری شعور، حساسیت اور مقابلے کا جذبہ کیسے پیدا ہو گا؟

مذکورہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے اگر دینی مدارس کے نصاب میں بھی کفر اور باطل کے جدید مظاہر کے بارے میں مضامین شامل نہ کیے گئے تو یہ ملک اور قوم کے مستقبل کے بارے میں ایک بڑی غفلت ہو گی، جس کے نتائج آنے والی نسلوں کے لیے نہایت نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

لا محدود ذہنیت بمقابلہ محدود ذہنیت

شاکر احمد فرائضی

برادر شاکر احمد فرائضی کا تعلق شہید سراج الدولہ، سید تیتومیر اور حاجی شریعت اللہ ﷫ کی سر زمین سے ہے جس کے مشرقی حصے کو آج بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے۔ برادر شاکر نے یہ تحریر بنگلہ دیش میں ہی قلم بند کی ہے۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيم

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُه . أمابعد

گزشتہ اقساط میں ہم نے ’لامتناہی کھیل‘ (infinite game) کی جن بنیادی خصوصیات پر بات کی تھی، آیئے اب انہیں زندگی کی چند مزید عملی مثالوں سے سمجھتے ہیں۔ اس تحریر کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ ان تصورات کو بالکل آسان اور قابلِ اطلاق انداز میں آپ کے سامنے پیش کیا جائے۔

جیسا کہ پچھلی اقساط میں ہم یہ باتیں جان چکے ہیں کہ:

۱. انفینٹ گیم میں اصل مسئلہ ہار جیت کا ہوتا ہی نہیں۔ یہاں سب سے اہم چیز اپنے کام اور سفر کو مسلسل جاری رکھنا ہے۔

۲. اس لامتناہی کھیل کو آپ چند مخصوص قواعد و ضوابط کی زنجیروں میں نہیں باندھ سکتے۔

۳. اس میں دشمن کا کبھی مکمل طور پر خاتمہ نہیں ہوتا۔ آپ ایک حریف کو شکست دیتے ہیں، تو فوراً کوئی دوسرا اس کی جگہ سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔

۴. اس لامتناہی کشمکش میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کو بیک وقت کئی دشمنوں کے خلاف مختلف محاذوں پر جنگ لڑنی پڑتی ہے۔ اس کے برعکس ’محدود کھیل‘ (finite game) میں آپ کا حریف پہلے سے متعین اور محدود ہوتا ہے۔

انہی باتوں کو سمیٹتے ہوئے، ہم پہلے اور دوسرے نکتے کی تھوڑی مزید وضاحت کریں گے، اور پھر ان شاء اللہ گفتگو کے اگلے حصے کی جانب بڑھیں گے۔

آیئے، ایک بار پھر گریجویشن والی مثال کی طرف چلتے ہیں۔ ذرا سوچیے، جب ہم گریجویشن کر رہے ہوتے ہیں تو ہمیں چند مخصوص مضامین پڑھنے پڑتے ہیں۔ انہیں پڑھ کر ہی ہمیں ڈگری مل جاتی ہے، یا یوں کہہ لیجیے کہ ہماری ’فتح‘ یقینی ہو جاتی ہے۔ مگر علم حاصل کرنے کے اس لامحدود میدان میں کچھ بھی پہلے سے طے شدہ یا محدود نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر، فرض کر لیجیے کہ آپ نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ ”مجھے جہاد میں خدمت کے لیے مطالعہ کرنا ہے“۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو کیا کیا پڑھنا چاہیے؟

دیکھیے، اس معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ محض کوئی ایک مضمون پڑھ کر مکمل علم حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ کوئی ایسا کام نہیں کہ آپ نے صرف ’مینجمنٹ‘ (انتظامی امور) پڑھ لی اور آپ کو کامل علم حاصل ہو گیا۔ بلکہ، اس مینجمنٹ کو گہرائی سے سمجھنے کے لیے آپ کو نفسیات کا مطالعہ کرنا پڑے گا، فلسفے کو سمجھنا ہو گا۔ آپ کو ’کریٹیکل تھنکنگ‘ (تنقیدی سوچ) کے زاویے سیکھنے ہوں گے، آداب سمجھنے ہوں گے، اور ظاہر ہے کہ شرعی علم بھی حاصل کرنا ہو گا۔ یہاں دراصل کسی چیز کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ آپ کو ہر پہلو سے، ایک ہمہ جہت مطالعہ مسلسل جاری رکھنا ہو گا۔

اب ایک دوسری مثال کی طرف آتے ہیں۔

ذرا اپنے والدین، شریکِ حیات، دوستوں یا کسی دینی بھائی کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں غور کیجیے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان رشتوں میں ہار یا جیت نام کی کوئی چیز ہوتی ہی نہیں۔ اور نہ ہی یہ رشتے کسی مادی لین دین یا کچھ پانے کی غرض سے بنائے جاتے ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص جب زندگی کے اس مرحلے تک پہنچتا ہے، تو بے شمار لوگوں سے اس کی دوستی ہو چکی ہوتی ہے۔ یاد کیجیے، زندگی کے ابتدائی دور میں ہم میں سے اکثر کا مزاج یہی ہوتا تھا کہ ہم خاندانی رشتوں پر بھی اپنی دوستی کو ترجیح دیتے تھے۔ اس وقت دوستی کے رشتے سے زیادہ قیمتی چیز ہمارے نزدیک کوئی اور نہیں تھی۔ اس سفر میں ہمیں ایسے بہت سے دوست ملے جن میں سے کئی ایک کے ساتھ ہماری دوستی آج تک قائم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آج ان کے ساتھ ہماری نظریاتی ہم آہنگی نہ رہی ہو، لیکن دوستی کا وہ رشتہ اب بھی برقرار ہے۔ آج بھی ہم انہیں اپنے قریب محسوس کرتے ہیں اور وہ ہمیں محسوس کرتے ہیں۔ نظریاتی اختلافات کے باوجود وہ ہماری خیر خبر لیتے رہتے ہیں۔ (یہ لامحدود ذہنیت ہے۔)

لیکن دوسری جانب، ہمیں ایسے دوست بھی ضرور ملے جنھوں نے محض کسی خاص مفاد کی خاطر دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ مال و دولت، شہرت، عمدہ کھانوں کی محفلیں یا کوئی اور مخصوص غرض، یہ وہ مقاصد تھے جن کے تحت وہ ہمارے قریب آئے۔ اور جیسے ہی ان کا وہ مفاد پورا ہوا یا ان کا اصل چہرہ سامنے آیا، تو دوستی کا وہ رشتہ بھی وہیں دم توڑ گیا، اور وہ ہم سے دور ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دوستی کا جو حقیقی مقصد تھا، وہ کبھی حاصل ہی نہ ہو۔ (اسے ہم محدود ذہنیت کہتے ہیں۔)

اب ذرا ازدواجی زندگی پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔ ”میری بیوی میری ماتحت ہے، میں بادشاہ ہوں اور وہ میری رعایا ہے“، اگر سوچنے کا انداز ایسا ہو، تو پھر ازدواجی تعلق کا جو اصل

مقصد ہے، وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایسی سوچ کے ساتھ تو رشتے کا برقرار رہنا ہی ایک مشکل امر بن جاتا ہے (یہ محدود ذہنیت کی ایک اور واضح مثال ہے)۔

لیکن اس کے برعکس، اگر ہم یہ سوچیں کہ یہ مبارک رشتہ تو ہمیں جنت تک لے جانے میں ہمارا معاون ہے۔ اس شریکِ حیات کے ساتھ میرا یہ تعلق ایک لامتناہی سفر ہے۔ مجھے اسے بالکل آخر تک نبھانا ہے۔ زندگی میں نشیب و فراز تو آتے ہی ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ اس رشتے میں بھی اتار چڑھاؤ ضرور آئیں گے۔ کبھی رشتے میں محبت کی گرمجوشی ہوگی تو کبھی تھوڑی بہت کشیدگی، لیکن ان تمام رویوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے ہم ان شاء اللہ آگے بڑھتے رہیں گے۔ بس اسی صورت میں ازدواجی تعلق کا وہ عظیم اور اصل مقصد حاصل ہو سکے گا (اور یہی لامحدود ذہنیت ہے)۔

اسی طرح، دوستی اور دینی اخوت کے معاملے میں بھی ہمارے تعلقات ہمیشہ ایک ہی ڈگر پر نہیں چلتے۔ ان میں بھی اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ روٹھنے منانے کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔ مگر ہمیں ان سب چیزوں کو ساتھ لے کر ہی آگے کا سفر طے کرنا ہے۔ البتہ یاد رکھیے، محض تعلق کو برقرار رکھنے کی خواہش دل میں پال لینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ ہمارے اردگرد بہت سے لوگ ایسے ہیں جو زبانی دعوے تو خوب کرتے ہیں کہ ہم تعلقات کو جوڑے رکھنا چاہتے ہیں، لیکن عملاً وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح پر بالکل تیار نہیں ہوتے۔ بعض لوگ تو اپنی غلطی تسلیم کرنا ہی گوارا نہیں کرتے۔ ہاں، مجموعی طور پر وہ یہ فلسفہ ضرور بیان کریں گے کہ ''ہم بھی اولادِ آدم ہیں، ہم سے بھی تو غلطی ہو سکتی ہے''، لیکن اگر کوئی خاص طور پر ان کی کسی غلطی کی نشاندہی کر دے، تو وہ اسے ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوں گے۔ وہ یہ تسلیم ہی نہیں کریں گے کہ فلاں مخصوص کام میں ان سے واقعی کوئی چوک ہوئی ہے۔ ہمیں اس پہلو پر بہت سنجیدگی سے توجہ دینا ہوگی۔ کیونکہ، اس لامتناہی کھیل کا ایک بنیادی جزو 'مسلسل بہتری' (Continuous improvement) ہے۔ اگر ہم کھلے دل سے اپنی غلطی تسلیم ہی نہیں کریں گے اور اسے سدھارنے کی کوشش نہیں کریں گے، تو پھر اپنے معیار اور رشتوں میں بہتری لانا کبھی ممکن نہیں ہو سکے گا۔

چنانچہ، ازدواجی تعلق، دوستی اور دینی اخوت جیسے ان رشتوں کے معاملے میں اگر ہم واقعی مخلص ہیں، اور سچے دل سے چاہتے ہیں کہ انہیں مرتے دم تک خوبصورتی سے نبھائیں، اور بات صرف دنیا تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ ہم جنت میں بھی ایک ساتھ رہیں، تو پھر ہمیں ان رشتوں کے نشیب و فراز اور تمام تر انسانی غلطیوں و کوتاہیوں کو کھلے دل سے تسلیم کرنا ہوگا۔ ان کوتاہیوں کو مانتے ہوئے ہمیں ان رشتوں کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے کا سلسلہ جاری رکھنا ہوگا۔ ہمیں اپنی ذات کے اندر جھانک کر غلطیاں تلاش کرنی ہوں گی اور ان کی اصلاح کرنی ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ، ہم کچھ ایسے پیشگی اقدامات بھی کریں گے تاکہ غلطیوں کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور اگر غلطی ہونے کا ذرا سا بھی امکان نظر آئے، تو ہم فوراً ایسے مؤثر قدم اٹھائیں گے تاکہ اس رشتے کو تاحیات بحسن وخوبی نبھایا جا سکے۔ مجھے پوری امید ہے کہ رشتوں کے حوالے سے لامحدود ذہنیت (Infinite Mindset) دراصل کیسی ہوتی ہے، یہ بات اب ہم بخوبی سمجھ چکے ہیں۔

آپ دیکھیے، ازدواجی تعلق، خاندانی رشتے، دوستی اور یہ دینی اخوت، درحقیقت یہ رشتے تو ایک لامتناہی اور نہ ختم ہونے والے سفر کی مانند ہیں۔ یہ ۵ سال یا ۱۰ سال جیسی کسی مخصوص مدت کے دائرے میں قید نہیں کیے جا سکتے۔ یہ کوئی ایسا مخصوص ایونٹ یا واقعہ نہیں جو گزر جائے۔ کورونا کی وبا آئی، عالمی جنگیں ہوئیں، یہ سب محض واقعات تھے۔ امریکہ اور افغانستان کی جنگ ۲۰ سال تک جاری رہی۔ لیکن ذرا غور کریں تو یہ سب محدود (Finite) چیزیں تھیں۔ ایک مخصوص وقت گزرنے کے بعد بالآخر ان کا اختتام ہو گیا۔ مگر جب تک موت نہیں آ جاتی، ہمارے اس اقامتِ دین کے سفر کا کوئی اختتام نہیں ہے۔ اوپر بیان کی گئی مثالوں ہی کی طرح، یہ بھی لامحدود ذہنیت کا ایک بہت وسیع اور اہم میدان ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رشتوں کے معاملے میں لامحدود ذہنیت کا کیا مطلب ہے، مجھے قوی امید ہے کہ ہماری اس گفتگو سے ہم یہ باآسانی سمجھ چکے ہیں۔ اب ہماری زندگی کی اس جنگ میں، اور اسی طرح نظریاتی، عسکری، معاشی اور سیاسی جنگوں کے اندر بھی لامحدود ذہنیت کے جو مختلف میدان ہیں، ہمیں ان کو بھی اسی گفتگو کے تناظر میں عملی طور پر سمجھنا ہوگا، اور پھر ان تصورات کو حقیقی عمل کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

واللہ تعالیٰ اعلم!

☆☆☆☆☆

بقیہ: عمرِ ثالث

خلاصہ یہ ہے کہ ملا محمد عمر مجاہد بت شکنی کے موضوع کو دینی زاویۂ نظر سے دیکھتے تھے، اور اسی زاویے سے بتوں کو توڑنا ایک احسن اور تاریخی اعتبار سے بہترین عمل سمجھا جاتا تھا۔ اس تصور کے مطابق ملا صاحب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی بن ابی طالب، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہم، اور افغان تاریخی شخصیت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے کو دوبارہ زندہ کیا۔ اس کے نتیجے میں اہلِ ایمان و توحید خوش ہوئے، جبکہ کفر، شرک اور فسق کے پیروکار ناراض ہوئے۔

جب بامیان کے بدھ مجسموں کو توڑنے کی تیاریاں جاری تھیں تو امریکی ریاست نیویارک کے مشہور میٹروپولیٹن میوزیم کی طرف سے طالبان کو یہ پیشکش کی گئی کہ ان بتوں کو توڑنے کے بجائے انہیں فروخت کر دیا جائے، لیکن ملا صاحب نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ تاریخ میں انہیں بت فروش کے بجائے بت شکن کے نام سے یاد کیا جائے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

کفار کا معاشی بائیکاٹ

اسلامی بائیکاٹ جدید جنگ کے تناظر میں

اسلام کے خلاف جاری عالمی صہیونی جنگ کے تناظر میں اسلامی مقاطعہ کو سمجھنا، نافذ کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا

محمد ابراہیم لَڈوِک

محمد ابراہیم لَڈوِک (زید مجدہ) ایک نو مسلم عالمِ دین ہیں جنھوں نے عالَمِ عرب کی کئی جامعات میں علمِ دین حاصل کیا۔ موصوف نے کفر کے نظام اور اس کی چالوں کو خود اسی کفری معاشرے اور نظام میں رہتے ہوئے دیکھا اور اسے باطل جانا، ثم ایمان سے مشرف ہوئے اور علمِ دین حاصل کیا اور حق کو علی وجہ البصیرۃ جانا، سمجھا اور قبول کیا، پھر اسی حق کے داعی بن گئے اور عالَمِ کفر سے نبرد آزما مجاہدین کے حامی اور بھرپور دفاع کرنے والے بھی بن گئے (نحسبہ كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحدا)۔ انہی کے الفاظ میں: 'میرا نام محمد ابراہیم لَڈوِک ہے (پیدائشی طور پر الیگزانڈر نیکولئی لڈوک)۔ میں امریکہ میں پیدا ہوا اور میں نے علومِ تاریخ، تنقیدی ادب، علمِ تہذیب، تقابلِ ادیان، فلسفۂ سیاست، فلسفۂ بعد از نو آبادیاتی نظام، اقتصادیات، اور سیاسی اقتصادیات امریکہ اور جرمنی میں پڑھے۔ یہ علوم پڑھنے کے دوران میں نے ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر تحقیق کی جو دنیا کو متاثر کیے ہوئے ہیں اور اسی دوران اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ایک سیاسی اور اقتصادی نظام ہے جو حقیقتاً اور بہترین انداز سے ان مسائل کا حل لیے ہوئے ہے اور یوں میں رمضان ۱۴۳۳ھ میں مسلمان ہو گیا'، اللہ پاک ہمیں اور ہمارے بھائی محمد ابراہیم لڈوک کو استقامت علی الحق عطا فرمائے، آمین۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام، سیکولرازم، جمہوریت، اقامتِ دین و خلافت کی اہمیت و فرضیت اور دیگر موضوعات پر آپ کی تحریرات لائقِ استفادہ ہیں۔ مجلہ 'نوائے غزوۂ ہند' شیخ محمد ابراہیم لَڈوِک (حفظہ اللہ) کی انگریزی تالیف 'Islamic Boycotts in the Context of Modern War' کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔ (ادارہ)

شبہات

بائیکاٹ اور بائیکاٹ کرنے کے حوالے سے متعدد عام اعتراضات پائے جاتے ہیں۔ دوسروں کو بائیکاٹ کی ترغیب دیتے وقت ان دلائل سے واقف ہونا مفید ہے، اور اس سے اپنے عزم کو بھی مضبوط کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ حاکم کو بائیکاٹ کا اعلان کرنا چاہیے

سعودی نظامِ حکومت کے حامیوں کی جانب سے ایک عام دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بائیکاٹ کا اعلان حاکم کو کرنا چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ حاکم ہی اس بات کو جاننے کی بہترین پوزیشن میں ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے کیا چیز مفید ہے اور کیا نقصان دہ۔ لہٰذا مسلمانوں کو صرف اسی صورت میں بائیکاٹ کرنا چاہیے جب حاکم بائیکاٹ کی اپیل کرے۔ سعودی حکومت سے ہم آہنگ علماء کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ وہ صہیونی قبضے یا امریکہ کے خلاف بائیکاٹ کی اہمیت کو کم کر کے پیش کرتے ہیں، لیکن ترکی اور قطر کے خلاف سعودی قیادت میں کیے جانے والے بائیکاٹ کی حمایت کرتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں ممالک اخوان المسلمون کی تحریک کی حمایت کرتے ہیں۔

اسے اس دلیل کی ایک ذیلی صورت سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاد صرف امیر کی موجودگی میں ہی کیا جا سکتا ہے۔ معاشی جنگ جہاد کا ایک حصہ ہے، اور اگرچہ امیر کی قیادت میں جہاد کہیں زیادہ مؤثر ہوتا ہے، لیکن شریعت یا منطق، دونوں میں سے کسی اعتبار سے بھی امیر کی موجودگی اس کے لیے ایک لازمی شرط نہیں ہے۔ یہ بات بالخصوص دفاعی جہاد کے معاملے میں درست ہے، جہاں بچے پر بھی والدین کی اجازت کے بغیر لڑنا لازم ہو جاتا ہے اور غلام پر بھی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر لڑنا لازم ہے، جیسا کہ پہلے باب میں ذکر ہو چکا ہے۔

متعدد علماء نے ہر صورتِ حال میں جہاد جاری رکھنے کے فرض پر گفتگو کی ہے۔ ابن قدامہ، رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> فإن عدم الإمام لم يؤخر الجهاد لأن مصلحتة تفوت بتأخيرة[1]

> "امام کی عدم موجودگی جہاد کو مؤخر نہیں کرتی، کیونکہ اسے مؤخر کرنے سے اس کے بہت سے فوائد ضائع ہو جاتے ہیں۔"

المیمونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> لو اختلفوا على رجلين لم يتعطّل الغزو والحج. هذان بابان لا يدفعهما شيءٌ أصلاً[2]

> "اگر وہ دو آدمیوں میں سے کسی ایک کو قائد بنانے کے معاملے میں اختلاف کریں تو فوجی مہمات اور حج ہرگز نہیں رکتے۔ یہ ایسے دو امور ہیں جنھیں کسی بھی صورت میں نہیں رکنا چاہیے۔"

المروزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> يجب الجهاد بلا إمام إذا صاحوا النّفير[3]

> "ہنگامی صورتِ حال میں امام کے بغیر جہاد واجب ہے۔"

ابو داود رحمۃ اللہ علیہ سے جب امام کے بغیر جہاد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

> الغزو دفع عن المسلمين لا يترك لشيء[4]

[1] المغنی: ۸: ۲۵۳

[2] الفروع وتصحيح الفروع: ۱۰: ۲۷

[3] ایضاً

[4] ایضاً

”عسکری مہمات مسلمانوں کے دفاع کے لیے ہوتی ہیں اور انہیں کسی بھی وجہ سے ترک نہیں کیا جاتا۔“

فطری طور پر امیر کی قیادت میں جہاد کرنا زیادہ پسندیدہ اور زیادہ مؤثر ہے، خصوصاً اس لیے کہ یہ سنت سے ثابت ہے۔ تاہم، عسکری اعتبار سے مؤثر اقدامات کا از خود کیا جانا بھی سنت سے ثابت ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ يَقُولُ خَرَجْتُ قَبْلَ أَنْ يُؤَذَّنَ بِالْأُولَى وَكَانَتْ لِقَاحُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْعَى بِذِي قَرَدَ قَالَ فَلَقِيَنِي غُلَامٌ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ فَقَالَ أُخِذَتْ لِقَاحُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ مَنْ أَخَذَهَا قَالَ غَطَفَانُ قَالَ فَصَرَخْتُ ثَلَاثَ صَرَخَاتٍ يَا صَبَاحَاهْ قَالَ فَأَسْمَعْتُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْ الْمَدِينَةِ ثُمَّ انْدَفَعْتُ عَلَى وَجْهِي حَتَّى أَدْرَكْتُهُمْ وَقَدْ أَخَذُوا يَسْتَقُونَ مِنْ الْمَاءِ فَجَعَلْتُ أَرْمِيهِمْ بِنَبْلِي وَكُنْتُ رَامِيًا وَأَقُولُ أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعْ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعْ وَأَرْتَجِزُ حَتَّى اسْتَنْقَذْتُ اللِّقَاحَ مِنْهُمْ وَاسْتَلَبْتُ مِنْهُمْ ثَلَاثِينَ بُرْدَةً قَالَ وَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ قَدْ حَمَيْتُ الْقَوْمَ الْمَاءَ وَهُمْ عِطَاشٌ فَابْعَثْ إِلَيْهِمْ السَّاعَةَ فَقَالَ يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ قَالَ ثُمَّ رَجَعْنَا وَيُرْدِفُنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَاقَتِهِ حَتَّى دَخَلْنَا الْمَدِينَةَ[5]

”قتیبہ بن سعید، حاتم، یزید بن ابی عبید، سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں صبح کی اذان سے پہلے (جنگل کی طرف) نکلا۔ مقام ذی قرد میں نبی ﷺ کی دودھ والی اونٹنیاں چر رہی تھیں۔ مجھ سے عبد الرحمن بن عوف کا غلام ملا اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنیاں پکڑی گئیں۔ میں نے پوچھا کس نے پکڑا؟ اس نے جواب دیا کہ (قوم) غطفان نے۔ تو میں نے تین آوازیں یاصباحاہ (یہ کلمہ دشمن کی آمد کی اطلاع پر لوگوں کو جمع کرنے کے لیے بولا جاتا ہے) کہہ کر لگائیں جس سے قیام اہل مدینہ کو خبر ہو گئی۔ پھر میں فوراً سیدھا چلا حتیٰ کہ ان کافروں کو جا پکڑا وہ ان اونٹنیوں کو پانی پلانے لگے تو میں ان پر تیر چلانے لگا اور میں (بڑا) تیر انداز تھا۔ میں یہ رجز پڑھتا رہا کہ میں ابن اکوع ہوں آج کا دن کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے، حتیٰ کہ میں نے ان سے اونٹنیوں کو چھڑا لیا اور میں نے ان سے تیس چادریں بھی چھین لیں۔ سلمہ کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ اور دوسرے لوگ بھی آ گئے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ان لوگوں کو پانی بھی نہیں پینے دیا حالانکہ وہ پیاسے تھے لہٰذا فوراً ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیج دیجیے۔ آپ نے فرمایا: اے ابن اکوع! تم نے انہیں بھگا دیا ہے لہٰذا اب چھوڑو بھی، سلمہ کہتے ہیں پھر ہم واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر مجھے پیچھے بٹھا کر لائے حتیٰ کہ ہم مدینہ میں داخل ہو گئے۔“

کویتی فقہی انسائیکلوپیڈیا اس موضوع کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

صرح الشافعية والحنابلة بأنه يكره الغزو من غير إذن الإمام أو الإمير المولى من قبله, لإن الغزو على حسب حال الحاجة, ولإمام أو الأمير أعرف بذلك, ولا يحرم, لأنه ليس فيه أكثر من التغير بالنفس, والتغير بالنفس يجوز في الجهاد. ولأن أمر الحرب موكول إلى الأمير, وهو أعلم بكثرة العدو وقلتهم, ومكامن العدو وكيدهم, فينبغي أن يرجع إلى رأيه, لأنه أحوط للمسلمين, إلا أن يفجأهم عدو يخافون تمكنه, فلا يمكنهم الاستئذان, فيسقط الإذى باقتضاء قتالهم, والخروج إليهم لحصول الفساد بتركهم انتظارا للإذن.

ودليل ذلك أنه لما أغار الكفار على لقاح النبي صلى الله عليه وسلم صادفهم سلمة بن الأكوع خارجا من المدينة فتبعهم وقاتلهم من غير إذى, فمدحه النبي صلى الله عليه وسلم وقال: خير رجالتنا سلمة بن الأكوع, وأعطاه سهم فارس وراجل.

”شافعی اور حنبلی مذاہب نے صراحت کی ہے کہ امام یا اس کے مقرر کردہ کمانڈر کی اجازت کے بغیر جہاد کرنا مکروہ ہے، کیونکہ جہاد کی ضرورت حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے اور امام یا کمانڈر اس معاملے کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔ تاہم، یہ حرام نہیں ہے، کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس میں انسان کی اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا لازم آتا ہے، اور جہاد میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا جائز ہے۔

جنگ کا حکم کمانڈر کے سپرد ہے، اور وہ اس بات کو زیادہ بہتر جانتا ہے کہ دشمن تعداد میں زیادہ ہے یا کم، اور وہ کس طرح گھات لگاتا اور جنگی تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے فیصلے پر اعتماد کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ مسلمانوں کے لیے زیادہ محتاط طریقہ ہے۔ البتہ اگر دشمن اچانک حملہ کر دے اور اجازت لینا ممکن نہ ہو، اس خوف سے کہ دشمن کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقع مل جائے گا، تو اس سے لڑنا ناگزیر ہونے کی وجہ سے اجازت کی شرط ختم ہو جاتی ہے، اور اجازت کے انتظار سے

۵ صحیح بخاری

ہونے والے نقصان کو روکنے کے لیے دشمن کے خلاف نکلنا جائز ہو جاتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر حملہ کیا تو سلمہ بن اکوع مدینہ سے نکلتے ہوئے ان سے جا ملے اور بغیر اجازت ان کا تعاقب کیا اور ان سے جنگ کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور فرمایا: 'ہمارے پیادوں میں سب سے بہترین سلمہ بن اکوع ہیں'، اور انہیں گھڑ سوار اور پیادے، دونوں کا حصہ عطا فرمایا۔"

اس طرح کے اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ قیادت اہم ہے، لیکن کسی بھی صورتِ حال میں جہاد کو مکمل طور پر ترک نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ مسلمانوں کی بہبود کے لیے ناگزیر ہے۔ درحقیقت، مشرق سے مغرب تک آج مسلمانوں کو جن مشکلات کا سامنا ہے، وہ جہاد ترک کرنے کا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح کفار کو جو تحفظ حاصل ہے، وہ ان کے جہاد کا نتیجہ ہے، اگرچہ وہ طاغوت کی راہ میں جہاد ہے، اللہ کی راہ میں نہیں۔

مغربی طاقتیں ہر اس شخص کو سزا دینے کے لیے بڑی مقدار میں دولت اور وسائل صرف کرتی ہیں جو ان کے شہریوں کو دھمکائے یا انہیں نقصان پہنچائے۔ یہی وجہ بھی ہے کہ لاکھوں مسلمان مغربی ممالک کی شہریت حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہیں، حالانکہ اس شہریت کے ساتھ ملنے والا تحفظ دین کے حوالے سے فتنوں کے ساتھ آتا ہے۔ کفار کو اپنا ولی بنا کر مسلمانوں کو مرتد ہونے کی اس ترغیب کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان، مسلمانوں کو سیاسی اور عسکری تحفظ فراہم کریں۔

یہ بحث براہِ راست جنگی کارروائی سے متعلق ہے، جو خرید و فروخت سے کہیں زیادہ سنگین معاملہ ہے۔ جیسا کہ پہلے باب میں بیان کیا گیا تھا، معاشی جنگ جدید جنگ کا ایک بنیادی حصہ ہے، لہٰذا اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لیے بھی جنگ کے ان حصوں میں اپنی استطاعت کی حد تک حصہ لینا نہ صرف جائز، بلکہ ضروری ہو گا۔

یہ مفروضہ کہ قومی رہنما مسلمانوں کے بہترین مفادات کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، مضحکہ خیز ہے۔ ایک متحد اسلامی سلطنت کا امام امت کے مفادات کے مطابق فیصلے کر سکتا ہے، لیکن مسلمان آج درجنوں الگ الگ حکمرانوں کے زیرِ اقتدار ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنے ذاتی مفادات اور ان چھوٹی چھوٹی علاقائی اکائیوں کے مفادات کے حصول میں لگا ہوا ہے جنہیں نو آبادکاروں نے امت کو کمزور اور تقسیم کرنے کے لیے تشکیل دیا تھا۔

قوم پرستانہ سیاسی شناختیں اور طریقۂ کار مسلمانوں کی سرزمین پر موجودہ قبضے اور نو آبادیاتی تسلط کا مقابلہ کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ اللہ اس جدوجہد میں صرف انہی لوگوں کی مدد کرے گا اور انہیں فتح عطا کرے گا جو قرآنی اور سنت کے اصولوں کے مطابق اسلامی شناخت کی بنیاد پر عمل کریں گے۔ وحی اور زمینی حقیقت، دونوں اس کی گواہی دیتے ہیں۔

اگر کوئی ایسا رہنما، جو بظاہر اسلام اور مسلم امت کے مفادات کے مطابق حکومت کر رہا ہو، اپنی رعایا سے بائیکاٹ نہ کرنے کا مطالبہ کرے تو اس کے حکم کی اطاعت درست ہو سکتی ہے۔ تاہم، بیشتر مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال اس منظر نامے سے اتنی دور ہے کہ یہاں اس کا ذکر کرنا بھی شاید ہی ضروری ہو۔

یہ اصول درست ہے کہ بعض اقسام کے بائیکاٹ، اہل اور باصلاحیت قیادت کے بغیر نافذ کیے جائیں تو نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے ہمیں ایسے افراد کے ساتھ فعال شوریٰ میں مشغول ہونا چاہیے جو شریعت اور موجودہ حالات کا علم رکھتے ہوں اور جن کے بارے میں ہمیں یقین ہو کہ وہ پوری امت کے بہترین مفادات کے خواہاں ہیں۔ یہ کتاب اسی طرح کی مشاورت میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے لکھی گئی ہے۔

۲۔ نبی ﷺ نے کفار کے ساتھ لین دین کیا

بائیکاٹ کے بعض مخالفین مغربی کمپنیوں کے ساتھ تعاون کو یہ دلیل دے کر درست قرار دیتے ہیں کہ کفار سے خرید و فروخت کرنا حلال ہے۔ کفار کے ساتھ کاروباری معاملات کے جواز پر متعدد دلائل موجود ہیں۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌّ طَوِيلٌ بِغَنَمٍ يَسُوقُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْعًا أَمْ عَطِيَّةً أَوْ قَالَ أَمْ هِبَةً قَالَ لَا بَلْ بَيْعٌ فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً[6]

"عبد الرحمن بن ابی بکر سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ ہم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے پھر ایک مشرک آدمی آیا جو لمبا تھا اور اس کے سر کے بال پریشان تھے بکریاں ہانک رہا تھا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے پوچھا بیچنا چاہتا ہے یا عطیہ یا ہبہ کے طور پر دینا چاہتا ہے اس نے کہا نہیں بلکہ بیچتا ہوں تو آپ نے اس سے بکری خرید لی۔"

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا إِلَى أَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ[7]

"عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک یہودی سے ادھار اناج خریدا اور اپنی زرہ گروی رکھ دی۔"

[6] صحیح بخاری

[7] سنن ابن ماجہ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَدِرْعُهُ رَهْنٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلَاثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ[8]

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وصال اس حالت میں ہوا کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے میں گروی رکھی ہوئی تھی۔“

کفار کے ساتھ کاروباری معاملات کے جواز کے لیے پیش کیا جانے والا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ وہ خیبر کی زمینوں پر کاشت کاری کریں گے اور اس کے بدلے زمین کی پیداوار کا نصف انہیں دیا جائے گا۔

ان دلائل کی بنیاد پر علمائے دین اس بات پر متفق ہیں کہ اصولی طور پر کفار کے ساتھ تجارت جائز ہے۔ تاہم، جن اشیا کی خرید و فروخت ہو، وہ کسی بھی طرح کفار کو مسلمانوں کے خلاف جنگی کوششوں یا ان کے مذہب میں مدد دینے والی نہیں ہونی چاہییں۔ اس میں خام مال بھی شامل ہے، مثلاً مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کفار کو لوہا فروخت کرے، کیونکہ وہ اسے ہتھیار بنانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

بعض علماء نے جنگ اور امن کے زمانے میں بھی فرق کیا ہے۔ ہارون الرشید کے زمانے میں مدینہ کے مفتی ابن الماجشون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ دارالحرب کے کفار کو اس وقت خوراک فروخت کرنا جائز ہے جب جنگ بندی ہو، لیکن جنگ کے زمانے میں یہ ممنوع ہے۔[9]

جہاں تک خدمات کا تعلق ہے، علماء اس بات پر متفق ہیں کہ کسی کافر کا مسلمان کے لیے کام کرنا جائز ہے، لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ آیا مسلمان کسی کافر کے ہاں ملازم کی حیثیت سے کام کر سکتا ہے۔ کویتی فقہی انسائیکلوپیڈیا کے مطابق، احناف نے کفار کی خدمت کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن اسے ناپسندیدہ قرار دیا ہے، کیونکہ ملازمت کرنا ایک طرح کی ذلت ہے، اور مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے، خصوصاً کسی کافر کے سامنے۔

مالکیوں نے کفار کے لیے کام کرنے کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے: جائز، مکروہ، ممنوع اور حرام۔ جائز کام وہ ہے جو مسلمان کافر کے لیے ایسی جگہ انجام دے جو مسلمان کی ملکیت ہو، مثلاً گھر میں قائم اپنی ورکشاپ میں کافر کے لیے کوئی چیز تیار کرنا۔ کسی کافر کے لیے ایسے طریقے سے کام کرنا مکروہ ہے جس میں کافر کو مسلمان کے کام پر مکمل اختیار حاصل ہو، اگرچہ مسلمان براہِ راست اس کے ماتحت نہ ہو، مثلاً کافر کا مقروض ہونا یا اس سے کوئی چیز کرائے پر لینا۔ محظور (عارضی حالات کی بنا پر ممنوع) کام وہ ہے جس میں مسلمان کافر کے اختیار اور کنٹرول میں ہو، جبکہ حرام (بذاتِ خود ممنوع) کام وہ ہے جس میں کسی حرام کام کا ارتکاب شامل ہو، مثلاً شراب نچوڑنا یا خنزیر چرانا۔

یہاں ”ممنوع“ اور ”حرام“ کے درمیان فرق یہ ہے کہ ممنوع کام کی صورت میں اجرت حلال ہوتی ہے، اگرچہ ذلت کی وجہ سے خود کام کرنا جائز نہیں، لیکن حرام کام کی صورت میں حاصل ہونے والی اجرت صدقہ کرنا ضروری ہے۔

شافعیوں کا مؤقف ہے کہ مسلمان کے لیے کسی کافر کے ہاں ملازم بننا جائز نہیں، اور حنبلیوں کا بھی یہی موقف ہے۔

ان آراسے دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

۱. معاشی سرگرمیوں سے کفار کی جنگی صلاحیت کو تقویت نہیں ملنی چاہیے۔
۲. معاشی سرگرمیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کو ذلت کی حالت میں نہیں ڈالا جانا چاہیے۔

علماء نے ان شرائط کے لیے متعدد دلائل پیش کیے ہیں، جن میں یہ آیت بھی شامل ہے:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۝ (سورۃ النساء:۱۴۱)

”اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہرگز کوئی راستہ نہیں رکھے گا۔“

مسلمانوں اور کفار کے درمیان موجودہ معاشی تعلقات ان دونوں شرائط پر پورے نہیں اترتے۔ مسلمانوں اور کفار کے درمیان بہت سے معاشی تعلقات کفار کی جنگی کوششوں کو براہِ راست اور بالواسطہ دونوں طرح تقویت دیتے ہیں، اور ان تعلقات کا مجموعی ڈھانچہ مسلمانوں کی تذلیل کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان موجودہ معاشی تعلقات کا ماڈل حلال ہے۔ اگرچہ انفرادی طور پر بعض خریداریوں کو بظاہر بے ضرر سمجھا جا سکتا ہے، لیکن وہ مسلمانوں کی مجموعی ثقافتی اور معاشی محکومی کے ایک وسیع تر ڈھانچے کا حصہ ہیں، اور ہمیں اس ڈھانچے کو تبدیل کرنے کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

کفار کے ساتھ تجارت کے جواز کے لیے پیش کی جانے والی احادیث میں غلے اور بھیڑ جیسی ضروری اشیا کا ذکر ہے، نہ کہ میک ڈونلڈز یا کوکا کولا جیسی تعیشاتی مصنوعات یا ثقافتی علامتوں کا۔ اسی طرح خیبر سے متعلق روایات مسلمانوں کے غلبے کے تناظر میں ہیں، زمین یہودیوں کو ایک ایسے طریقے سے ٹھیکے پر دی گئی تھی جو جاگیردار کے مزارعین سے مشابہ تھا۔ اس صورتِ حال نے واضح طور پر مسلمانوں کی عزت و وقار کو بلند اور کفار کو ذلت کی حالت میں رکھا تھا۔

مسلمانوں پر کفار کا غلبہ تجارت کے ایسے ڈھانچے پر منحصر ہے جس میں مسلم ممالک بنیادی طور پر خام مال اور انسانی سرمایہ برآمد کرتے ہیں، جبکہ قدر میں اضافہ شدہ اشیا درآمد کرتے ہیں، مثلاً تیار شدہ غذائیں اور مشروبات، فیشن، کاسمیٹکس، پرفیوم، حفظانِ صحت کی

۸سنن ابن ماجہ

۹منح الجلیل شرح مختصر خلیل:۴:۴۴۳

مصنوعات، طرزِ زندگی سے متعلق مصنوعات، مشینری اور گھریلو سامان، نیز تعلیم، مشاورت اور تفریح جیسی خدمات۔ کفار کی معیشتیں مسلم ممالک کی منڈیوں تک رسائی پر بہت زیادہ انحصار کرتی ہیں، اور یہ مسلم سرزمینوں اور مغرب کے درمیان تجارت کی ایک ساختی خصوصیت بن چکی ہے۔

یہ رجحان گزشتہ چند صدیوں کے دوران ابھرا اور مغرب کی جنگی حکمتِ عملی کا ایک حصہ تھا۔ جس طرح جنگ میں ہونے والی کسی نئی پیش رفت کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم نئی تکنیکیں وضع کریں گے، اسی طرح اس حکمتِ عملی کا بھی مقابلہ کرنا ضروری ہے۔

یہ دلیل کہ کفار کے ساتھ تجارت جائز ہے، بائیکاٹ کی بحث سے متعلق نہیں، کیونکہ یہاں مسئلہ کفار سے خریداری کو ممنوع قرار دینے کا نہیں ہے۔ بلکہ اصل مسئلہ ان کفار کو، جو مسلم سرزمینوں پر غلبہ رکھتے ہیں، نکال باہر کرنے یا ان کے غلبے کو ختم کرنے کی ذمہ داری کا ہے۔ کفار سے خریداری ممنوع نہیں، اور بہت سے معاملات میں یہ اب بھی ضروری ہو سکتی ہے، لیکن ساتھ ہی ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا بھی انہیں کمزور کرنے اور ان کے خلاف جدوجہد کا ایک حصہ ہونے کی حیثیت سے ضروری ہے۔

یہ بات پہلے باب میں بیان کیے گئے اصولوں کی طرف واپس لے جاتی ہے:

الوسائل لها أحكام المقاصد

”ذرائع کے احکام بھی وہی ہوتے ہیں جو مقاصد کے احکام ہوتے ہیں۔“

أن ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب

”جس چیز کے بغیر کسی واجب کی تکمیل ممکن نہ ہو، وہ چیز بھی واجب ہو جاتی ہے۔“

واجب صرف یہ نہیں کہ ہماری سرزمینوں پر قابض دشمن افواج کو پسپا اور مغلوب کیا جائے، بلکہ ثقافتی اور معاشی نوآبادیات کے ذریعے پہنچائے گئے نقصان کی تلافی بھی واجب ہے، کیونکہ جدید دور میں یہ عوامل ان کی جنگی کوششوں کے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان سرد جنگ کا مشاہدہ کرتے ہوئے ایک مبصر نے ایک مرتبہ کہا تھا: ”راک موسیقی اور نیلی جینز میں پوری سرخ فوج سے زیادہ طاقت ہے“۔ امریکی ثقافت سوویت یونین کی آبادی کے لیے اس قدر پرکشش تھی کہ اس نے حکومت کے لیے عوام کی حمایت کو کمزور کر دیا۔ جب آپ اپنے دشمن کی ثقافت سے محبت اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہوں تو آپ جنگ نہیں لڑ سکتے اور نہ ہی اسے جیت سکتے ہیں۔ آج بہت سے مسلمان مغربی ثقافت کے دلدادہ ہو چکے ہیں، اس کی ایک وجہ مغرب کی عسکری اور معاشی طاقت ہے، لیکن دوسری وجہ چمک دمک سے بھرپور اور لوگوں کو متاثر و گمراہ کرنے والی مارکیٹنگ مہمات بھی ہیں۔

یہ اس حقیقت کا ایک حصہ ہے جس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبردار کیا تھا:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَتَتْبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى قَالَ فَمَنْ [10]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ پیروی کرو گے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی اس میں داخل ہو جاؤ گے۔“ ہم نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! کیا آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”اور کون؟“

اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود براہِ راست بائیکاٹ کی مہمات نہیں چلائیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی عسکری کارروائیوں کا مقصد مشرکین کو معاشی نقصان پہنچانا تھا۔ اسلامی تاریخ کی ابتدائی بیشتر عسکری مہمات قریش کے تجارتی قافلوں کو نشانہ بناتی تھیں، جس سے ان کی معاشی قوت متاثر ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسی حکمتِ عملی کا حصہ تھا جس کا نقطۂ عروج مکہ کو اسلام کے لیے فتح کرنا تھا۔ اس لحاظ سے کفار کی معاشی شہ رگوں کو نشانہ بنانا سنت کا حصہ ہے، اگرچہ بعض اوقات ان سے خریداری کرنا بھی جائز یا ضروری ہو سکتا ہے۔

۳۔ بائیکاٹ مؤثر نہیں ہوتا

بائیکاٹ کے خلاف ایک اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اس کا اثر نہایت معمولی ہوتا ہے۔ جب دشمن کو بمشکل ہی نقصان پہنچتا ہے تو پھر ہم خود کو تکلیف میں کیوں ڈالیں؟

یہ درست ہے کہ اکثر بائیکاٹ مؤثر ثابت نہیں ہوتے، لیکن اگر کوئی بائیکاٹ منظم انداز میں اور مسلسل جاری رکھا جائے تو وہ انتہائی مؤثر ہو سکتا ہے۔ اس کے اثرات کا اندازہ صرف آمدنی میں ہونے والی کمی سے نہیں لگایا جا سکتا۔ بائیکاٹ کی خبریں اکثر ان کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت گرا دیتی ہیں جن کا بائیکاٹ کیا جا رہا ہو۔ اس کے نتیجے میں ایک سلسلہ وار ردِ عمل شروع ہو سکتا ہے، جہاں سرمایہ کار اپنا سرمایہ نکال لیتے ہیں اور شیئرز کی قیمت مزید گر جاتی ہے۔ غزہ میں طوفان الاقصیٰ آپریشن کے بعد اسٹاربکس کے خلاف چلنے والی بائیکاٹ مہم ان

[10] صحیح بخاری

عوامل میں سے ایک تھی جس کے باعث کمپنی کے شیئرز کی مالیت میں تقریباً گیارہ ارب امریکی ڈالر کی کمی واقع ہوئی۔

آمدنی میں کمی اور شیئرز کی گرتی ہوئی قیمت کا مطلب یہ بھی ہے کہ معاند حکومتوں کو کم ٹیکس ملتا ہے اور کمپنیوں کے پاس اپنے کاروبار کو وسعت دینے یا قرض حاصل کرنے کے لیے کم آپریٹنگ سرمایہ رہ جاتا ہے۔ بائیکاٹ کے گرد پیدا ہونے والی عوامی توجہ کسی برانڈ کی ساکھ کو بھی شدید نقصان پہنچا سکتی ہے۔ برانڈ ویلیو اکثر کسی کمپنی کی مجموعی قدر کا ایک اہم حصہ ہوتی ہے، اس لیے اگر کسی کمپنی کے ساتھ مستقل طور پر منفی تاثر وابستہ ہو جائے تو وہ اس کی مارکیٹ میں پوزیشن کو دیرپا نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اگرچہ اس کا کفار کی حقیقی جنگی صلاحیت پر براہِ راست اثر محدود ہوتا ہے، لیکن یہ دوسری کمپنیوں کو صہیونی قبضے کے ساتھ علانیہ تعاون یا اس کے لیے عطیات دینے سے باز رکھ سکتا ہے۔ اخلاقی حمایت میں یہ کمی ایک اہم نفسیاتی اثر بھی پیدا کرتی ہے۔ اگر صہیونی یا دیگر ظالم کفار خود کو تنہا محسوس کریں، یا انہیں یہ احساس ہو کہ دنیا انہیں ویسا ہی درندہ سمجھ رہی ہے جیسے وہ حقیقت میں ہیں، تو اس سے ان میں شرمندگی اور ندامت پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر وہ اللہ سے نہیں ڈرتے تو ان میں سے بہت سے لوگ انسانوں کی مذمت سے ضرور ڈرتے ہیں۔

تاریخ میں ملکوں کے خلاف بائیکاٹ بھی مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ نپولین کی جنگوں کے دوران فرانس نے یورپ میں تجارتی برتری حاصل کرنے کے لیے برطانیہ کی تمام درآمدات پر پابندی لگا دی۔ اگرچہ اس سے برطانوی معیشت تباہ نہیں ہوئی، لیکن اس نے فرانسیسی کاروبار کو فروغ دیا۔ جنگ کے ساتھ ساتھ اس کے نتیجے میں برطانیہ میں مہنگائی اور بے روزگاری میں اضافہ ہوا، جس سے شہری بے چینی اور بغاوتیں پیدا ہوئیں، اور برطانوی فوج کو انہیں کچلنے کے لیے بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔

دوسری عالمی جنگ سے پہلے دنیا بھر کے یہودیوں نے جرمن مصنوعات کا بائیکاٹ کیا، جس کے نتیجے میں امریکہ میں جرمنی سے درآمدات تقریباً ۲۵ فیصد کم ہو گئیں۔ اس پر نازی وزیرِ پروپیگنڈا جوزف گوئبلز نے کہا:

> ”ہم آج بھی اپنے آپ کو اس نہایت چالاکی سے تیار کی گئی سازش کے ہاتھوں جکڑا ہوا اور خطرے میں محسوس کرتے ہیں...... یہ بائیکاٹ ہمارے لیے شدید تشویش کا باعث ہے، کیونکہ یہ ہمارے سروں پر بادل کی طرح منڈلا رہا ہے۔“

اس بائیکاٹ نے قابلِ ذکر نقصان پہنچایا، حتیٰ کہ ہیمبرگ امریکن شپنگ لائن کے پورے بورڈ آف ڈائریکٹرز کو استعفیٰ دینا پڑا۔

جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز (Apartheid) رکھنے والی حکومت کے دوران دنیا بھر کے بہت سے افراد اور حکومتوں نے جنوبی افریقی کمپنیوں اور مصنوعات کا بائیکاٹ کیا۔ یہی بائیکاٹ ان اہم عوامل میں سے ایک تھا جس نے بالآخر نسلی امتیاز کے خاتمے کے فیصلے میں کردار ادا کیا۔

ایک مضبوط، منظم اور مسلسل جاری رہنے والا بائیکاٹ شدید نقصان پہنچا سکتا ہے، اور اگر اس کا براہِ راست فائدہ محدود بھی ہو تو اس کے ساتھ وہ بہت سے دوسرے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جن کا ذکر باب ۳ میں کیا جا چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر پوری مسلم امت اجتماعی اور منظم انداز میں بائیکاٹ کرے تو وہ ایک زبردست سیاسی اور معاشی قوت بن سکتی ہے۔ اس کتاب میں پیش کی گئی تجاویز پر عمل کرتے ہوئے اور بائیکاٹ کے دائرے اور شدت کو بڑھا کر اس کے اثر میں نمایاں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ آخر سب کچھ تو ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے

بعض لوگ جدید معیشت کی نوعیت کی بنا پر یہ استدلال کرتے ہیں کہ بائیکاٹ ناقابلِ عمل یا بے مقصد ہیں۔ اس بات میں کسی حد تک حقیقت ہے۔ جیسا کہ دوسرے باب میں بیان کیا گیا ہے، ایک برانڈ کو چھوڑ کر دوسرے برانڈ کو اختیار کرنے کا اثر بہت محدود ہو سکتا ہے۔

کسی بڑی کارپوریٹ چین کے بجائے مقامی کافی شاپ سے کافی خریدنے سے بڑی کافی کمپنی کے منافع میں کمی آئے گی، لیکن ممکن ہے کہ وہ چھوٹی دکان بھی کافی کے دانے انہی جہازوں کے ذریعے منگواتی ہو، ممکن ہے ان دانوں کی پروسیسنگ اور کافی کی تیاری بھی انہی کارخانوں میں بنی مشینوں سے ہوتی ہو، اور وہ کارخانے اپنے آلات اور بجلی کے لیے انہی کارپوریشنوں سے خدمات حاصل کرتے ہوں۔ ممکن ہے مقامی دکان بھی وہی مالیاتی خدمات اور اکاؤنٹنگ سافٹ ویئر استعمال کرتی ہو جو بڑی کارپوریٹ کافی شاپ استعمال کرتی ہے۔ بہت سے معاملات میں بڑی کارپوریشنیں قانونی سقم، بیرونِ ملک ٹیکس پناہ گاہوں اور سیاسی لابنگ سے فائدہ اٹھا کر مؤثر ٹیکس کی کم شرح ادا کرتی ہیں، چنانچہ چھوٹی دکان سے کافی خریدنے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی کافی کی قیمت کا زیادہ حصہ کسی اسلام مخالف حکومت کے پاس چلا جائے۔

بالخصوص جب آپ انتہائی پروسیس شدہ اشیا خریدتے ہیں تو ان کے اجزا دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کارپوریشنوں کے ایک عالمی جال سے حاصل کیے جاتے ہیں، جن میں سے بیشتر، اگر سب نہیں، صہیونیت نواز کارپوریشنوں اور حکومتوں کے ساتھ متعدد تعلقات رکھتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ مقبوضہ فلسطین میں قائم کسی صہیونیت نواز برانڈ یا کارپوریشن کو چھوڑنے کا مطلب صرف یہ ہو کہ آپ بالواسطہ طور پر ان بہت سے اجزا ہی کو خرید رہے ہیں جو آپ کی بائیکاٹ کی جانے والی کمپنی استعمال کرتی ہے۔

اسی لیے یہ کتاب بائیکاٹ کے لیے ایک زیادہ جامع طریقۂ کار کی وکالت کرتی ہے۔ مقصد محض مٹھی بھر کارپوریشنوں کا بائیکاٹ کرنا نہیں، بلکہ بتدریج یا بڑی جست کے ذریعے صہیونی غلبے پر قائم پوری عالمی نظامِ معیشت سے دستبردار ہونا اور اسلامی معیشت کو تشکیل دینا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۱ پر)

امام کے ساتھ گزرے ایام

حکیم الامت فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری

بسم الله والحمدلله، والصلاة والسلام على رسول الله وآله وصحبه ومن والاه

دنیا بھر میں بسنے والے میرے مسلمان بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ ”أيام مع الإمام“ (امام کے ساتھ گزرے ایام) کے سلسلے کی چھٹی نشست ہے۔ اس میں، ان شاء اللہ، میں ان خوش گوار یادوں میں سے چند مزید واقعات بیان کروں گا جو مجھے اس دور کے عظیم مجاہد، شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رفاقت کے دوران نصیب ہوئے۔

گزشتہ دو نشستوں میں، میں نے تورابورا کے بارے میں گفتگو کی، وہاں کی یادیں تازہ کیں، دوستوں اور ساتھیوں، دشمنوں اور اُن کے احوال کا ذکر کیا۔ اسی طرح میں نے مجاہد شیخ محمد یونس خالص رحمۃ اللہ علیہ، قاری عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد استاد مولوی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ، اسی طرح بطل، مجاہد معلم اول گل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تذکرہ کیا۔

جیسا کہ میں نے گزشتہ نشست میں عرض کیا تھا کہ میں شہداء کا تذکرہ کروں گا۔ رہے وہ زندہ ساتھی، جنھوں نے ہم پر بے شمار احسانات کیے، ہماری مدد کی اور عظیم خدمات انجام دیں، تو فی الحال میں ان کا ذکر مؤخر کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ، نہ ہم ان کی فضیلت کو فراموش کریں گے، نہ ان کے احسانات کو، اور نہ ہی جہاد اور تحریکِ جہاد کے لیے ان کی بے مثال خدمات کو بھلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں صرف اتنا کہوں گا کہ آپ سب ہمارے سروں کے تاج اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور آپ کی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ تاہم وقت آنے پر، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، تو مناسب موقع پر آپ کا تفصیل سے ذکر بھی کیا جائے گا۔ دوستوں اور رفقائے کار کے بارے میں گفتگو کے بعد، اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تورابورا میں شہید ہونے والے ساتھیوں کا مختصراً تذکرہ کروں، ان ساتھیوں کا بھی جو معرکۂ تورابورا میں شامل تھے، لیکن بعد میں شہید ہوئے۔

بے شک میں یہ کہنا چاہوں گا کہ الحمدللہ شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کی خندقیں کھودنے سے متعلق منصوبہ بندی اور اس پر ان کے اصرار کی بدولت، مجاہد ساتھیوں کو اللہ کے فضل سے کافی کم نقصان اٹھانا پڑا۔ اور یہ نقصان ساتھیوں کی مجموعی تعداد کی نسبت سے تقریباً دس سے بارہ یا تیرہ فیصد ہے، تو یہ ایک نسبت ہے جو شدید بمباری کے مقابلے میں بہت کم سمجھی جاتی ہے جس کا سامنا تورابورا میں ساتھیوں کو کرنا پڑا، اس شدید بمباری کے ساتھ سخت محاصرہ اور شدید حالات بھی پیش آئے۔

شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کا خندقوں پر اصرار بہت زیادہ تھا اور یہ ایک پالیسی ہے جس کا ہر جگہ مجاہدین کو خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کیونکہ صہیونیت نواز صلیبی دشمن ہم پر اپنے فضائی کنٹرول کے ذریعے طاقتور اور متکبر ہو رہا ہے، اس لیے زمین میں پناہ لینا اس فضائی کنٹرول کے خلاف مزاحمت کرنے کے لیے بہترین وسائل میں سے ہے، لہٰذا تمام مجاہدین کو میری نصیحت ہے کہ وہ اس میں بہت زیادہ دلچسپی لیں اور خندقیں کھودنے میں مزید جدت لائیں، ان شاء اللہ یہ صہیونیت نواز صلیبی دشمن کے فضائی کنٹرول کے خطرے کو بہت بڑی حد تک کم کر دے گا۔

شہداء میں سے سب سے پہلے میں جن کا ذکر کرنا چاہوں گا، ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالوں گا، ان میں سب سے پہلے بطلِ اسلام، شیخ ابن الشیخ لیبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اس عالی شخصیت نے موجودہ تاریخِ جہاد میں روس کے خلاف جہاد سے لے کر مرتے دم تک اپنا سب کچھ جہاد و مجاہدین کی خدمت کے لیے بغیر تنظیمی تعصب اور جانب داری کے وقف کر دیا تھا، میں نے ان کا تذکرہ پہلے بھی کیا ہے اور شیخ اسامہ بن لادن کی ان سے متعلق تعریف کا ذکر کیا ہے، لیکن میں اسے یہاں تورابورا کے جنگی رہنماؤں اور ابطال میں ذکر کر رہا ہوں، اور یہ شخصیت خود اپنی ذات میں ہی ایک درسگاہ تھیں، وہ اور ان کے ساتھی معسکر خلدن میں، یہ معسکر خلدن خود بھی ایک درسگاہ ہے۔

جب سوویت یونین افغانستان میں عبرتناک شکست سے دوچار ہو کر اس سرزمین سے نکل گیا تو اس کے بعد جہادی جماعتوں کے درمیان باہمی اختلافات نے شدت اختیار کر لی۔ خانہ جنگی نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور فتنہ و فساد کی آگ ہر سو بھڑک اٹھی۔ اس نازک دور میں بہت سے مجاہدین افغانستان چھوڑ کر دوسرے علاقوں کا رخ کر گئے، لیکن شیخ ابن الشیخ اللیبی اور ان کے رفقائے کار نے ایک مختلف اور دور اندیش راستہ اختیار کیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ افغانستان ہی میں قیام رکھا جائے، اس سرزمین کے سازگار ماحول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف جہادی جماعتوں اور تنظیموں کے لیے مخلص، باصلاحیت اور تربیت یافتہ افراد تیار کیے جائیں۔

چنانچہ انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں افرادی قوت کی علمی، فکری، روحانی اور عسکری تربیت پر مرکوز کر دیں۔ وقت نے ثابت کیا کہ ان کی یہ حکمتِ عملی نہایت بابرکت اور دور رس نتائج کی حامل تھی، کیونکہ اس کے ثمرات عالمِ اسلام کے متعدد جہادی محاذوں تک پہنچے اور بہت سے مجاہدین نے انہی تربیتی مراکز سے استفادہ کیا۔

معسکر خلدن محض جسمانی اور عسکری تربیت کا مرکز نہیں تھا، بلکہ وہ دعوت، تعلیم اور تزکیۂ نفس کا ایک اہم ادارہ بھی تھا۔ یہاں شیخ ابو عبد اللہ المہاجر حفظہ اللہ اپنے علمی دروس کے ذریعے مجاہدین کی فکری اور شرعی تربیت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی جلد از جلد ان کی زیارت نصیب فرمائے، آمین۔

اس مدرسے کے روحِ رواں شیخ ابن الشیخ اللیبی تھے۔ جس فراخ دلی سے وہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے تھے، اسی استقامت کے ساتھ نہایت کٹھن اور نازک حالات میں بھی پامردی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عسکری حکمتِ عملی، جنگی تدبیر اور عملی تجربے کی ایسی گہری بصیرت عطا کی تھی کہ وہ اس میدان میں ایک غیر معمولی اور عبقری شخصیت تھے۔

تورابورا کے معرکے میں بھی عسکری قیادت کی ذمہ داری انہی کے سپرد تھی۔ محدود وسائل، قلیل ساز و سامان اور نسبتاً کم امکانات کے باوجود انہوں نے مجاہدین کی ایسی حکمتِ عملی کے ساتھ قیادت کی کہ دنیا کی سب سے بڑی عسکری طاقت کو اپنے مقاصد کے حصول میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ استقامت اور عزم و ہمت کا پیکر تھے۔ ان کی ثابت قدمی کی بے شمار مثالیں ہیں، جن میں سے دو کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پہلی مثال کا اجمالی تذکرہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

جب وہ تورابورا کے سخت محاصرے سے اپنے متعدد مجاہد ساتھیوں کو بحفاظت نکالنے میں کامیاب ہوئے اور انہیں پاکستان کے قبائلی علاقوں تک پہنچا دیا، تو وہاں ایک قبیلے نے امان دینے کے باوجود بدعہدی اور خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے انہیں پاکستانی فوج کے حوالے کر دیا۔ امریکہ، اپنی بے مثال عسکری قوت، سخت ترین محاصرے اور اندھا دھند بمباری کے باوجود نہ شیخ کو نقصان پہنچا سکا اور نہ ہی ان کے رفقائے جہاد کو، لیکن پاکستانی حکومت نے دھوکے اور فریب کا سہارا لیتے ہوئے، ایک قبیلے کی دی گئی امان کے ذریعے انہیں گرفتار کر لیا۔

انہیں پاکستان کے شہر کوہاٹ کی جیل منتقل کیا گیا، جہاں بعض خائن سرکاری اہلکاروں نے ہر ممکن کوشش کی کہ شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی سودے پر آمادہ کر کے ان کے پاس موجود رقم اپنے قبضے میں لے لیں۔ یہ وہ رقم تھی جو شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر مجاہدین کے اخراجات اور ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے سپرد کی تھی۔ اس واقعے کی مزید تفصیل، ان شاء اللہ، تورابورا کے محاصرے سے نکلنے کے واقعات کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔

ان سرکاری اہلکاروں نے شیخ سے کہا:

”اگر آپ یہ رقم ہمارے حوالے کر دیں تو ہم آپ کو اس مقدمے سے نکال دیں گے اور اس طرح فرار کرا دیں گے کہ گویا آپ کبھی گرفتار ہی نہیں ہوئے تھے۔“

اس پیشکش کے جواب میں شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ایثار اور قائدانہ کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

”میں تمہیں یہ رقم، بلکہ اس سے دوگنی رقم دینے کے لیے بھی تیار ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ صرف مجھے نہیں، بلکہ میرے تمام ساتھیوں کو بھی رہا کیا جائے۔“

یقیناً وہ بہترین قائد اور مجاہدین کے لیے بہترین نمونہ تھے۔

حکومتی افسران نے اس کے جواب میں کہا: یہ ممکن نہیں، ہم ایسا نہیں کر سکتے، یوں شیخ اپنے مجاہد ساتھیوں کے ساتھ جیل میں رہ گئے۔

دوسری مثال شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم کردار، بلند ہمتی اور غیر معمولی وفاداری کی ہے، جسے شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میری اور شیخ ابن الشیخ اللیبی کی گرفتاری کے بعد، جیل میں ایک ملاقات کے دوران شیخ نے مجھ سے کہا:

”امریکی تفتیش کاروں نے مجھ سے پوچھا: کیا تم القاعدہ سے وابستہ ہو؟“

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ عملاً القاعدہ کے رکن نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ غیر معمولی صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ وہ عالمِ اسلام کی تمام اسلامی اور جہادی صلاحیتوں اور قوتوں کو ایک مقصد کے لیے بروئے کار لاتے تھے، خواہ وہ افراد ان کی بیعت میں ہوں یا نہ ہوں۔

اسی طرح، شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب بیان کرتے ہوئے یہ حقیقت بھی واضح کی جا چکی ہے کہ وہ تعصب، جماعتی تنگ نظری اور تنظیمی عصبیت سے یکسر پاک تھے۔ جو شخص بھی اسلام اور جہاد کا مخلص خیر خواہ ہوتا، خواہ اس کا تعلق کسی بھی جماعت یا تنظیم سے ہوتا، وہ اس کے ساتھ تعاون کرتے، اس کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے اور موقع و محل کے مطابق اس کی ذمہ داریاں متعین کرتے تھے۔

شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں ایک غیر معمولی کشش تھی۔ وہ گویا ایک مقناطیس کی مانند تھے، جو مختلف اسلامی اور جہادی قوتوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے اور ان کی استعدادوں کو امت کے اجتماعی مفاد کے لیے بہترین انداز میں استعمال کرتے تھے۔

چنانچہ حقیقت یہ تھی کہ شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ کا القاعدہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی تھی۔ لیکن جب امریکی تفتیشی افسروں نے ان سے سوال کیا:

”کیا تمہارا تعلق القاعدہ سے ہے؟“

تو انہوں نے بلا تردد جواب دیا:

”جی ہاں، میرا تعلق القاعدہ سے ہے۔“

یہ سن کر شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا:

”آپ نے یہ جواب دے کر خود کو مزید مشکل میں ڈال دیا ہے۔“

اس پر شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”میں ان کے سامنے القاعدہ سے براءت اختیار نہیں کر سکتا۔ میرے نزدیک القاعدہ سے نسبت باعثِ شرف و اعزاز ہے۔ اگرچہ میں تنظیمی طور پر القاعدہ کا رکن نہیں، لیکن میں اس سے وابستگی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتا ہوں، اور ان کے سامنے کسی خوف یا مصلحت کی بنا پر اس سے لاتعلقی کا اظہار نہیں کر سکتا۔“

اللہ تعالیٰ اس موقف پر ان کے درجات بلند کرے اور انہیں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

میں یہاں معرکۂ تورابورا میں شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ کے کردار پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، معرکۂ تورابورا میں عسکری قیادت شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت ان کے پاس نہ وسائل کی فراوانی تھی، نہ جدید اسلحہ، اور نہ ہی وہ عسکری ساز و سامان جو ان کے مقابلے میں موجود صلیبی اتحاد کو حاصل تھا۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ فرانسیسی میراج طیارے، امریکی B-52 بمبار اور دیگر جدید جنگی جہاز شب و روز تورابورا پر اندھا دھند بمباری کر رہے تھے۔

اس وقت پورا افغانستان امریکی قبضے میں آ چکا تھا، اور تورابورا ہی وہ واحد علاقہ تھا جو اب بھی ان کی دسترس سے باہر تھا۔ دنیا بھر کی نظریں اسی معرکے پر جمی ہوئی تھیں۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ تورابورا کے باہر اس انتظار میں موجود تھے کہ کب عرب مجاہدین کی لاشیں نکالی جائیں گی یا انہیں زندہ گرفتار کیا جائے گا۔

امریکی صدر جارج بش کا خیال تھا کہ اگر تورابورا میں موجود مجاہدین کے اس مختصر گروہ کو، جو ایک محدود علاقے میں محصور ہے، ختم کر دیا جائے اور شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قتل کر دیا جائے، تو افغانستان کی جنگ اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔ اس کے بعد امریکہ پوری یکسوئی کے ساتھ عراق پر حملے کی تیاری کر سکے گا۔

یوں پوری دنیا اس معرکے کے انجام کی منتظر تھی۔ صلیبی اتحاد نے اپنی پوری عسکری قوت، جدید ٹیکنالوجی اور بے پناہ وسائل تورابورا کو کچلنے کے لیے جھونک دیے تھے، جبکہ دوسری جانب شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نہایت محدود وسائل تھے۔ مجاہدین کے ہاتھوں میں صرف ہلکا اسلحہ تھا۔

یہاں میں ایک ایسی بات بیان کر رہا ہوں جو شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو۔ اتنی بڑی عالمی عسکری قوت، اس کے وسیع لشکر اور سینکڑوں جنگی طیارے، جو تورابورا کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے ارادے سے آئے تھے، ان کے مقابلے میں مجاہدین کے پاس صرف ایک مارٹر تھا۔

جی ہاں، صرف ایک مارٹر!

شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ایک مارٹر اور محدود وسائل کے ساتھ مخالف افواج کی پیش قدمی کو مسلسل روکے رکھا۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، امریکی افواج خود براہِ راست تورابورا میں داخل ہونے سے گریزاں تھیں۔ ان کا اندازہ تھا کہ وہاں موجود مجاہدین نے آخری سانس تک لڑنے کا عزم کر رکھا ہے، اس لیے انہوں نے براہِ راست پیش قدمی کی ہمت نہ کی۔

چنانچہ وہ اپنے اتحادی منافق افغان دستوں کو آگے بھیجتے۔ لیکن جب بھی یہ دستے تورابورا کی طرف بڑھتے، ان میں سے بہت سے ہلاک یا زخمی ہو کر واپس لوٹتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے محاصرہ کرنے والی ان افواج کے دلوں میں خوف و ہیبت پیدا کر دی۔

ان شاء اللہ، آئندہ اس معرکے سے متعلق مزید دلچسپ واقعات بھی بیان کیے جائیں گے۔

بلاشبہ شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ جنگی حکمتِ عملی اور عسکری تدبیر میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے مورچوں اور فائرنگ کے تمام ٹھکانوں کو اس مہارت سے دشمن کی نظروں سے اوجھل رکھا کہ جدید ترین فضائی نگرانی کے باوجود دشمن ان کی درست پوزیشن کا تعین نہ کر سکا۔ ان کے پاس وسائل نہایت محدود تھے، چند مشین گنیں، چند ہلکے ہتھیار اور صرف ایک مارٹر ان کا کل عسکری سرمایہ تھا۔

صلیبی اتحاد کے جنگی طیارے مسلسل چودہ دن تک تورابورا پر شدید بمباری کرتے رہے، جبکہ ساتھ ہی زمینی کارروائیاں بھی جاری رہیں۔ جب بھی منافقین کے دستے مجاہدین کا محاصرہ کرنے یا آگے بڑھنے کی کوشش کرتے، مجاہدین اپنے مورچوں سے ان پر بھرپور فائرنگ کرتے، جس کے نتیجے میں ان کے متعدد افراد ہلاک یا زخمی ہو جاتے۔

اس کے بعد جنگی طیارے دوبارہ حرکت میں آتے اور پورے علاقے پر مسلسل بمباری کرتے، یہاں تک کہ انہیں یقین ہو جاتا کہ مجاہدین کا صفایا ہو چکا ہے۔ لیکن جیسے ہی وہ

اطمینان کے ساتھ دوبارہ پیش قدمی کرتے، شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں سمیت ایک بار پھر ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیتے۔

یہ سلسلہ اس طرح جاری رہا، یہاں تک کہ تورابورا سے انخلا کا مرحلہ آ پہنچا۔

اللہ تعالیٰ شیخ ابن الشیخ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ پر اپنی بے پایاں رحمت نازل فرمائے، جنہوں نے نہایت صبر، استقامت، عسکری مہارت، غیر معمولی تدبر اور بے مثال شجاعت کے ساتھ دشمن کے پے در پے حملوں کا مقابلہ کیا اور محدود وسائل کے باوجود ان کی پیش قدمی کو مسلسل ناکام بنائے رکھا۔

جیسا کہ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں، شاید انہی نشستوں میں، کہ شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ ہر حال میں ایفائے عہد کے پابند تھے۔ ایک مرتبہ جنگ کے دوران تقریباً سو کے قریب منافقین مجاہدین کی کمین میں پھنس گئے۔ انہوں نے صلح اور امان کی درخواست کی۔ مجاہدین انہیں قتل کرنے کے قریب تھے، لیکن شیخ نے انہیں روک دیا، کیونکہ ان کے ساتھ جنگ بندی کا عہد کیا جا چکا تھا۔ یہی ابن الشیخ کی حکمتِ عملی تھی، جس کی بدولت مجاہدین نے اس نوعیت کی کارروائی اور فیصلے کیا۔

یہاں تورابورا کے معرکے کا ایک دلچسپ اور مزاحیہ واقعہ بھی یاد آتا ہے۔ مجاہد بھائیوں نے وائرلیس پر ہاون مارٹر کا خفیہ نام "البغل" (خچر) رکھا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مجاہد نے وائرلیس پر شیخ ابن الشیخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے ابن الشیخ! خچر کا چارہ ختم ہو گیا ہے"۔ شیخ نے فوراً جواب دیا: "خاموش رہو، بات مت کرو!" دراصل مجاہد کا مطلب یہ تھا کہ گولہ بارود ختم ہو چکا ہے۔

آپ تصور کیجیے کہ مجاہدین کے پاس کس قدر محدود ساز و سامان تھا۔ ان کی تعداد تقریباً تین سو تھی، ان کے پاس صرف ہلکا اسلحہ تھا، اور ان کا مقابلہ دنیا کی طاقت ور ترین قوت سے تھا۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ یوسف: ۲۱)

"اور اللہ کو اپنے کام پر پورا قابو حاصل ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔"

اس پورے واقعے میں ایک بڑا سبق پوشیدہ ہے کہ ایسی عظیم طاقت کے سامنے ثابت قدم رہنا ہی حقیقی نصرت ہے۔ دنیا کی کوئی بھی قوت، خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، آخر کار مادی قوت ہی ہوتی ہے، جس سے لوگ اپنی جانوں کی محبت میں خوف کھاتے ہیں۔ لیکن اگر انسان اپنا معاملہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کر دے اور یہ عزم کر لے کہ اس نے اللہ کی راہ میں جان دینی ہے، تو پھر یہ عظیم قوت اس کا کیا بگاڑ سکتی ہے؟

زیادہ سے زیادہ وہ تمہیں قتل کرے گی، اس کے علاوہ اس کے بس میں کچھ بھی نہیں۔

اسی مناسبت سے ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ جب واشنگٹن، نیویارک اور پنسلوینیا میں (نائن الیون کی) بابرکت کارروائیاں ہوئیں، یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ امریکی ان کارروائیوں میں ہدف بننے والی واشنگٹن میں واقع وزارتِ دفاع کی عمارت، پینٹاگون، کا تذکرہ نہیں کرتے، تاکہ دنیا کو یہ باور کرایا جا سکے کہ حملے صرف عوام پر ہوئے تھے، حالانکہ ان کارروائیوں میں پوری دنیا کی عسکری قیادت کو ضرب لگی تھی۔

مجھے یاد ہے کہ ان حملوں کے بعد بطلِ اسلام شیخ طارق انور رحمۃ اللہ علیہ نے کابل میں مجھ سے کہا:

"شیخ! امریکی ہمارے ساتھ کیا کریں گے؟"

میں نے جواب دیا:

"وہ کیا کریں گے؟ وہ کر ہی کیا سکتے ہیں؟"

انہوں نے کہا:

"وہ تو ہمیں ایٹم بم سے مار دیں گے، ہم کیا کریں گے؟"

میں نے کہا:

"ہم کیا کریں گے؟ مر جائیں گے۔"

یہ سن کر وہ مسکرائے اور بولے:

"جی، ہم مر جائیں گے۔"

مقصود یہ ہے کہ ایک مومن مسلمان کے لیے موت و حیات کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس کی پوری کائنات اپنے رب کی رضا ہوتی ہے۔ موت کب آئے گی اور کب نہیں آئے گی، اس سے مومن کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس کا فرضِ منصبی صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار رہے۔ یہی سبق تورابورا میں سب پر واضح تھا۔

الغرض، خچر اور اس کے چارے کی بات پر واپس آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدین کے پاس بس یہی محدود ساز و سامان تھا، جس کے ذریعے شیخ ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عظیم معرکے میں صلیبیوں اور منافقین کا مقابلہ کیا۔

شیخ ابن الشیخ اللیبی کو بعد ازاں پاکستان میں گرفتار کیا گیا۔ اس کے بعد انہیں افغانستان کی مختلف جیلوں میں رکھا گیا، پھر مزید تفتیش اور تشدد کے لیے مصر منتقل کر دیا گیا۔ انہیں تابوت میں مصر لے جایا گیا، جہاں مصری جنگی حساس ادارے کے سربراہ عمر سلیمان نے انہیں سخت اذیتوں کا نشانہ بنایا۔

شیخ ابن الشیخ اللیبی نے خود مصر میں اپنے اوپر ڈھائے گئے تشدد کا تذکرہ شیخ ابو یحییٰ اللیبی سے کیا تھا۔ مصری حکام نے امریکیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک من گھڑت

کہانی تیار کی۔ تشدد کے دوران شیخ سے کیمیائی ہتھیاروں کے بارے میں بار بار پوچھ گچھ کی جاتی رہی۔ شدید جسمانی اذیت کے باعث وہ ان کے ہر سوال کے جواب میں یہی کہتے رہے کہ: ”جی، ہمارے پاس کیمیائی اسلحہ موجود ہے“۔

یوں تشدد سے نجات پانے کے لیے ان سے جو کچھ بھی پوچھا گیا، وہ اس کا اعتراف کرتے گئے۔ بعد ازاں مصری حکام نے انہی اعترافات کو ذرائع ابلاغ میں شائع کر دیا۔ امریکیوں نے بھی اسے اپنے حق میں استعمال کیا اور پوری دنیا میں یہ تاثر پھیلایا کہ القاعدہ کے پاس کیمیائی ہتھیار موجود تھے، اور یہی وہ بنیاد تھی جس کی بنا پر ان پر حملہ کیا گیا۔

بعد ازاں امریکیوں نے انہیں لیبیا کی حکومت کے حوالے کر دیا۔ یہی وہ امریکہ تھا جو بظاہر قذافی کا مخالف اور لیبیا کو قذافی سے ”آزاد“ کرانے کا دعوے دار تھا، مگر حقیقت میں اسی کی حکومت کا حامی اور معاون ثابت ہوا۔

اس کے بعد شیخ ابن الشیخ اللیبی لیبیا کی جیلوں میں قید رہے۔ اسی دوران انسانی حقوق کی تنظیم ’ہیومن رائٹس واچ‘ کے نمائندے ان سے ملاقات کے لیے آئے اور پوچھا کہ کیا آپ کو لیبیا اور امریکہ کی جیلوں میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا؟

شیخ نے ان سے گفتگو کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا:

> ”اب آئے ہو؟ مجھ پر ہونے والے تمام مظالم کے بعد اب پوچھنے آئے ہو؟ اب مجھ سے تشدد کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ میرے پاس سے چلے جاؤ، مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔“

شیخ ابن الشیخ کو لیبیا کی جیلوں میں شہید کیا گیا، غالب گمان یہی ہے کہ انہیں قذافی کے مطالبات (جس میں وہ قیدیوں سے اعلانیہ اپنے نظریات سے دستبردار اور رجوع کرواتا تھا) تسلیم نہ کرنے پر شہید کیا گیا، پس اللہ تعالیٰ لیبیا اور پورے عالمِ اسلام کے اس عظیم مجاہد پر رحم فرمائے!

میں شیخ ابن الشیخ اللیبی کا تذکرہ اس بات پر ختم کرنا چاہتا ہوں کہ شیخ ابن الشیخ اللیبی کا انتقام، بالخصوص لیبیا کے عوام اور بالعموم پورے عالمِ اسلام کے مسلمانوں پر ایک قرض ہے۔ اسی طرح شیخ ابو یحییٰ اللیبی اور شیخ عطیۃ اللہ اللیبی کا انتقام لینا بھی تم پر، اور تمام مجاہدین و مسلمانوں پر لازم ہے۔

تورا بورا کے معرکے میں مجموعی طور پر دس سے بارہ فیصد ساتھی شہید ہوئے۔ ان میں بھی اکثریت اُن مجاہدین کی تھی جو تورا بورا سے نکلنے کے دوران، سفر میں امریکی طیاروں کی بمباری کا نشانہ بنے۔ ایک تنگ وادی میں امریکی جنگی طیاروں نے ان پر شدید بمباری کی، جس کے نتیجے میں بیس سے تیس ساتھی شہید ہوئے، جبکہ خود تورا بورا میں ہونے والی پوری بمباری میں صرف دس ساتھی شہید ہوئے تھے۔ اس طرح مجموعی تعداد تقریباً تیس سے چالیس شہداء بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جنت الفردوس میں ان کی رفاقت نصیب فرمائے، آمین۔

اس شدید ترین محاصرے اور مسلسل بمباری کے باوجود اگر نقصانات کا اندازہ لگایا جائے تو وہ انتہائی کم تھے، یعنی مجموعی طور پر تقریباً بارہ فیصد۔

ان شہداء میں شہید ابو محجن رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے، جنہوں نے افغانستان، بوسنیا اور امارتِ اسلامیہ کے پہلے دور میں بھی جہاد کیا تھا، اور بالآخر تورا بورا میں جامِ شہادت نوش کیا۔

اسی طرح محمد محمود مکی بھی تھے، جو اس سے قبل بوسنیا میں جہاد کر چکے تھے۔ بعد ازاں وہ افغانستان آئے اور یہاں بھی جہاد میں مصروف رہے۔ تورا بورا میں ابتدائی بمباری ہی کے دوران وہ شہید ہو گئے۔ تورا بورا پہاڑ پر چڑھتے ہوئے میری ان سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ ایک مقام پر ایک دستے کے امیر تھے۔

جن حالات میں مجاہد ساتھی تورا بورا میں زندگی گزار رہے تھے، ان کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ جب ہم پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو ہمیں وہاں کی اصل صورتحال کا صحیح ادراک نہیں تھا۔ ایک مجاہد ساتھی نے پانی کا گیلن اٹھایا اور اطمینان سے وضو کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر شیخ محمد محمود مکی نے اس سے کہا:

> ”بھائی! پانی احتیاط سے استعمال کریں، یہاں پانی کا ایک قطرہ بھی سونے سے زیادہ قیمتی ہے۔“

اس ایک جملے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مجاہدین کس قدر سخت حالات میں زندگی گزار رہے تھے، جہاں پانی کے ایک ایک قطرے کو بھی انتہائی احتیاط اور ضرورت کے مطابق استعمال کیا جاتا تھا۔

اسی طرح بھائی طالوت رحمۃ اللہ علیہ بھی تورا بورا میں ہمارے ساتھ تھے، اور شیخ ابو یحییٰ الہاون بھی ابتدا میں ہمارے ساتھ موجود تھے، تاہم بعد میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ جیسا کہ ان کے لقب سے ظاہر ہے، شیخ ابو یحییٰ الہاون، مارٹر چلانے میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ روس کے خلاف جہاد میں شریک ہونے والے مجاہدین، امارتِ اسلامیہ کے دور میں لڑنے والے اور بعد ازاں امریکیوں کے خلاف برسرِ پیکار رہنے والے تمام مجاہدین انہیں بخوبی جانتے تھے۔ وہ مدرسہ خلدن کے بانیوں میں شمار ہوتے تھے۔

وہ ان گمنام مگر نہایت متقی بندگانِ خدا میں سے تھے، جو کسی تعریف یا ستائش کے بغیر خاموشی سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ وہ شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی رہ چکے تھے۔ شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ ازراہِ مزاح انہیں ”اٹلی کا دشمن“ کہہ کر مخاطب کرتے تھے، کیونکہ وہ ابتدا ہی سے اٹلی میں مقیم تھے، پھر وہاں سے ہجرت کر کے افغانستان آئے، جہاد میں شریک ہوئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

ان کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے ہر لمحے کو مفید کام میں صرف کرتے تھے اور کبھی فارغ نہیں بیٹھتے تھے۔ وہ یا تو علم کے حصول میں مشغول رہتے یا کسی مفید خدمت میں

مصروف ہوتے۔ مثال کے طور پر، ایک عرصے تک وہ معسکرِ خلدن میں عسکری تربیت کے استاد رہے، جبکہ انہی دنوں خلدن ہی کے دعوتی ادارے میں ایک طالب علم کی حیثیت سے تعلیم بھی حاصل کر رہے تھے۔ یہی وہ ادارہ تھا جسے شیخ ابو عبد اللہ المہاجر چلا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خیر وعافیت کے ساتھ جلد از جلد ان سے ملاقات نصیب فرمائے۔

بعد ازاں جب امریکہ میں (نائن الیون کی) بابرکت کارروائیاں ہوئیں اور صلیبی افواج نے افغانستان پر حملہ کیا تو شیخ ابو یحییٰ الہاون قبائلی علاقوں کی طرف چلے گئے۔ وہاں انہوں نے مجاہدین کو عسکری تربیت دینا شروع کر دی۔ چونکہ وہ ہاون چلانے کے فن میں مہارت رکھتے تھے، اس لیے اسی فن کی تعلیم دیتے تھے۔

شیخ ابو یحییٰ نہایت متقی اور خدا ترس انسان تھے۔ انہیں ہمیشہ یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں کوئی شخص ان سے یہ فن سیکھ کر اسے دنیاوی مقاصد یا باہمی قبائلی جھگڑوں میں استعمال نہ کرے۔ جیسا کہ آپ حضرات قبائلی علاقوں اور وہاں کی قبائلی جنگوں سے واقف ہیں، اسی لیے وہ ہر شاگرد سے قرآنِ مجید پر قسم لیتے تھے کہ وہ اس علم کو صرف اللہ کی راہ میں جہاد اور کفار کے خلاف ہی استعمال کرے گا۔ اسی وجہ سے بعض قبائلی انصار جان بوجھ کر بطورِ مزاح ان کے قریب آجاتے کہ ان کے رجسٹر سے ہاون سے متعلق معلومات حاصل کر سکیں، مگر شیخ فوراً اپنا رجسٹر بند کر لیتے تھے۔ یہ گمنام بطلِ اسلام خاموشی سے اپنی جہادی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ کینسر کے مرض میں مبتلا ہوئے اور بالآخر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صالحین میں شامل فرمائے۔

تورا بورا کے شہداء میں ایک اور نمایاں شخصیت، جن کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں، شیخ حمزہ الدندنی رحمہ اللہ ہیں۔ وہ اپنے دیگر مجاہد ساتھیوں سمیت سرزمینِ حرمین میں آلِ سعود کی خائن فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ تورا بورا میں نئے آنے والے مجاہدین کی ذمہ داری شیخ حمزہ الدندنی کے سپرد تھی، اور جنگ کے دوران یہ مجموعہ تمام دیگر تمام مجموعات کے مقابلے میں سب سے زیادہ منظم تھا۔

یقیناً تورا بورا کا معرکہ اسلامی وحدت کا ایک نمایاں مظہر تھا۔ اس معرکے میں کسی ایک خطے یا ملک کے لوگوں نے ہی حصہ نہیں لیا تھا، بلکہ عالمِ اسلام کے متعدد ممالک سے تعلق رکھنے والے مجاہدین اس میں شریک ہوئے تھے۔ عرب ممالک سے مجاہدین شریک ہوئے، بالخصوص جزیرۂ عرب، یمن، کویت، بحرین اور سعودی عرب سے۔ اسی طرح الجزائر کے شیخ ابو جعفر الجزائری رحمہ اللہ اپنے ساتھیوں سمیت شریک ہوئے، جبکہ مراکش، تیونس اور لیبیا کے مجاہدین نے بھی اس معرکے میں حصہ لیا۔ پاکستان اور افغانستان کے علاوہ شام اور ترکستان سے تعلق رکھنے والے مجاہد بھائی بھی تورا بورا کے معرکے میں شریک تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سب کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، شہداء کی شہادت قبول فرمائے، ان کے اسیروں کو رہائی نصیب فرمائے، اور دنیا و آخرت میں ہمیں خیر وعافیت کے ساتھ ان کی رفاقت عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين،
وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: معرکے ہیں تیز تر

- **۱۵ جولائی ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان کے فدائی مجاہد محمود رحمہ اللہ نے بارود سے بھری گاڑی کے ذریعے ضلع بنوں کے تھانہ ”میریان“ پر فدائی حملہ کیا۔ جس کے نتیجے میں میں مذکورہ مرکز کا بیشتر حصہ تباہ ہو گیا اور ۳۰ کے لگ بھگ اہلکار ہلاک اور زخمی ہوئے۔ یاد رہے کہ یہ تھانہ پولیس، امن کمیٹی اور فوج کا مشترکہ مرکز تھا۔
- **۱۵ جولائی ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان کے فدائی مجاہد والفقار رحمہ اللہ نے بارود سے بھری گاڑی کے ذریعے جنوبی وزیرستان کی تحصیل وانا کے علاقے ”کڑی کوٹ“ میں سکول کی عمارت میں بنائے گئے فوج کے ایک مرکز پر فدائی حملہ کیا۔ جس کے نتیجے میں ۵۰ کے لگ بھگ شریعت دشمن فوجی اہلکار ہلاک ہوئے۔
- **بنوں میں فوجی آپریشن: ۱۰ روزہ صورتحال**

ضلع بنوں میں مسلسل دو کامیاب انغماسی و استشہادی حملوں کے بعد شریعت دشمن فوج نے دس روزہ آپریشن کا اعلان کر دیا۔ آپریشن کے اصل حقائق کے بارے میں اتحاد المجاہدین پاکستان نے تفصیلات جاری کرتے ہوئے واضح کیا کہ مجاہدین کے خلاف آپریشن کے نام پر حکومت نے ظلم کا ایک نیا باب کھول رکھا ہے۔ مظلوم عوام کے گھروں میں گھس کر ان کے املاک کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ کئی مظلوم اور بے گناہ قیدیوں کو جیلوں سے نکال کر شہید کیا گیا۔ معصوم عوام کے گھروں پر چھاپوں کے دوران وہاں سے سونا اور نقدی لے کر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ دہشت گردوں کے سہولت کار تھے۔ مسلسل کئی دنوں سے مواصلاتی نظام معطل کیا گیا ہے تاکہ مظلوموں کی آواز اپنے ہم وطنوں تک نہ پہنچ سکے۔

دوسری طرف مجاہدین کے ساتھ براہِ راست مقابلے کے دوران فوج اور پولیس کی حالت یہ ہے کہ ۲۰ مجاہدین کے مقابلے کے لیے ہزاروں اہلکاروں پر مشتمل فورس لے کر آتے ہیں، لیکن پھر بھی اپنے ہلاک شدہ اہلکاروں اور تباہ شدہ گاڑیوں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہیں۔

اعلامیے میں مزید واضح کیا گیا کہ مجاہدین جاری آپریشن کا مقابلہ جواں مردی سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بنوں کے مختلف راستوں میں فوج پر کامیاب گھات اور مائن حملے کیے جا رہے ہیں۔ میریان اور ملحقہ علاقوں میں مجاہدین اور فوج و پولیس کے درمیان تین روز تک جنگ جاری رہی۔

تنگی اور ہنی گلی کے علاقوں میں ہونے والے معرکوں میں مصدقہ اطلاعات کے مطابق گزشتہ دس روزہ لڑائی میں ۳۰ اہلکار ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مع الأستاذ فاروق

معین الدین شامی

خندقیں

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.

اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

ہم میران شاہ پہنچے۔ وہاں ہمارے ساتھیوں کا ایک مرکز تھا جس کے نیچے ایک خندق تھی۔ اردو میں خندق مختلف چیز ہوتی ہے جسے عموماً انگریزی میں Trench کہتے ہیں، تو یوں کہہ لیں کہ خندق سے ہماری مراد سرنگ یا Tunnel ہے۔ یہیں مولوی سراقہ شہید سے پہلی بار ملاقات ہوئی۔ آخری محفلِ استاذ میں وعدہ کیا تھا کہ اگلی نشست میں مولوی سراقہ بھائی کا کچھ ذکرِ خیر کروں گا۔ لیکن یہ وعدہ شاید اس بار وفا نہ ہو سکے۔ حضرتِ استاذ سے لوگوں کی محبت ہے کہ مستقل، مختلف جہتوں سے یہ اصرار، پیغامات و خطوط ملتے رہتے ہیں کہ مع الأستاذ فاروق کے سلسلے کو جاری و ساری رکھا جائے، حالانکہ میں ان کا شاگردِ ادنیٰ ہوں، اگر کسی کو اس سلسلے کی کسی قسط کا انتظار ہے تو یہ استاذ رحمہ اللہ ہی کی مقبولیت ہے، اللہ پاک حضرت کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں بھی ان کی طرح خاتمہ بالخیر نصیب کرے، مقبلاً غير مدبرٍ (نحسبه كذلك والله حسيبه)۔

وقت کا دامن تنگ ہے اور ایک محفلِ استاذ چونکہ منعقد کرنی ہے لہٰذا کچھ مختصر لکھنے کے لیے خندقوں کے بارے میں کچھ لکھتا ہوں، اس لیے بھی کہ ابھی تازہ تازہ شیخ ایمن الظواہری کے سلسلۂ خطبات ایامِ مع الإمام کی چھٹی نشست بھی راقم نے پڑھی ہے جہاں شیخ اسامہ بن لادن کے تورابورا میں آخری ایام اور وہاں قائم خندقوں کا ذکر ہے۔

فاروق بھائی ایک ہی وقت میں داعی و عالم بھی تھے اور مرابط و مقاتل بھی اور ایک مدبر منصوبہ ساز یا strategist بھی۔ اپنے آپ کو چھپا کر دشمن پر وار کرنا اور مستقل اور لمبی جنگ دشمن پر مسلط کیے رکھنا استاذ رحمہ اللہ کی فکر میں بہت گہرا جاگزیں تھا۔ دنیا میں برپا آج کل کی جنگوں میں خندقوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ پھر خندقوں کا جس قدر اعلیٰ و عالی نظام و انصرام مجاہدینِ قسام نے غزہ میں کیا ہے تو ایسی مثال تاریخِ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے، بے شک ایمان باللہ کے بعد اعلیٰ جنگی تدبیر ہی اس کا سبب ہے۔ یوں جنگی اعتبار سے قوت میں غیر متوازن دو گروہوں میں سے کمزور تر گروہ، یعنی مجاہدینِ اسلام کے لیے خندقوں کی اہمیت مزید واضح ہو جاتی ہے۔ مجاہدینِ قسام کی صفاتِ عالیہ کا ذکر ہم کچھ ٹھہر کر اور بھی کریں گے۔

فاروق بھائی کے ساتھ خندقیں بنانے اور خندقوں کی باقاعدہ منصوبہ سازی میں دو تین شخصیات بہت زیادہ شریک تھیں۔ ان میں پہلی شخصیت مولانا سعید اللہ خان شہید ہیں، عملاً انہوں نے ہی اس کام کی طرف پہلا قدم اٹھایا اور پھر ان کے ساتھ ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان شہید یعنی ابو خالد بھائی شامل ہو گئے اور ان دونوں نے مل کر فاروق بھائی کو اس کام پر قائل کیا، بعد ازاں ابو خالد بھائی خندقوں کے اس کام کو ایک بالکل الگ اور عالی درجے پر نہایت منظم انداز سے لے گئے۔ ان دو کے بعد تیسری شخصیت انجنیئر سیّد محمد عادل شہید یعنی سہیل بھائی تھیں۔

۲۰۱۰ء کے موسمِ گرما میں، راقم الحروف کی تشکیل دورۂ بارود کے لیے کی گئی۔ جنوبی وزیرستان میں انگور اڈا کے پڑوس میں واقع پہاڑیوں اور جنگل کے علاقے 'غرلاما' میں ہمارا ایک مرکز تھا اور میں وہیں موجود تھا جب دورۂ بارود کے لیے قاسم بھائی (مجاہد قائد خرم سعید کیانی شہید) نے مجھے وانا بلایا اور سہیل بھائی کے زیرِ سرپرستی مرکز میں قاری عبد العزیز صاحب کے گھر کے راستے سے بھیج دیا۔

قاری صاحب کے گھر پر سہیل بھائی مجھے لینے کے لیے آئے اور کچھ وقت قاری صاحب کے ساتھ گپ شپ بھی کی۔ اسی گپ شپ کے دوران سہیل بھائی نے اپنے خندق پراجیکٹ کا ذکر کیا کہ انہوں نے اپنے مرکز کے قریب پانی کے ایک خشک کنوئیں میں خندق کھودنے کا آغاز کر رکھا ہے۔ وہاں ڈرون حملوں سے بچاؤ کے موضوع پر سہیل بھائی نے کافی گفتگو کی۔

میں سہیل بھائی کے ساتھ روانہ ہوا اور ان کے مرکز پہنچا، اس مرکز کو بارود کا مرکز ہی کہا جاتا تھا۔ میں اس مرکز میں پہلے بھی رہ چکا تھا، لیکن اب پہلی بار ہنرِ بارود سیکھنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس بار یہاں پہنچا تو عمومی مرکز کے بجائے اسی عمارت کے پڑوس میں ایک اور کمرے کی طرف لایا گیا۔ یہاں دو ساتھی پہلے سے موجود تھے۔ ایک ہمارے محترم و مکرم طلحہ قتّال بھائی اور دوسرے محمد عسکری بھائی جو بعد میں شمالی وزیرستان کے علاقے سپین کمر میں شہید ہوئے۔ قتّال بھائی سہیل بھائی کے معاونین میں سے تھے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ساتھیوں کی بود و باش کے لیے اب پرانی عمارت کو استعمال نہیں کیا جائے گا، بلکہ سہیل بھائی کی زیرِ سرپرستی خندق میں رہا جائے گا۔

اس خندق میں داخل ہونے کا راستہ سیڑھیاں تھیں جو قریباً بیس میٹر نیچے اترتی تھیں، پھر ایک دہلیز نما تھی اور اس سے آگے کنواں۔ کنویں پر ایک تختہ نمار کھا ہوا تھا اور اس سے آگے ایک سرنگ نما کمرہ بنانے کا ارادہ تھا، جس پر میرے ہوتے ہوئے ہی کام شروع ہو گیا تھا۔

یہ خندق فاروق بھائی کے مجموعے میں اس خندقوں کے منصوبے کی پہلی منظم خندق تھی۔ ورنہ اس سے قبل بھی مختلف خندقیں فاروق بھائی کے ساتھیوں کے مختلف مراکز میں موجود تھیں۔ وانا میں شاید دو خندقیں تھیں اور جس غرلاما کا ذکر ہوا تو وہاں بھی دو خندقیں تھیں۔

وانا میں خندق بنانے کے کام کا آغاز مولانا سعید اللہ رحمہ اللہ نے شروع کیا۔ ۲۰۰۸ء کے مارچ میں ڈاکٹر ارشد وحید صاحب پر امریکی ڈرون طیاروں کی بمباری اور اس کے نتیجے میں ان کی شہادت کے بعد مولانا سعید اللہ نے کہا کہ اس طرح کے حملوں کا توڑ خندقیں ہیں اور ہم کشمیر میں بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ہمارے ایک مسئول و محترم بھائی نے راقم کو بتایا کہ ''وانا میں ڈاکٹر ارشد وحید شہید والی بمباری کے بعد، ایک دن فجر کے فوراً بعد صبح صبح مولانا سعید اللہ نے کدال اور بیلچا اٹھایا اور ہمیں ساتھ لے کر مرکز کے پچھلے کمرے میں چلے گئے اور وہاں کھدائی شروع کر دی۔ پہلے زمین پر چوکور ایک خط کھینچا اور پھر اس کو کھودنا شروع کر دیا''۔

غرلاما کی دو خندقوں کو تو ہمارے عزیم و باہمت بھائی درویش جانان قریشی رحمہ اللہ نے فاروق بھائی کے باقاعدہ خندقوں کے منصوبے کے بعد ملا دیا تھا، میرے حافظے میں غرلاما سے زیادہ بڑی خندق کوئی نہیں ہے جو اس زمانے میں بنائی گئی، شاید یہ خندق کوئی دو سو میٹر طویل تھی اور اس میں متعدد کمرے بھی تھے۔ یہاں درویش بھائی کے ذکرِ خیر کے ساتھ ہمارے بھائی عبد الاحد کا ذکر بھی لازمی ہے، جو غالباً غرلاما کی خندق سازی میں شریک رہے۔ انہوں نے خندقیں بنانے میں بے پناہ جان کھپائی اور انہی خندقوں کی کھدائیاں کر کر کے عبد الاحد بھائی کی کمر میں تکلیف بھی پیدا ہو گئی۔ بعد اً عبد الاحد بھائی ۲۰۱۵ء میں قندھار کے علاقے شاہ ولی کوٹ میں شہید ہوئے، رحمہ اللہ!

بہر کیف، سہیل بھائی رحمہ اللہ نے ڈرون طیاروں کی نگرانی اور ان کے فضائی حملوں سے بچنے کی خاطر ایک کتاب بھی لکھی اور اس میں خندقوں کے نظام پر تفصیلی بحث بھی کی۔ سہیل بھائی خود سِول انجینئر تھے تو انہوں نے بہت سے اور پہلوؤں سے بھی خندقیں بنانے کے ڈیزائن پر اس کتاب میں بحث کی؛ خندقوں کی اقسام، طرزِ تعمیر، ہوا کا بہاؤ، بیت الخلاء وغیرہ کی تعمیر، پانی پہنچانا وغیرہ۔

ابو خالد بھائی رحمہ اللہ نے بھی ایک کتاب ڈرون طیاروں اور ان سے بچاؤ کے موضوع پر لکھی، ابو خالد بھائی کا اس کتاب کے کے لیے قلمی نام غالباً ہدایت اللہ مہمند تھا۔

۲۰۱۱ء میں اس نئی خندقوں کی مہم پر فاروق بھائی نے کام کروانا شروع کیا اور بیت المال کا ایک حصہ اس کام کے لیے مخصوص کر دیا۔ اس نئی مہم میں وزیرستان کے تین علاقوں میں باقاعدہ خندقیں کھودی گئیں۔ میران شاہ شہر میں (جس خندق کے ذکر کے ساتھ آج کی محفل کا آغاز ہوا ہے، وہ)، لواڑہ کے علاقے میں (اور اکثر خندقیں یہیں کھودی گئیں)، شوال کے علاقے میں (اور یہاں کی خندقیں سب سے زیادہ کام آنے والی، پائیدار، تمام تجربوں کا نچوڑ ثابت ہوئیں اور انہی خندقوں میں سے ایک میں تنظیم القاعدہ کی اعلیٰ ترین قیادت بھی طویل عرصہ قیام پذیر رہی، ان خندقوں میں بھی اولاً مذکور عبد الاحد بھائی کا بڑا کردار تھا، بلکہ ان خندقوں میں عبد الاحد بھائی 'اصحابِ خندق' کے خادم بھی رہے)۔ ہر ہر خندق میں ایک سرنگ نما زراہداری ہوتی اور کم سے کم دو سے تین کمرے، ہر کمرے میں تین سے چار افراد کے سونے یا کام کرنے کی جگہ ہوتی۔ ان خندقوں میں بجلی کا نظام سولر پینلز اور بجلی کے جنریٹرز کے ذریعے بنایا گیا۔ قیام و طعام، ذکر و تلاوت و نماز اور تمام جہادی امور بشمول اعلامی خدمات انہیں خندقوں میں ادا کی جاتیں۔

انہی خندقوں میں سے ایک انحٹر کس (انزر کس) کے علاقے میں بنائی گئی جہاں خندق میں داخلے کا اراستہ اس قدر وسیع تھا کہ گاڑی خندق کے اندر تک اترتی تھی اور گاڑی کا گیراج خندق ہی میں تھا۔

اللہ پاک یہ سب خدمتیں کرنے والوں، زحمتیں اٹھانے والوں، بیلچے اور کدالیں چلانے والے اولوالعزم، عالی ہمت لوگوں اور ان خندقوں کے معماروں اور معمار دماغوں کو اجرِ کثیر عطا فرمائے۔ بلکہ اللہ پاک ان خندقوں میں رہنے والوں کو بھی بے شمار اجر سے نوازے، کہ خندقوں میں رہنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہی ہے۔

اسی زمانے میں خندقوں کی اہمیت سے متعلق فاروق بھائی سے براہِ راست بھی میں نے بہت کچھ سنا۔ ۲۰۱۱ء میں لواڑہ کے علاقے میں قائم مرکزِ اعلام کی خندق میں فاروق بھائی نے خندقوں کی افادیت اور ویتنام جنگ میں خندقوں کے ذریعے ویتنامیوں کی امریکہ کے خلاف مقاومت کو تفصیل سے بیان کیا اور ویتنامیوں کی خندقوں کے نقشہ جات بھی ہمیں دکھائے۔ خندقوں میں رہ کر ویتنامیوں کے طریقِ جنگ پر بھی استاذ رحمہ اللہ نے روشنی ڈالی۔

۲۰۱۳ء میں افغانستان کے صوبۂ پکتیکا کے علاقے ارگون میں امریکی و امریکی کٹھ پتلی افغان ملی فوج کے خلاف ایک تشکیل سے واپسی کے دوران امیرنا استاد اسامہ محمود صاحب نے ہمیں شیخ احسن عزیز کا ایک قول سنایا کہ وہ کہتے تھے کہ ''دشمن ٹیکنالوجی میں جس قدر ہوا میں اونچا اڑتا جائے، اسی قدر مجاہدین کو چاہیے کہ وہ زمین کے اندر گھستے چلے جائیں''۔

اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ ہم مجاہدین و اہلِ اسلام ٹیکنالوجی کے میدان میں پیچھے رہ جائیں، نہیں، بلکہ ہمارے اسلاف میں سے کسی کا قول ہے کہ:

''إذا تفوق العدو الكافر على المسلمين في فنٍّ من الفنون، آثم جميع المسلمين ما لم يتفوقوا عليهم بفنهم.''

''اگر کافر دشمن کسی ایک فن میں مسلمانوں سے فوقیت حاصل کر لیں تو تمام مسلمان گناہ گار ہوں گے، یہاں تک کہ مسلمان اس فن میں کفار پر فوقیت حاصل کر لیں۔''[1]

شیخ احسن عزیز کی مراد کو ہم شیخ ایمن الظواہری کے اس قول سے سمجھتے ہیں:

[1] اس سے مراد جائز و مباح فنون ہیں، نہ کہ ناجائز فنون۔

”صہیونیت نواز صلیبی دشمن ہم پر اپنے فضائی کنٹرول کے ذریعے طاقتور اور متکبر ہو رہا ہے، اس لیے زمین میں پناہ لینا اس فضائی کنٹرول کے خلاف مزاحمت کرنے کے لیے بہترین وسائل میں سے ہے، لہٰذا تمام مجاہدین کو میری نصیحت ہے کہ وہ اس میں بہت زیادہ دلچسپی لیں اور خندقیں کھودنے میں مزید جدت لائیں، ان شاء اللہ یہ صہیونیت نواز صلیبی دشمن کے فضائی کنٹرول کے خطرے کو بہت بڑی حد تک کم کر دے گا۔“

فاروق بھائی کے خندقوں کے اس منصوبے کا بہت ہی عظیم فائدہ ہوا۔ میدانِ جنگ میں اول تو جس جس جگہ خندقیں کھودی گئیں تو اس تدبیر مومن کے سبب اللہ جلّ شانہٗ کی جانب سے تقدیر، نصرت کی شکل میں یوں شاملِ حال ہوئی کہ کسی جگہ پر دشمن نے کبھی بمباری نہ کی اور جہاں بمباری ہوئی تو یوں ہوا کہ مجاہد ساتھی سب بخیر وعافیت رہے، یا بعض کو معمولی زخم آئے۔

خندقیں عصرِ حاضر کے جہاد کی نہایت اہم ضرورت ہیں اور دنیائے اسباب میں فتح وظفر کا پیش خیمہ ہیں۔ یہ بات دہرانا ہمارے لیے صد بار باعثِ فخر و اعزاز ہے کہ مجاہدینِ قسام نے خندقوں کے جہاد اور خندقوں کی عالمی سطح پر جنگ کی ایک نئی تاریخ مرتب کر دی ہے۔ ایسی خندقیں جہاں سے آج وہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور جرمنی کی حمایت سے جاری اسرائیل کی انتہائی بڑے پیمانے پر جنگ کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہزاروں ٹن بارود غزہ پر برسایا جاچکا ہے۔ ہیروشیما و ناگاساکی سے کئی گنا زیادہ بربادی غزہ میں برپا کی جاچکی ہے، لیکن مالکِ کائنات پر بھروسہ کرتے ہوئے تدبیرِ جنگ اور مکرِ جنگ کے ماہر و فنان مجاہدینِ غزہ، اب بھی اپنی خندقوں میں موجود ہیں جہاں سے وہ دنیا کا اعلیٰ ترین کمیونیکیشن سسٹم بھی آج تک چلا رہے ہیں اور صہیونی دشمن حیران و ذلیل وشکست خوردہ ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ!

محفلِ استاذ کو فی الحال یہیں روکتے ہیں۔ اللہ پاک اس سلسلے کو خیر و برکت کا سبب بنائے اور خیر سے جاری رکھتے ہوئے کماحقہ اختتام تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وما توفيقي إلّا بالله. وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.
وصلى الله على نبينا وقرة أعيننا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: کفار کا معاشی بائیکاٹ

یہ تصور صرف اسی وسیع تر منصوبے کے تناظر میں معنی رکھتا ہے جس کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے شریعت پر مبنی سیاسی اور معاشی نظام قائم کرنا ہو۔ روایتی کارپوریٹ بائیکاٹ یقیناً بہت کم مؤثر ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی قابلِ تحسین ہیں، کیونکہ وہ دشمن ریاستوں کی مجموعی آمدنی کو، خواہ معمولی مقدار ہی میں، کم کر سکتے ہیں۔

ربا پر مبنی معاشی نظام اللہ کے وعدے کے مطابق بالآخر ناکام ہونے والے ہیں:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ○ (سورة البقرة: ۲۷۶)

”اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکرا گناہ گار ہو۔“

کفار کی بظاہر دولت اور طاقت ایک فریب اور ہمارے لیے ایک آزمائش ہے، اور دنیا و آخرت میں ان کی ناکامی یقینی ہے۔ تاہم، ان کی معاشی طاقت میں حصہ ڈالنا ان کی ناکامی کو مؤخر کرتا ہے، جبکہ ان کے زوال کو تیز کرنے میں مدد دینا بڑی برکت کا ذریعہ ہے، اس کا مطلب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضی کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے زندگی گزارنا ہے۔ ان کے جنگی خزانے سے نکالا گیا گندم کا ایک دانہ بھی قیامت کے دن میزان میں بہت وزنی ہو سکتا ہے۔ اللہ جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔

بہت سی بائیکاٹ کی کوششوں کے غیر مؤثر ہونے کا حل یہ نہیں کہ ہاتھ کھڑے کر دیے جائیں اور کوشش ترک کر دی جائے، بلکہ یہ ہے کہ بائیکاٹ کے نئے اور زیادہ مؤثر طریقے تلاش کیے جائیں۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی مدد کے لیے کوشش کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے اپنی ذات کی معمولی سی قربانی بھی دیتا ہے، وہ حوصلہ افزائی اور تعاون کا مستحق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنْ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ[۲]

”نیکی میں کسی بھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی (خوش روی) سے ہی ملے۔“

بائیکاٹ کے بعض طریقوں میں موجود مسائل کی نشاندہی کرنا درست ہے، لیکن بہترین نصیحت وہ ہے جو لوگوں کو حق کی طرف رہنمائی کرے۔ بہتر طریقے پیش کیے بغیر محض خامیوں پر تنقید لوگوں کو مایوس کر سکتی ہے اور ممکنہ فوائد کے دروازے بند کر سکتی ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

[۲] صحیح مسلم

اخباری کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

غزہ

مین سٹریم میڈیا پر امریکہ ایران تصادم کی خبروں میں غزہ اور اہلِ غزہ کی فریاد کہیں گم سی ہو گئی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میڈیا نے اسے اہمیت دینا ہی بند کر دی ہے، جبکہ اس وقت غزہ کیا پورے فلسطین میں ایک کونا بھی ایسا نہیں جہاں فلسطینی صہیونی شر سے محفوظ ہوں۔ غزہ کی وزارتِ صحت کے مطابق صہیونی حملوں میں اب تک تہتر ہزار تین سو چھیاسی (۷۳،۳۸۶) فلسطینی شہید ہو چکے ہیں جن میں بڑی تعداد خواتین اور بچوں کی ہے جبکہ ایک لاکھ چوہتر ہزار دو سو پچاس (۱۷۴،۲۵۰) زخمی ہیں۔ غزہ اور اہلِ غزہ کی صورتحال اس قدر ابتر اور تکلیف دہ ہے کہ حماس نے بھی اپنے لوگوں کی خاطر نہ صرف حکومت چھوڑ دی بلکہ اپنے بھاری اور درمیانے درجے کے ہتھیار ڈالنے کا بھی اعلان کیا ہے اس شرط پر کہ صہیونی فوج غزہ سے انخلاء کرے اور اہلیانِ غزہ کے لیے امداد کی بلا رکاوٹ ترسیل جاری کی جائے اور غزہ کی تعمیرِ نو کا عمل شروع ہو جیسا کہ ٹرمپ کے بورڈ آف پیس کے ۱۵ نکاتی روڈ میپ میں ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن یہود نے اپنی تاریخی روایت برقرار رکھتے ہوئے معاہدے پر عمل درآمد سے ہی صاف انکار کر دیا۔ جہاں ٹرمپ نے حماس کے اس اعلان کو خوش آئند اور بریک تھرو کہا وہاں نیتن یاہو کے اس بیان نے کہ اسرائیلی فوجیں غزہ سے اس وقت تک نہیں نکلیں گی جب تک وہ اس بات کی تسلی نہ کر لیں کہ حماس سے ہر طرح کے ہتھیار لے کر ضائع کر دیے گئے ہیں (جو کہ محض ایک بہانہ ہے)۔ یہ معاملہ ٹرمپ اور نہتن یاہو میں بڑھتے اختلافات کی عکاسی کرتا ہے لیکن یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ بورڈ آف پیس ہو یا امریکہ، مرضی اسرائیل کی ہی یہاں چلنے دی جائے گی۔ اسرائیل کی اس حرکت کو تجزیہ کاروں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے مختلف قلم کاروں کی تحاریر سے چند اقتباس یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

The Board of Peace is a failed body and should be abandoned | Samer Jaber

”گزشتہ ماہ بورڈ نے تعمیرِ نو کے اپنے منصوبے کو محدود کر کے رفح کے قریب، مصری سرحد سے متصل ایک آزمائشی منصوبے تک محدود کر دیا۔ اس علاقے کا کنٹرول ان فلسطینیوں کے پاس ہے جو اسرائیل کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ اس ترقیاتی منصوبے میں کن فلسطینیوں کو رہنے کی اجازت دی جائے گی، اس کا فیصلہ بھی اسرائیل ہی کرے گا۔

اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ بورڈ اپنے لیے فلسطینی املاک ضبط کرنے یا انہیں ”بلا معاوضہ“ استعمال کرنے کا حق حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ اس امر کا واضح اشارہ ہے کہ وہ فلسطینی زمین کی اسرائیل کی جاری لوٹ مار کے لیے ایک پردہ بننے پر آمادہ ہے۔

اسرائیلی انخلا، یعنی وہ دوسرا بڑا عمل جس کی نگرانی بھی بورڈ کو کرنی چاہیے، تقریباً پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس اسرائیل مسلسل بمباری کر کے فلسطینیوں کو قتل کر رہا ہے اور فلسطینی سرزمین پر اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے اپنے قبضے کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرتا جا رہا ہے۔

اکتوبر میں جنگ بندی شروع ہونے کے بعد سے اسرائیل گیارہ سو سے زیادہ فلسطینی شہریوں کو قتل کر چکا ہے۔ فلسطینی گھروں کی مسماری بھی بدستور جاری ہے، جبکہ اس نے اپنی ”یلو لائن“ کو بھی آگے بڑھا دیا ہے۔ یوں غزہ کے تقریباً ۷۰ فیصد علاقے پر اسرائیل کا کنٹرول ہو چکا ہے، حالانکہ جنگ بندی کے آغاز پر یہ شرح ۵۳ فیصد تھی۔

بورڈ آف پیس نے اسرائیل کے ان نوآبادیاتی ہتھکنڈوں کے خلاف نہ کوئی اقدام کیا ہے اور نہ ہی ان کی مذمت میں کوئی عوامی بیان جاری کیا ہے۔ اس دوران بورڈ نے پیش رفت نہ ہونے کا ذمہ دار فلسطینیوں کو ٹھہرایا ہے۔ اس کے اعلیٰ نمائندے نکولے ملاڈینوف نے حماس کو جنگ بندی پر عمل درآمد کی راہ میں ”سب سے بڑی رکاوٹ“ قرار دیا ہے، حالانکہ جنگ بندی شروع ہونے کے بعد فلسطینی حملوں کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔

یہ یک طرفہ نگرانی دراصل بورڈ کے حقیقی کردار کو بے نقاب کرتی ہے: اس کا مقصد امن قائم کرنا نہیں، بلکہ جاری اسرائیلی قبضے کو تحفظ اور جواز فراہم کرنا ہے۔ بورڈ آف پیس نے ایسے انتظامات بھی برقرار رکھے ہیں جن کے ذریعے اسرائیل غزہ میں امداد کی آمد پر اپنا کنٹرول برقرار رکھتا ہے۔ اگرچہ ٹرمپ کے منصوبے میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ امداد کو غزہ میں داخل ہونے اور تقسیم ہونے سے نہ حماس روکے گی اور نہ اسرائیل، لیکن اسرائیلی فوج اب بھی یہ طے کرتی ہے کہ غزہ کی پٹی میں کتنی امداد داخل ہونے دی جائے گی اور کس نوعیت کی امداد کی اجازت ہو گی۔

......غزہ میں موجودہ صورتِ حال کو برقرار رکھنے کا مطلب فلسطینیوں کی مصیبت کو جاری رکھنا اور اس سرزمین کو مزید ناقابلِ رہائش بناتے جانا ہے۔ یوں درحقیقت

فلسطینیوں کو ان کی اپنی سرزمین سے جبری طور پر بے دخل کرنے کی راہ ہموار کی جا رہی ہے۔‘‘

[Aljazeera English]

غزہ میں امن بحال ہو گا؟|ڈاکٹر رشید احمد خان

’’اس وقت بیت المقدس کے مشرقی حصے میں فلسطینیوں کی زمینوں پر قبضہ اور ان کے مکانات کو مسمار کر کے جو یہودی بستیاں تعمیر کی گئی ہیں، ان میں اور دریائے اردن کے مغربی کنارے پر تعمیر ہونے والی بستیوں میں یہودی آباد کاروں کی تعداد سات لاکھ سے زائد ہے۔ واضح رہے، مغربی کنارے پر آباد فلسطینیوں کی تعداد تقریباً ۳۴ لاکھ ہے۔ ۱۹۹۳ء میں معاہدۂ اوسلو کے تحت مغربی کنارے، غزہ اور مشرقی بیت المقدس پر مشتمل ایک علیحدہ اور خود مختار فلسطینی ریاست قائم کرنے پر اتفاق ہوا تھا مگر اسرائیل کی نیتن یاہو حکومت نہ صرف اس دوریاستی فارمولے کے مسترد کرنے بلکہ ان علاقوں کو اسرائیل میں ضم کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کر چکی ہے۔ مغربی کنارے میں آباد فلسطینیوں پر یہودی آباد کاروں کے بڑھتے ہوئے حملوں، ان کے مکانوں اور زمینوں سے بے دخل کرنے کے واقعات اور انہیں ہر قسم کی شہری سہولتوں سے محروم رکھنے کی اسرائیلی کوششوں کا واحد مقصد دوریاستی حل کو ناکام بنانا اور مقبوضہ علاقوں کو اسرائیل میں ضم کرنا ہے تاکہ گریٹر اسرائیل کے مذموم منصوبے کو مکمل کیا جا سکے۔ لبنان کے جنوبی حصے میں اسرائیلی فوج کی مداخلت اور وہاں پر آباد لوگوں کو اپنے گھربار چھوڑنے پر مجبور کرنے کی اسرائیلی پالیسی کا بھی یہی مقصد ہے۔ غزہ کی طرح لبنان میں بھی اسرائیل جنگ بندی کے معاہدوں کی کھلی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس سال دو مارچ سے اب تک اسرائیل کے فضائی حملوں میں ہزاروں لبنانی شہید ہو چکے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اسرائیل کے حملوں اور جنگ بندی کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔

غزہ، مغربی کنارے اور لبنان کی صورتحال کو سامنے رکھیں تو حماس کے غیر مسلح ہونے سے بھی فلسطین میں امن قائم ہوتا دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اسرائیل غزہ میں فلسطینی آبادی پر بمباری جاری رکھے ہوئے ہے، مغربی کنارے پر آباد فلسطینیوں پر حملوں اور ان کے مکانوں کی تباہی کے واقعات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اسرائیل امریکہ کے دباؤ کے ذریعے حماس کو غیر مسلح کرنے کا مقصد تو حاصل کر لے گا مگر غزہ سے اپنی فوجوں کو واپس نہیں بلائے گا کیونکہ نیتن یاہو کابینہ میں شامل انتہا پسند صیہونی اس کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اسرائیل واضح کر چکا ہے کہ جنوبی لبنان کی طرح وہ مصر کے ساتھ غزہ کی سرحد پر بھی سکیورٹی زون قائم کرے گا اور حماس کے غیر مسلح ہونے کے بعد ان سکیورٹی زونز میں اپنی فوجی موجودگی برقرار رکھے گا۔ اس لیے جو بات زیادہ قرین قیاس ہے وہ یہ کہ حماس کے غیر مسلح ہونے کے باوجود فلسطین میں جنگ جاری رہے گی۔ حماس کی جانب سے اس رعایت کے باوجود مشرق وسطیٰ میں امن قائم نہیں ہو گا۔‘‘

[روزنامہ دنیا]

Solidarity is not enough: Why the world must force accountability on Gaza now | Dr Ramzy Baroud

’’جب اسرائیل کے عزائم پوری طرح بے نقاب ہو چکے ہیں تو عالمی برادری کو محض ثالثی اور زبانی سفارت کاری تک محدود رہنے کے بجائے عملی نفاذ کی طرف قدم بڑھانا ہو گا۔

اسرائیل نسل کشی کو بھی معمول کا حصہ بنا دینا چاہتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس سے پہلے اس نے غزہ کی غیر قانونی ناکہ بندی، اس سے پہلے مغربی کنارے، مشرقی یروشلم اور غزہ پر فوجی قبضے، اور ۱۹۴۸ سے جاری فلسطینیوں کی بے دخلی کو معمول بنا دیا ہے۔

ہمیں اس تصور کو دوٹوک انداز میں مسترد کرنا ہو گا کہ بے گناہوں کا قتل کبھی بھی ایک معمول کی قابلِ قبول کارروائی بن سکتا ہے۔

محض اس ظلم سے آگاہ ہونا کافی نہیں۔ صرف زبانی اظہارِ یکجہتی بھی کافی نہیں۔ آج ٹھوس اور فیصلہ کن اقدام کی ضرورت ہے—اور اگر دنیا سیاسی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قدم اٹھائے تو مجرموں کو جواب دہ ٹھہرانا اب بھی پوری طرح ہمارے اختیار میں ہے۔‘‘

[Middle East Monitor]

ایک افسوسناک اور تکلیف دہ واقعہ پچھلے دنوں تب پیش آیا جب غزہ میں ایک بہت بڑا اجتماعی جنازہ منعقد ہوا۔ غزہ شہر میں ابو شریعہ اور الحسینہ کے پورے خاندان (۳۰۸ لوگوں) کو اسرائیل نے ۲۰۲۳ء میں ان کے گھروں پر بمباری میں شہید کر دیا تھا۔ ان میں سے ۱۱۲ افراد کی باقیات کو ملبے سے نکال کر ۴ اگست کو ان کا اجتماعی جنازہ پڑھایا گیا جو کہ غزہ کی تاریخ میں ایک بہت بڑا جنازہ تھا۔ اس میں بہت رقت آمیز مناظر دیکھے گئے جب ان کے رشتہ داروں کو اپنے پیاروں کی باقیات تین سال بعد دفنانے کا موقع ملا، جن میں چالیس بچے بھی شامل تھے۔ لیکن اس جنازے کو بھی مغربی میڈیا نے کوئی کوریج نہ دی، جس نے ان کی ’’انسانیت پسندی‘‘ کے نعرے کی قلعی کھول دی۔ مڈل ایسٹ مانیٹر پر رامونہ وادی لکھتی ہیں:

Gaza is exploited either way, through silence or stale statements | Ramona Wadi

’’جس طرح عالمی برادری اپنی توجہ کے لیے یہ طے کرتی ہے کہ کن خلاف ورزیوں یا جنگی جرائم کو اہمیت دینی ہے، اسی طرح اس نے اجتماعی قبروں اور اجتماعی جنازے کے معاملے میں بھی اپنی ترجیحات طے کر لیں۔ لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کرنا ناگزیر ہے کہ

نوآبادیاتی تشدد کے معاملے کی طرح اقوامِ متحدہ بھی یہ خود طے کرے گی کہ کن مظالم پر زبان کھولنی ہے، خواہ اس کا حاصل رسمی کارروائی کے طور پر محض ایک بیان درج کر دینا ہی کیوں نہ ہو۔ غزہ کو بہر حال استعمال کیا جائے گا، خواہ خاموشی کے ذریعے یا یاسی اور بے معنی بیانات کے ذریعے۔

نسل کشی سے بچ جانے والے فلسطینیوں کا غم نہ قراردادوں سے ختم ہو گا، نہ قراردادوں کی عدم موجودگی سے۔ اجتماعی قبروں سے لے کر اجتماعی جنازوں تک، عالمی برادری کے بیانات ہوں یا اس کی خاموشی، دونوں ہی انسانیت کے جذبے سے یکسر خالی ہیں۔"

[Middle East Monitor]

جون ۲۰۲۴ء میں وسطی نصیرت کیمپ میں موجود اقوام متحدہ کے ایک سکول کو صہیونی فوج نے نشانہ بنایا جس میں پناہ گزینوں کی کثیر تعداد رہ رہی تھی، تو دھماکوں کے بعد ملبے میں سے میزائیل کے ٹکرے بر آمد ہوئے جن پر "میڈ ان انڈیا" لکھا ہوا تھا، تب ہی یہ بات سامنے آئی تھی کہ انڈیا اپنے "پھادر لینڈ" کے ساتھ کس طرح خاموشی سے فلسطینیوں کی نسل کشی میں حصہ دار بنا ہوا ہے اور ابھی پچھلے دنوں ہی ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ سامنے آئی ہے جس میں تین سالہ جنگ کے دوران انڈیا کی جانب سے اسرائیل کو جو ہتھیار، گولہ بارود، راکٹ اور دھماکہ خیز مواد کی ترسیل کی گئی اس کی تفصیلات ہیں۔ اس رپورٹ کو افتخار گیلانی نے موضوع قلم بنایا ہے، ان کے کالم سے اقتباس ملاحظہ کریں:

غزہ جنگ: بھارت نے اسرائیل کی کیسے فوجی مدد کی | افتخار گیلانی

"حال ہی میں، اسرائیلی وزیر اعظم بن یامین نیتن یاہو نے امریکی نائب صدر جے ڈی وینس کے اس دعوے کہ 'امریکہ ہی اسرائیل کا واحد ناگزیر اتحادی ہے'، پر یہ تبصرہ کیا کہ اسرائیل کے پاس بھارت کی شکل میں ایک طاقتور دوست موجود ہے۔ اس کا یہ تبصرہ کچھ غلط نہیں تھا۔ حال ہی میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ۴۲ صفحات پر مشتمل ایک تحقیقاتی رپورٹ کی اشاعت کے بعد اس پر مہر لگ گئی کہ کس طرح بین الاقوامی انسانی ضابطوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، بھارت نے اسرائیل کی جنگی دفاعی سپلائی چین میں ایک کلیدی کردار ادا کیا۔ ایمنسٹی نے کسٹم ریکارڈز، کارپوریٹ فائلنگز، جہاز رانی کے گوشواروں اور بر آمدی ریکارڈ کا باریک بینی سے جائزہ لے کر اس پورے نیٹ ورک کی کڑیاں جوڑ کر ایک ایسا ڈیٹا بیس تیار کر دیا ہے، جو بتاتا ہے کہ ۷ اکتوبر ۲۰۲۳ء سے ۳۰ نومبر ۲۰۲۵ء کے درمیان بھارت سے اسلحہ کی دو ہزار پانچ سو چھیانوے (۲،۵۹۶) کھیپیں اسرائیل روانہ کی گئی تھیں۔ ان کھیپوں میں ہتھیار، گولہ بارود کے پرزے، بکتر بند گاڑیوں کے پرزے اور دیگر دفاعی سامان شامل تھے جو اسرائیلی مسلح افواج یا اسرائیلی دفاعی کمپنیوں کو فراہم کیے گئے۔ ایمنسٹی نے نتیجہ اخذ کیا کہ: 'غزہ میں اسرائیل کی عسکری مہم کے دوران، بھارت اسرائیلی مسلح افواج سے قریبی تعلق رکھنے والی اسرائیلی کمپنیوں کے لیے عسکری پرزہ جات، گولہ بارود کے اجزاء اور دفاعی سامان کا ایک اہم سپلائر بن کر ابھرا'۔ غزہ جنگ شروع ہونے کے بعد جیسے ہی یورپی حکومتوں پر عسکری بر آمدات معطل کرنے کے لیے داخلی سطح پر دباؤ بڑھا، بھارت کے دفاعی مینوفیکچرنگ سیکٹر نے خاموشی سے اس خلا کو پر کر دیا۔ بھارت نے نہ صرف انفرادی عسکری مصنوعات بر آمد کیں، بلکہ وہ اس صنعتی نظام میں ایک انتہائی اہم درجے کا سپلائر بن گیا جس نے اسرائیل کی دفاعی پیداوار کو بر قرار رکھنے میں مدد کی۔ ایمنسٹی نے بھارت سے بھیجے گئے تین لاکھ نوے ہزار پانچ سو سولہ (۳۹۰،۵۱۶) ملٹری گریڈ کے چھوٹے ہتھیاروں کے پرزہ جات کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں خود کار ہتھیاروں، ٹرگر کے طریقہ کار، بیرل اور دیگر وہ تمام پرزے شامل ہیں جو خاص طور پر عسکری آتشیں اسلحے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔ تحقیق کاروں نے پانچ لاکھ چونسٹھ ہزار نو سو ستر (۵۶۴،۹۷۰) دھماکا خیز مواد اور اس کے اجزاء کی نشاندہی کی ہے، جن میں آرٹلری شیل کے خول، ڈرون کے وار ہیڈ کے پرزے اور گولہ بارود کی تیاری کے لیے استعمال ہونے والے دیگر حصے شامل ہیں۔

......حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی اس تحقیق پر بھارت، پاکستان و مغرب کے زیادہ تر روایتی میڈیا نے مکمل خاموشی اختیار کر لی۔ دنیا کے بڑے اور بااثر ترین خبر رساں اداروں نے اس پر کوئی مخصوص رپورٹ شائع نہیں کی۔ جہاں بی بی سی کی مرکزی انگریزی سروس نے اس رپورٹ کو نظر انداز کیا، ہندی سروس نے اس خبر کو بھارتی حکومت کے رد عمل کے زاویے سے پیش کیا۔ تقریباً تمام بھارتی میڈیا آؤٹ لیٹس کا رویہ بھی ایسا ہی رہا۔ انہوں نے رپورٹ کے مندرجات کو شائع کرنے کے بجائے وزارتِ خارجہ کے ترجمان کے بیان پر توجہ مرکوز کی، جس میں بتایا گیا کہ اسرائیل کو تمام اسلحے کی منتقلی قانونی اور بین الاقوامی قوانین کے مطابق تھی۔ اسی طرح زیادہ تر مرکزی بھارتی ٹیلی ویژن نیٹ ورکس اور قومی اخبارات نے بھی اس رپورٹ کو برائے نام اہمیت دی یا بالکل نظر انداز کر دیا۔ یہ تغافل اور خاموشی اس لیے بھی نمایاں ہے کیونکہ انہی مغربی اداروں نے غزہ میں اسرائیل کی فوجی مہم، انسانی المیے، یرغمالیوں کے مذاکرات، جنگ بندی کی سفارت کاری، اور خاص طور پر اسرائیل کو مغربی فوجی امداد کو کور کرنے کے لیے وسیع کوریج دی۔"

[روزنامہ جسارت]

غربِ اردن میں صہیونی آبادکاروں کی شر انگیزیاں

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا کہ فلسطینی اپنی ہی زمین پر کہیں محفوظ نہیں، اکتوبر ۲۰۲۳ء سے جہاں غزہ کو صہیونیوں نے محاذ جنگ بنا دیا وہیں مقبوضہ مشرقی بیت المقدس اور غرب اردن (West Bank) کے فلسطینی علاقے، جو بظاہر انتظامی طور پر فلسطینی اتھارٹی کے زیر کنٹرول آتے ہیں، صہیونی آبادکاروں کے ظلم کا نشانہ بنتے ہیں۔ مسلح صہیونی آبادکاروں کو

فوج کی سرپرستی میں فلسطینی زمینوں اور املاک پر قبضہ کرنے کی کھلی چھٹی ہے جس کی بدولت جتھوں کی شکل میں یہ فلسطینیوں کی زندگی اجیرن کرتے ہیں، چونکہ وہاں بسنے والے زیادہ تر فلسطینیوں کا انحصار زمینوں، زیتون اور انجیر کے باغوں پر ہے جبکہ دیہاتوں میں بڑی تعداد مویشی چراتی ہے۔

ان غیر قانونی آبادکاروں کی غنڈہ گردی حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ فلسطینی آبادی کو پانی و بجلی سے محروم کرنا، ان سے ان کے مویشی چھین لینا، ان کی زمینوں اور مساجد کو جلادینا اور گھروں پر قبضہ کرنا یا بغیر کسی وجہ کے بلڈوز کروادینا، فلسطینی نوجوانوں کی ماب لنچنگ کے واقعات تیزی سے بڑھتے جارہے ہیں۔

ایک ہفتے سے زائد ہو گیا کہ ان قابض آبادکاروں نے نابلس کے جنوب میں واقع قصرہ نامی گاؤں میں چند گھروں کا گھیراؤ کر کے ناکہ بندی کی ہوئی ہے۔ ان کا پانی اور بجلی کاٹ دی ہے نہ تو کسی کو باہر آنے کی اجازت ہے نا ہی اندر جانے کی اجازت۔ ان کے پاس نہ پانی ہے اور ضروریات زندگی بھی تقریباً ختم ہو چکی ہیں۔ بین الاقوامی انسانی حقوق کی تنظیموں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح ان گھروں میں امداد پہنچائی جائے لیکن مسلح آبادکار کسی کو بھی گھر کے نزدیک بھی نہیں جانے دے رہے۔ اس معاملے میں قابض صہیونی فوج نے انہیں کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ اپنی غنڈہ گردی جاری رکھیں۔ ایک گھر کے رہائشی قصیٰ ابو ردا کہتے ہیں کہ وہ گھر سے نہیں نکلیں گے کیونکہ اگر وہ گھر سے نکل گئے تو آبادکار ان کے گھر پر قبضہ کرلیں گے جیسا کہ پہلے بھی کرتے آئے ہیں۔

آبادکاروں کی دہشت گردی کا ایک اور اہم واقعہ جولائی کے آخر میں پیش آیا جب نابلس کے ہی ایک علاقے تِل میں ان غنڈوں کا ایک گروہ (۲۵ سے ۳۰) ہتھیاروں سے لیس داخل ہو گیا اور وہاں کے رہائشیوں کو ڈرانے دھمکانے لگا اور املاک کو نقصان پہنچایا۔ جواب میں دو فلسطینیوں نے ان سے ان کی گن چھین کر انہی پر فائرنگ شروع کر دی جس پر صہیونی فوج نے بھی فلسطینیوں کو نشانہ بنا کر چار فلسطینیوں کو شہید کر دیا جبکہ دو صہیونی جہنم واصل ہوئے۔ اس واقعے کے نتیجے میں اگلے ہی روز سے تِل گاؤں قابض صہیونیوں کے لیے ”خصوصی توجہ“ کا مرکز بن گیا کیونکہ اس کے نوجوانوں نے جرات کی تھی، مزاحمت کی تھی۔ شہید نوجوان فاروق رمضان کے گھر کو تباہ کر دیا گیا اور پورے گاؤں کی ناکہ بندی کر دی۔ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے لوگوں پر ظلم کے پہاڑ توڑیں اور جواب میں ہم اف بھی نہ کریں۔

الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق اس سال کے پہلے چار ماہ میں تقریباً دو ہزار فلسطینی آبادکاروں کے حملوں کی وجہ سے بے گھر ہوئے ہیں۔ تِل کے واقعے پر کالم نگاروں کی آراء میں سے چند اقتباس ملاحظہ ہوں:

The meaning of Tell: Why the West Bank may be nearing a breaking point? | Dr Ramzy Baroud

”صرف ۲۰۲۶ء ہی میں آبادکاروں کے حملوں، مسماریوں اور فلسطینی تعمیرات پر عائد اسرائیلی پابندیوں کے نتیجے میں ہزاروں فلسطینی بے گھر ہو چکے ہیں۔ جولائی تک بے دخلی کی رفتار اوسطاً روزانہ ۱۷ فلسطینیوں تک پہنچ گئی تھی، یعنی گزشتہ تین برسوں کے دوران ریکارڈ کی گئی یومیہ اوسط سے دوگنا۔ ظاہر ہے، یہ سب کچھ بے ترتیب تشدد کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک سوچے سمجھے اور دانستہ اختیار کیے گئے پالیسی کا حصہ ہے۔

......یوں فلسطینی ایک نہایت سفاک دوراہے پر پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر وہ مزاحمت نہ کریں تو فوج اور آبادکار آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ مزاحمت کریں تو اسرائیل ”فلسطینی دہشت گردی“ کا حوالہ دے کر انہی پالیسیوں کو مزید سخت کر دیتا ہے جنہوں نے ابتدا ہی میں مزاحمت کو جنم دیا تھا۔

تِل نے اس دوراہے کو بے نقاب تو کیا، لیکن اس کی حدود بھی واضح کر دیں۔ بلاشبہ اسرائیل گھر مسمار کر سکتا ہے، سڑکیں بند کر سکتا ہے اور پورے پورے خاندانوں کو گرفتار کر سکتا ہے۔ وہ پناہ گزین کیمپوں کو خالی کرا سکتا ہے، جیسا کہ اس نے جنین، طولکرم اور نور شمس میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس فریب کو بھی برقرار رکھ سکتا ہے کہ طاقت کا بے دریغ استعمال فلسطینی عوام کو قابو میں لے آیا ہے۔

لیکن فوجی غلبہ حقیقی اقتدار نہیں ہوتا۔ نیتن یاہو اور اس کے انتہاپسند وزراء اب تک اس چیز سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں جسے نومی کلین نے ”شاک ڈاکٹرائن“ قرار دیا ہے: اجتماعی صدمے اور ذہنی انتشار سے فائدہ اٹھا کر ایسی سیاسی حقیقتیں مسلط کرنا جن پر بصورتِ دیگر کہیں زیادہ شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا۔

غزہ پر بے مثال ”شاک اینڈ آ“ کی یلغار کی گئی، جبکہ اسی تباہی کی آڑ میں مغربی کنارے کو تیزی سے بدل ڈالا گیا۔ لیکن صدمے کی بھی ایک محدود مدت ہوتی ہے۔ بالآخر خوف غصے کو راستہ دیتا ہے، اور غصہ اپنے اظہار کے لیے کسی اجتماعی سیاسی صورت کی تلاش شروع کر دیتا ہے۔

فلسطینی تاریخ بارہا اس امر کی گواہی دے چکی ہے۔ دونوں انتفاضوں کا آغاز سیاسی جماعتوں یا انٹیلی جنس ایجنسیوں کے حساب کتاب کے مطابق نہیں ہوا تھا۔ دونوں اس وقت پھوٹ پڑے جب جمع ہوتی ہوئی تذلیل، معاشی گلا گھونٹنے والی پابندیاں اور فوجی تشدد اس مقام تک پہنچ گئے جہاں عام فلسطینی موجودہ نظام کو مزید قبول کرنے پر آمادہ نہیں رہے۔

اگلی بغاوت، اگر کبھی برپا ہوئی، تو ممکن ہے اس کا آغاز بھی کسی ایسے واقعے سے ہو جو الگ سے دیکھا جائے تو معمولی دکھائی دے: کوئی گاؤں اپنا دفاع کرنے کے لیے اٹھ

کھڑا ہو، کوئی پناہ گزین کیمپ ایک اور فوجی یلغار کے سامنے جھکنے سے انکار کر دے، یا کوئی آبادی اپنی زمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنے والے آباد کاروں کے مقابل کھڑی ہو جائے۔"

[Middle East Monitor]

Tell killings: Does the right of self-defence apply only to Jews? | Ahmad Tibi

"پھر بھی ایک نہایت واضح سوال تقریباً کسی نے نہیں اٹھایا: آخر مسلح آباد کار ایک فلسطینی گاؤں میں موجود ہی کیوں تھے؟

یہ سوال اسرائیلی عوامی بیانیے میں راسخ ان مفروضوں میں سے ایک کو چیلنج کرتا ہے کہ یہودی آباد کاروں کو فلسطینی آبادیوں میں تقریباً بلا روک ٹوک آنے جانے کا حق حاصل ہے، جبکہ فلسطینیوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ہی گاؤں میں محفوظ زندگی گزارنے کے بنیادی ترین حق کا بھی جواز پیش کریں۔

تِل کے رہنے والے صبح اس ارادے سے بیدار نہیں ہوئے تھے کہ کسی سے تصادم کریں۔ وہ ایک ایسی حقیقت کے درمیان بیدار ہوئے جو اب مقبوضہ مغربی کنارے میں جڑ پکڑ چکی ہے اور جسے اسرائیلی انسانی حقوق کی تنظیمیں اور بین الاقوامی مبصرین بارہا دستاویزی شکل دے چکے ہیں: مسلح آباد کار گروہوں کا زرعی زمینوں، چراگاہوں اور بعض اوقات خود فلسطینی دیہات تک میں گھس آنا۔

لیکن جب بھی ایسا تشدد کسی المیے پر منتج ہوتا ہے، اس کا وسیع تر پس منظر نظروں سے اوجھل کر دیا جاتا ہے اور پوری کہانی کو ایک ہی لفظ میں سمیٹ دیا جاتا ہے: "دہشت گردی"۔ لیکن دہشت گردی کوئی نسلی شناخت نہیں ہے۔

اگر مسلح شہری مسلسل دھمکانے اور خوف زدہ کرنے کے ذریعے کسی دوسری شہری آبادی میں دہشت پھیلائیں اور ان کا مقصد خاندانوں کو ان کی زمین سے بے دخل کرنا ہو، تو اسے کیا نام دیا جانا چاہیے؟ کیا اس کی تعریف صرف اس لیے بدل جائے گی کہ اس کے مرتکب یہودی ہیں؟

......یہودی آباد کاروں کو نقل و حرکت کی کہیں زیادہ آزادی، قانون نافذ کرنے والے اداروں کا زیادہ مضبوط تحفظ اور، اکثر اوقات، عملی طور پر مکمل استثنا حاصل ہے۔ دوسری طرف فلسطینیوں کو اکثر اس وقت بھی مشتبہ سمجھ لیا جاتا ہے جب حقائق ابھی پوری طرح سامنے بھی نہیں آئے ہوتے۔

یہودی بالادستی کو اکثر محض ایک نعرہ کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لیکن عملی طور پر یہ حکمرانی کا ایک ایسا نظام ہے جس میں قومی شناخت اس بات کا تعین کرتی ہے کہ کسی شخص کو کتنا تحفظ ملے گا، اسے کون سے حقوق حاصل ہوں گے، اور معاشرہ اس کے قصوروار یا بے قصور ہونے کے بارے میں کیا مفروضہ قائم کرے گا۔

آباد کاروں کا تشدد اب نسلی تطہیر کا ایک طریقۂ کار بن چکا ہے۔ خوف و ہراس کی یہ روزمرہ مہم اچھی طرح دستاویزی شکل میں موجود ہے: نجی زمینوں میں زبردستی داخل ہونا، چراگاہوں پر قبضہ کرنا، سڑکیں بند کرنا، زیتون کے درخت اکھاڑنا، گھروں اور کھیتوں کو نذرِ آتش کرنا، اور کسانوں اور چرواہوں پر حملے کرنا۔

مقصد یہ ہے کہ معمول کی زندگی اس حد تک ناممکن بنا دی جائے کہ فلسطینی اپنے گھر اور اپنی زمین چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔ جب لوگ اس نتیجے پر پہنچ کر اپنا گھر بار چھوڑ دیتے ہیں کہ کوئی مقتدر ادارہ ان کی حفاظت نہیں کرے گا، تو یہ جبری بے دخلی ہی ہوتی ہے۔

سرکاری زبان میں ان تمام کارروائیوں کو ایک بے ضرر سے لفظ میں چھپا دیا جاتا ہے: "جھڑپ"۔ یہ اسرائیلی فوج کی اپنی وضع کردہ اصطلاح ہے، جو آباد کاروں کی چوکیوں کے گرد ہونے والے تشدد کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے مبصرین بھی "بڑھتی ہوئی جھڑپوں" کو ان عوامل میں شمار کرتے ہیں جو فلسطینیوں کو اپنی زمین چھوڑنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

اس کے نتائج اب ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق ۲۰۲۳ء کے آغاز سے اب تک مقبوضہ مغربی کنارے میں فلسطینیوں کی ۱۱۷ چرواہا اور بدوی برادریاں آباد کاروں کے حملوں اور ان سے متعلق پابندیوں کے باعث مکمل یا جزوی طور پر بے گھر ہو چکی ہیں، جبکہ تقریباً ۶۰۰۰ افراد کو اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ اسے وہی نام دیجیے جو حقیقتاً اس کا نام ہے: ایک شہری آبادی کو منظم طریقے سے اس کی اپنی زمین سے بے دخل کرنا۔

اب ان واقعات کو "چند انتہا پسندوں" کی کارروائی کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جب یہی طرزِ عمل پورے مغربی کنارے میں بار بار دہرایا جا رہا ہو، اور اسی دوران اعلیٰ سیاسی رہنما کھلے عام بستیوں کی توسیع، نئی آباد کار چوکیوں کے قیام اور اس سرزمین پر فلسطینی موجودگی کم کرنے کی وکالت کر رہے ہوں، تو اسے محض اتفاق قرار دینا اب قابلِ قبول وضاحت نہیں رہی۔"

[Middle East Eye]

مکہ معاہدہ

ہمارا آخری اور میڈیا میں سب سے زیادہ زیر بحث موضوع سعودی عرب، ترکیہ اور پاکستان کے درمیان ہونے والا مشترکہ دفاعی معاہدہ ہے جو تینوں ملکوں کے سربراہان نے حرم شریف مکہ المکرمہ میں انجام دیا۔ اس منصوبہ کا پہلا اور اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ ان تینوں

ملکوں میں سے کسی بھی ملک پر حملہ باقی دونوں ملکوں پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ جو کہ خصوصاً دفاعی نوعیت کا ہے اور یہ ممالک آپس میں انٹیلی جنس، ملٹری اور دفاعی ٹیکنالوجی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے لیکن کسی بھی ملک امریکہ، نیٹو یا کسی دوسرے ملک سے تعلقات اس کی زد میں نہیں آئیں گے۔ جہاں اس معاہدے پر پاکستان کے ''سرکاری ''صحافیوں میں ایک جشن کا سا سماں دیکھنے کو ملا وہیں اس معاہدے کے پس پردہ عزائم اور اس کی ٹائمنگ پر بہت سے تجزیہ نگاروں نے باریک بینی سے تنقید بھی کی۔ اس معاہدے پر تنقید اور اس کی عملی حیثیت پر کچھ کہنے سے پہلے ذرا تجزیہ کاروں کی آراء پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

مکہ معاہدہ: امید کی کرن، خطرے کی گھنٹی بھی | احمد حسن

''اگر یہ معاہدہ ایک وسیع مسلم اجتماعی دفاعی نظام بن جاتا ہے جس میں مختلف مسالک اور مختلف علاقائی مفادات رکھنے والے ممالک شامل ہوتے ہیں تو یہ مسلم دنیا میں اجتماعی سلامتی کی ایک نئی بنیاد بن سکتا ہے۔ معاہدے میں شامل تینوں ملکوں کے خطرات ایک جیسے نہیں ہیں، پاکستان کے لیے بنیادی سلامتی کے مسائل بھارت اور افغانستان سے وابستہ عسکری خطرات اور داخلی دہشت گردی ہیں۔ ایران کے ساتھ پاکستان کے تعلقات خوشگوار ہیں پاکستان کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ سعودی عرب اور ایران دونوں سے تعلقات برقرار رکھے جائیں۔

......بین الاقوامی سیاست میں صرف وہی اہم نہیں ہوتا جو معاہدے میں لکھا جاتا ہے، اتنا ہی اہم وہ بھی ہوتا ہے جو معاہدے میں نہیں لکھا جاتا۔ سعودی عرب اور ایران گزشتہ کئی دہائیوں سے مشرق وسطیٰ کی دو اہم علاقائی طاقتوں کی حیثیت سے ایک دوسرے کے مقابل رہے ہیں، اگرچہ دونوں نے سفارتی تعلقات بحال کیے ہیں لیکن علاقائی اثر ورسوخ، خلیجی سلامتی، یمن، شام، عراق اور دوسرے معاملات پر دونوں کے درمیان بنیادی اختلافات ختم نہیں ہوئے اس لیے بہت ضروری ہے کہ مکہ معاہدے میں ایران اور اس کے دوستوں کو بھی شامل کیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر تہران اسے محض دفاعی معاہدہ نہیں بلکہ اپنے خلاف بننے والے علاقائی عسکری محاذ کے طور پر دیکھ سکتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سب سے خطرناک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا خدانخواستہ ریاستی تنازع فرقہ وارانہ تنازع بن جائے گا؟ یہ معمولی نہیں بہت بڑا خطرہ ہے، مشرق وسطیٰ کی تاریخ گواہ ہے کہ جب سیاسی اور فوجی تنازعات کو مذہبی رنگ مل جاتا ہے تو تنازع صرف حکومتوں اور فوجوں کے درمیان نہیں رہتا وہ معاشروں، مذہبی گروہوں اور عام شہریوں تک پھیل جاتا ہے۔ سعودی عرب اور ایران کے درمیان اختلاف کو اگر عرب بمقابلہ فارس یا سنی بمقابلہ شیعہ بنا دیا گیا تو اس کے نتائج پورے خطے کے لیے انتہائی تباہ کن ہو سکتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کو ایک اور جنگ یا سرد جنگ کی ضرورت نہیں، مسلم دنیا کو ایک ایسے دفاعی نظام کی ضرورت ہے جو بیرونی جارحیت کو روکے اسے اپنے ہی مسلمانوں کے خلاف محاذ میں تبدیل نہ کرے۔

سعودی عرب کے لیے فوری علاقائی خطرہ ایران اور اس کے ساتھ وابستہ مسلح گروہ ہیں، حالیہ امریکہ ایران کشیدگی میں سعودی عرب کو ایرانی میزائل اور ڈرون حملوں کا سامنا بھی کرنا پڑا، ابھی ۹ اگست کو ہی یمن کے حوثیوں نے سعودی عرب کی تیل کی تنصیبات پر حملے کی ذمے داری قبول کی ہے۔ ترکیے کے لیے خطرات کا نقشہ بالکل مختلف ہے، شامی کرد تنظیمیں، دہشت گردی اور اسرائیل کے ساتھ بڑھتی کشیدگی اس کے اہم سیکورٹی مسائل ہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ یہ تینوں ممالک ایران سے خطرے کے باعث اکٹھے ہوئے ہیں لیکن یہ نکتہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مشرق وسطیٰ کے موجودہ بحران اور ایران کے ساتھ جاری کشیدگی نے اس اتحاد کو غیر معمولی اہمیت دے دی ہے۔''

[روزنامہ جسارت]

The Mecca pact is not just another regional alliance | Khalid Al-Jaber

''کوئی ریاست امریکہ سے دسیوں ارب ڈالر کے ہتھیار خرید سکتی ہے، اپنی سرزمین پر امریکی اڈوں اور فوجیوں کی میزبانی کر سکتی ہے، واشنگٹن کے ساتھ گہرے تعلقات استوار کر سکتی ہے، لیکن کسی بحران کے وقت اسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کارروائی کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ امریکی داخلی سیاست اور ایسے جغرافیائی و سیاسی مفادات سے طے ہوتا ہے جن کا اتحادی کی سلامتی سے کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا۔

خلیج کے دارالحکومت اب اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ شراکت داری، خواہ کتنی ہی گہری کیوں نہ ہو، تحفظ کی خودکار ضمانت نہیں۔ اس کے نتیجے میں اختیار کی جانے والی حکمتِ عملی بالکل واضح ہے: واشنگٹن کے ساتھ اتحاد برقرار رکھو، لیکن اس سے آگے بھی اپنے لیے راستے کھلے رکھو۔ یہ امریکی خیمے سے نکل کر چینی، روسی یا ترک خیمے میں جانے کی کوشش نہیں۔ یہ دراصل خیموں اور کیمپوں کی اس پوری منطق سے آگے نکلنے کی کوشش ہے۔ ساتھ ہی یہ اس خطے کی اس تیاری کی بھی عکاسی کرتی ہے جو مستقبل میں ممکنہ امریکی پسپائی کے لیے خود کو تیار کر رہا ہے۔

اس منظر نامے میں علاقائی سلامتی کا سب سے حساس پہلو طاقت کا توازن ہے۔ اگر امریکی کردار کمزور پڑتا ہے تو اصل خطرہ یہ ہے کہ اس کے چھوڑے ہوئے خلا کو کون پُر کرے گا۔

ایران نے کئی دہائیاں اپنی سرحدوں سے باہر علاقائی اثر و رسوخ قائم کرنے میں صرف کی ہیں اور آج بھی خلیجی اور عرب دارالحکومتوں کی جانب میزائل اور ڈرون داغتا ہے۔ اسرائیل نے اپنی ایسی فوجی اور انٹیلی جنس برتری ثابت کی ہے جس نے

اسے پورے خطے میں اپنی طاقت استعمال کرنے کے قابل بنایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ قبضے اور آبادکاری کی پالیسیاں جاری رکھے ہوئے ہے اور عرب ریاستوں کے خلاف فوجی کارروائیاں بھی کرتا رہا ہے۔

امریکی اثر ورسوخ میں کمی خطے کو ایسے نظام کے اندر چھوڑ سکتی ہے جس کے اصول صرف دو طاقتیں طے کریں: اسرائیل اور ایران۔

مکہ معاہدے کو اسی تناظر میں ایک تیسرے مرکزِ طاقت کی تشکیل کی ابتدائی کوشش کے طور پر دیکھا جانا چاہیے، ایسا بلاک جسے کسی ایک طاقت کے خلاف جنگ لڑنے کی ضرورت نہ ہو، لیکن اس میں اتنی قوت ضرور ہو کہ خطے پر کسی ایک فریق کی اجارہ داری قائم نہ ہونے دے۔ مقصد فتح حاصل کرنا نہیں، بالادستی کا راستہ روکنا ہے۔

خلیج کے طاقت کے توازن میں ایران کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ترکی کے تہران کے ساتھ تعلقات میں تعاون بھی ہے اور مسابقت بھی۔ پاکستان کی ایران کے ساتھ ایک طویل سرحد ہے اور وہ کوئی مستقل محاذ کھولنے کا خواہاں نہیں ہو گا۔ چنانچہ اس اتحاد کا سب سے مفید کردار ڈیٹرنس (Deterrence) ہے: یعنی کسی رکن پر حملے کی صورت میں حملہ آور کے لیے اس کی قیمت بڑھا دینا۔

......مکہ معاہدہ ایک زیادہ خود مختار علاقائی سلامتی کے نظام کی تعمیر میں پہلا سنجیدہ بنیادی قدم بن سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ دفاعی بجٹ یا ارکان کی تعداد سے طے نہیں ہو گا۔ فیصلہ ایک ہی سوال کے جواب سے ہو گا: کیا اس کے دستخط کنندگان واقعی ایک دوسرے کے دفاع کی قیمت برداشت کرنے پر آمادہ ہیں؟

اگر جواب ہاں میں ہے، تو شاید خطہ بالآخر ایسا طاقت کا توازن قائم کرنا شروع کر دے جو مکمل طور پر سمندر پار سے آنے والی طاقت پر منحصر نہ ہو۔‘‘

[Aljazeera English]

Why the Makkah Pact is Not an 'Islamic NATO' | Rabia Akhtar

’’ابھرتی ہوئی دنیا پہلے سے مختلف ہے۔ درمیانی درجے کی طاقتیں (Middle Powers) اب تیزی سے ایسے سکیورٹی تعلقات چاہتی ہیں جن میں انہیں اپنی اسٹریٹیجک خود مختاری سے دستبردار نہ ہونا پڑے۔ وہ سرپرست نہیں، شراکت دار چاہتی ہیں، مکمل صف بندی کے بغیر باہمی عملی تعاون چاہتی ہیں، اور اپنی موجودہ شراکت داریوں کو ترک کیے بغیر سکیورٹی کے اضافی راستے کھلے رکھنا چاہتی ہیں۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو مکہ معاہدہ کسی باقاعدہ بلاک کی تشکیل سے کم اور اسٹریٹیجک محاذوں کو متنوع بنانے کی کوشش زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ سعودی عرب کو واشنگٹن سے تعلق توڑنے کی ضرورت نہیں۔ ترکی کو نیٹو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ پاکستان کو چین، خلیجی ممالک، امریکہ یا دوسرے شراکت داروں کے ساتھ اپنے تعلقات میں کوئی بنیادی تبدیلی لانے کی ضرورت نہیں۔

......اور یہ تینوں ممالک خاص طور پر اس لیے اہم ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کا متبادل نہیں۔

سعودی عرب سرمایہ، توانائی کے شعبے میں غیر معمولی وزن، سیاسی اثر ورسوخ اور ایسی غیر معمولی اسٹریٹیجک جغرافیائی حیثیت رکھتا ہے جو خلیج، بحیرۂ احمر اور وسیع تر عرب دنیا کو آپس میں جوڑتی ہے۔

ترکی مسلم دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ دفاعی صنعتی نظاموں میں سے ایک، نمایاں روایتی فوجی صلاحیت، نیٹو کے ساتھ باہمی عملی تعاون کی صلاحیت اور متعدد محاذوں پر عملی عسکری تجربہ رکھتا ہے۔

پاکستان ایک بڑی پیشہ ور فوج، دونوں ممالک کے ساتھ کئی دہائیوں پر محیط دفاعی تعاون، شدید روایتی اور اسٹریٹیجک ڈیٹرنس (Strategic Deterrence) کے ماحول میں کام کرنے کا تجربہ، بحیرۂ عرب اور بحر ہند تک رسائی اور، ناگزیر طور پر، جوہری ہتھیار رکھنے والی ریاست ہونے کی وجہ سے حاصل ہونے والا سیاسی وزن رکھتا ہے۔

......اس ڈھانچے کی سب سے دانش مندانہ صورت وہ ہو گی جو اپنے آپ کو دشمنوں کے گرد نہیں بلکہ مشترکہ مفادات اور علاقائی عوامی مفادات، مثلاً بحری جہاز رانی کی آزادی، اہم بنیادی ڈھانچے کا تحفظ، انسدادِ دہشت گردی، دفاعی صنعت کی مضبوطی اور بحرانوں کے مقابل اس کی لچک، میزائلوں اور ڈرونز کے خلاف دفاع، انٹیلی جنس تعاون اور بحرانوں سے نمٹنے، کے گرد منظم کرے۔ آخر کار یہی فرق طے کرے گا کہ مکہ معاہدہ خطے میں استحکام لاتا ہے یا محض اس میں تقسیم کی ایک اور لکیر کھینچ دیتا ہے۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ مکہ اس عمل کے آغاز کے لیے اتنی اہم جگہ ہے۔ اس کی سب سے بڑی علامت شاید یہ نہیں کہ تین مسلم ریاستیں وہاں اکٹھی ہوئیں۔ اصل اہمیت شاید اس بات میں ہے کہ تین بڑھتی ہوئی اہمیت کی حامل درمیانی طاقتوں نے مکہ کو اس اعلان کے لیے منتخب کیا کہ خطے کی ریاستیں خود اپنے گرد تشکیل پانے والے سکیورٹی نظام کی تشکیل میں زیادہ مؤثر کردار ادا کرنا چاہتی ہیں۔

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد کے بیشتر عرصے میں مشرقِ وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کے سکیورٹی نظاموں پر زیادہ تر واشنگٹن، لندن، ماسکو یا، بڑھتے ہوئے طور پر، بیجنگ میں بحث ہوتی رہی ہے۔

شاید مکہ سے آنے والا گہرا پیغام محض اتنا ہے: جو ممالک اب تک سکیورٹی کے صارف رہے ہیں، وہ بتدریج اس کے فراہم کنندہ اور تشکیل کار بننا چاہتے ہیں۔

یہ 'اسلامی نیٹو' سے کہیں بڑی جغرافیائی سیاسی کہانی ہے۔"

[The Wire]

یہ معاہدہ جس کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ خطے کے باقی برادر اسلامی ممالک کے لیے کھلا ہوا ہے، ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جبکہ ایران امریکہ جنگ کی قیمت پورا مشرق وسطی چکا رہا ہے اور امریکہ کے لیے اس خطے میں اسرائیل کے اور خود اس کے مفادات ہی ترجیح ہیں اور سعودی عرب جہاں مسلسل یہ کوشش کرتا نظر آ رہا ہے کہ ایران کے ساتھ براہ راست تصادم سے گریز کرے وہیں یمن سے حوثیوں کے ساتھ محاذ آرائی کا شکار ہے۔ ایک سال قبل بھی پاکستان سے دفاعی معاہدے کی مد میں ۸ ہزار پاکستانی فوجی سعودیہ میں تعینات ہو چکے ہیں۔ ایسے میں سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا سعودی عرب کے مطالبے پر پاکستان یا ترکیہ علی الاعلان حوثیوں کے خلاف کاروائی کرنے کے متحمل ہیں؟

پاکستان کی یہ صورتحال ہے کہ اندرونی طور پر پورا حکومتی سسٹم وینٹیلیٹر پر ہے۔ عملاً ملک فوج اور ایجنسیوں کے ہاتھ میں ہے اور سیاستدانوں کی حیثیت کٹھ پتلیوں کی سی ہے، جن کی ڈور فیلڈ مارشل کے ہاتھ میں ہے۔ مالی طور پر اس قدر برے حالات ہیں کہ متوسط طبقہ مفقود ہو گیا ہے اور غریب کو دو وقت کی روٹی تک میسر نہیں ہے لیکن پھر بھی حکومت کے خلاف یا اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے کی ہمت کوئی نہیں کر سکتا، اور آئی ایس پی آر کے بقول ملک "ہارڈ سٹیٹ" بن گیا ہے۔ پختونخواہ اور بلوچستان کے حالات بھی قابو سے باہر ہیں ایسے میں پاکستان کے لیے اس معاہدے میں سب سے پرکشش سعودی سرمایہ اور ترکیہ کی ڈرون ٹیکنالوجی محسوس ہوتی ہے۔

ترکیہ بھی، جو کہ خود ایک نیٹو رکن ہے، خطے میں شاید کسی اہم رول کی تلاش میں اس معاہدے کا حصہ بنا۔ کیونکہ خطے کے تیزی سے تبدیل ہوتے منظر نامے میں ابھی بہت کچھ کھل کر آنا باقی ہے۔

کچھ تجزیہ نگار کہہ رہے ہیں کہ یہ اتحاد اس لیے بنا کہ اب سعودی عرب اور دیگر خطے کے ممالک کا امریکہ کے اوپر سے اعتماد اٹھ گیا ہے کہ وہ ان کے مفادات کا تحفظ کرے گا، جبکہ کچھ کا کہنا یہ ہے کہ یہ معاہدہ ہوا ہی امریکہ کی مرضی سے ہے۔ یہ دوسری رائے ہی زیادہ حقیقی نظر آتی ہے کیونکہ ان تینوں حکمرانوں میں یہ جرات ہی نہیں کہ امریکہ کے خلاف چوں بھی کر لیں کجا امریکہ کے خلاف متحد ہو جائیں۔

اگرچہ پورے مشرق وسطی میں طاقت کا توازن بہت تیزی سے ڈگمگا رہا ہے، نہ تو امریکہ نہ ہی ایران پیچھے ہٹنے کے لیے تیار ہے، ادھر ٹرمپ کو مڈ ٹرم الیکشن کی فکر ہے کیونکہ نیتن یاہو نے اسے ایک ایسی جنگ میں دھکیل دیا ہے جو امریکہ کے لیے دلدل ثابت ہو رہی ہے، لیکن ان پورے حالات سے جو سب سے زیادہ فائدہ اٹھا رہا ہے وہ اسرائیل ہے، جو ایک ناسور کی طرح پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ غزہ پر سے قبضہ ختم کرنے سے انکار کر دیا، مغربی کنارے کی فلسطینی آبادی کو بھی تیزی سے اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے اور لبنان و شام کے علاقوں میں بھی بیک وقت آگے بڑھ رہا ہے۔ اور اس کے ناپاک عزائم کو کامیاب کرنے کے لیے اسے خطے کے اہم ممالک کی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہ ایک ایسا ناسور ہے جس کی جڑیں نہ کاٹی گئیں تو بے قابو ہو کر ایک بہت بڑے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ لیکن افسوس صد افسوس اس مکہ معاہدہ میں نہ تو فلسطینیوں کا کوئی ذکر ہے نا غزہ کا اور نہ ہی مسجد اقصیٰ کی حفاظت کا کوئی عزم شامل ہے۔ مسلمانوں کے مقدس ترین مقام پر بیٹھ کر بھی فلسطینیوں پر جاری ظلم، غزہ کی نسل کشی، لبنان اور شام میں مسلمانوں کی اراضی پر قبضہ اور سب سے بڑھ کر قبلہ اول مسجد اقصی کی پامال ہوتی حرمت پر ان کے معاہدے میں کیا ان کے منہ سے بھی اسرائیل کے خلاف دو بول نہ نکلے۔ ایسے میں یہ معاہدہ کورے کاغذوں کا ایک پلندہ ہے جو صرف ان حکمرانوں کے اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے بنایا گیا، لیکن وہ بھی زبانی جمع خرچ سے آگے نہیں بڑھے گا۔ اس لیے امت مسلمہ کے لیے کسی بھی ایسے معاہدے کی کوئی حیثیت نہیں جو اسرائیل اور اس امریکہ کی خطے میں جاری غنڈہ گردی پر کوئی مشترکہ آواز نہ اٹھائے۔

☆☆☆☆☆

ملامت سے دین میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے

ارشاد فرمایا کہ طالبِ حق کو تو ملامت میں اور زیادہ مزہ آتا ہے اور ملامت میں ایک عجیب نکتہ بھی ہے، وہ یہ کہ اس سے دین میں پختگی ہو جاتی ہے، جب تک ملامت نہ ہو خامی رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب چاروں طرف سے ملامت کی بوچھاڑ پڑنے لگتی ہے تو اس کو طبعاً چڑ ہو جاتی ہے اور اپنے فعل پر اصرار پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے کام میں اور پختہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے شادی میں کوئی رسم نہیں کی، اس پر اس کو لوگوں نے ملامت شروع کی تو یہ شخص ترکِ رسوم میں اور زیادہ پختہ ہو جائے گا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے کوئی شے بے حکمت پیدا نہیں فرمائی، خواہ وہ شے آفاقی ہو یا انفسی۔ مثلاً چڑ کہ بظاہر موذی اور مضر معلوم ہوتی ہے مگر اس میں یہ نفع نکلا کہ اس سے دین کو پختگی ہو سکتی ہے۔ اس طرح جس قدر خواصِ طبعی ہیں سب نافع ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (نوّر اللہ مرقدہ)

(خطباتِ حکیم الامت: جلد ۱۹، صفحہ ۱۵)

رکیے!

اگر آپ اپنوں کی دشمن اور کافروں کی دوست اِن کمپنیوں کو بند نہیں کر سکتے

تو کم از کم اِن کی مصنوعات تو مت خریدیے!

صہیونی مصنوعات کا......

#بائیکاٹ_کیجیے!

اسرائیل اپنی جنگ بندیوں کو ’آزما‘ نہیں رہا، ان کی خلاف ورزی کر رہا ہے

بیری میلون

جنگ بندی کی خلاف ورزی ثابت ہونے سے پہلے آپ کو کتنے لوگوں کو قتل کرنا ہو گا؟

یقیناً ایک۔ لیکن دو کا کیا؟ ۱۰ کا؟ ۱۰۰ کا؟

یا پھر ۱۲۰۰ سے بھی زیادہ کا؟ اکتوبر میں حماس کے ساتھ بظاہر جنگ بندی پر رضامندی کے بعد سے اسرائیل نے غزہ میں اتنے ہی فلسطینیوں کو قتل کیا ہے۔

اسرائیل نے جنوبی لبنان پر بھی مسلسل حملے جاری رکھے ہیں، حالانکہ وہاں بھی ایک ’جنگ بندی‘ موجود ہے۔ لیکن مغربی میڈیا کو بظاہر کوئی خلاف ورزی نظر ہی نہیں آتی۔ اس کے بجائے اسے ایسی جنگ بندیاں دکھائی دیتی ہیں جو ”نازک“، ”آزمائش سے دوچار“، ”دباؤ کا شکار“ یا ”غیر مستحکم“ ہیں۔

جبکہ خبروں کی رپورٹنگ میں صحت اور درستگی بنیادی اصول ہونے چاہئیں، آپ تصور کریں گے کہ بی بی سی، رائٹرز، ایسوسی ایٹڈ پریس اور سی این این جیسے اداروں نے مصر میں اسرائیل اور حماس کے درمیان طے پانے والے معاہدے کی شرائط ضرور پڑھی ہوں گی۔ ان شرائط میں کوئی ابہام نہیں، اور واقعی ان کی تشریح کی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔

پہلے ۷۲ گھنٹوں کے اندر کچھ شرائط پوری کیا جانا ضروری تھا، اس کے بعد ہی جنگ بندی نافذ ہو سکتی تھی۔ ان میں اسرائیلی افواج کا غزہ کے اندر متفقہ حدود تک واپس جانا، اور حماس کی جانب سے تمام باقی ماندہ اسرائیلی یرغمالیوں، زندہ یا مردہ، کی واپسی شامل تھی۔

جب یہ پیشگی شرائط پوری ہو گئیں، اور وہ پوری ہو گئی تھیں، تو معاہدے کے متن میں کہا گیا کہ ”تمام فوجی کارروائیاں، بشمول فضائی اور توپ خانے کی بمباری اور اہداف کو نشانہ بنانے کی کارروائیاں، معطل کر دی جائیں گی“۔

ان الفاظ پر ذرا ٹھہرنا چاہیے: ”تمام فوجی کارروائیاں، بشمول فضائی اور توپ خانے کی بمباری اور اہداف کو نشانہ بنانے کی کارروائیاں، معطل کر دی جائیں گی“۔

اب ان الفاظ کو ایک ہزار سے زیادہ مقتول فلسطینیوں کے ساتھ ملا کر دیکھیے۔ اس حقیقت کے ساتھ ملا کر دیکھیے کہ ان میں بہت سی خواتین اور بچے تھے۔ اسے جنوبی لبنان پر اسرائیلی حملے کے ساتھ ملا کر دیکھیے، جس میں اسکول کی پرنسپل ایسپیرانزا غندور، ان کی والدہ، ایک گھریلو ملازمہ اور ایک شامی مزدور اس وقت مارے گئے جب وہ سب ایک ہی گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔

اسے گزشتہ ماہ ایک فلسطینی جنازے میں مارے جانے والے آٹھ افراد کے ساتھ ملا کر دیکھیے۔ اور ذرا یہ بھی کوشش کیجیے کہ غزہ پر اسرائیلی حملے کو ان الفاظ کے ساتھ ملا کر دیکھ سکیں، جس میں فراس المصری، ان کی اہلیہ سلسبیل، اور ان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا مارے گئے۔

ایک قابض فوج نے انہیں اس وقت موت کے گھاٹ اتار دیا جب وہ اپنے خاندانی گھر میں سو رہے تھے، وہ جگہ جو محبت، تحفظ اور سلامتی کی علامت ہونی چاہیے۔

مجھے مغربی میڈیا میں ایک بھی ایسی رپورٹ نہیں ملی جس میں المصری خاندان کے قتل عام کو جنگ بندی کی خلاف ورزی قرار دیا گیا ہو۔ ایسی ہی بے شمار دوسری ہولناک کارروائیوں میں بھی یہی طرزِ عمل نظر آتا ہے۔

اسرائیل نے کہا کہ اس نے حماس کے ایک رکن کو نشانہ بنایا تھا، لیکن ہمیشہ کی طرح کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا۔ لیکن مثال کے طور پر فرض کر لیتے ہیں کہ فراس المصری حماس میں شامل تھے۔ آخر کار اکتوبر کے اس جعلی معاہدے کے بعد جب بھی اسرائیل یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے حماس کے کسی رکن کو قتل کیا ہے، مغربی میڈیا کو اس پر کوئی اعتراض نظر نہیں آتا۔

لیکن اسرائیل نے جنگ بندی کا معاہدہ کس کے ساتھ کیا تھا؟ جی ہاں، حماس کے ساتھ۔

ان میں سے کوئی بھی مضبوطی سے قائم حقیقت بین الاقوامی صحافیوں کو اپنا یہ فرض ترک کرنے سے نہیں روکتی کہ وہ واقعات کو وہی نام دیں جو درحقیقت ان کے ہیں۔

المصری خاندان کو دانستہ نشانہ بنا کر قتل کیے جانے سے متعلق رائٹرز کی ایک رپورٹ نے اس ہولناک واقعے کی کچھ تصویر ضرور پیش کی، اور المصری کے والد کا بیان بھی نقل کیا، جو اپنے بیٹے، بہو، پوتے اور تین پوتیوں کی موت پر سوگوار تھے۔

لیکن اس کے باوجود خبر رساں ادارہ ۵۰۰ الفاظ پر مشتمل رپورٹ میں، جس میں گزشتہ چند دنوں کے دوران غزہ پر اسرائیل کے پانچ دیگر حملوں کا بھی ذکر تھا، کہیں بھی یہ کہنے کے قریب تک نہیں پہنچا کہ اسرائیل نے جنگ بندی کی خلاف ورزی کی ہے۔

اس کے بجائے رائٹرز نے جنگ بندی کو ایک ایسی موجودہ حقیقت کے طور پر پیش کیا، نہ کہ ایسی فرضی چیز کے طور پر جسے روزانہ نظر انداز کیا جا رہا ہے، اور اس نے یہ حیران کن جملہ لکھا:

> ”تازہ ترین ہلاکتوں سے ان ۱،۱۶۰ سے زیادہ فلسطینیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے، جن میں زیادہ تر عام شہری ہیں اور جو اسرائیل اور

حماس کے جنگجوؤں کے درمیان اکتوبر میں جنگ بندی نافذ ہونے کے بعد سے اسرائیلی حملوں میں مارے جا چکے ہیں۔"

"جنگ بندی نافذ ہونے کے بعد سے۔"

اس سے اس فرق کے بارے میں بہت کچھ پتا چلتا ہے کہ بین الاقوامی میڈیا اسرائیل کی رپورٹنگ کس طرح کرتا ہے اور تقریباً ہر دوسرے ملک کی رپورٹنگ کس طرح کرتا ہے۔ ایک ایسا نامور خبر رساں ادارہ، جو ہر لفظ کے انتخاب میں اپنی محتاط غور و فکر کے لیے مشہور ہے، آخر کار کیسے ایسا جملہ لکھ سکتا ہے؟

دریں اثنا، غندور اور تین دیگر افراد کو ہلاک کرنے والے لبنان پر حملے سے متعلق بی بی سی کی رپورٹ اپنے عریاں دوہرے معیار کے باعث حیران کن تھی۔

رائٹرز کی طرح بی بی سی نے بھی سرخی میں "کے بعد سے" کے الفاظ کا انتخاب کیا:

"حالیہ جنگ بندی کے بعد لبنان پر اسرائیل کے مہلک ترین حملے میں اسکول کی سربراہ سمیت چار افراد ہلاک۔"

البتہ وہ گمشدہ لفظ "خلاف ورزی" خود خبر کے متن میں ضرور نمودار ہوا: ایک پیراگراف میں لکھا تھا:

"اسرائیل وقفے وقفے سے حملے جاری رکھے ہوئے ہے اور اس کا الزام ہے کہ ایران کی حمایت یافتہ حزب اللہ معاہدے کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔"

بی بی سی نے چار بے گناہ افراد کے اسرائیلی قتل پر ایک خبر شائع کی، جس کے بعد اسرائیلی فوج نے مضحکہ خیز طور پر کہا کہ اس نے گاڑی پر اس لیے بمباری کی کیونکہ وہ اس کے فوجیوں کے لیے "خطرہ" تھی، لیکن اس نے جن واحد خلاف ورزیوں کا ذکر کیا وہ دوسروں کے خلاف اسرائیل کے غیر ثابت شدہ الزامات تھے۔

اس طرح کی صحافت ان تمام اصولوں کے بالکل برعکس ہے جو ایک مغربی ادارے میں نوجوان خبر نگار کی حیثیت سے میرے ذہن میں بٹھائے گئے تھے۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے: ان اداروں کے لیے کام کرنے والے صحافی آپ کو بتائیں گے کہ وہ منصفانہ اور متوازن رپورٹنگ کرتے ہیں۔

وہ غالباً یہ بھی کہیں گے کہ جو خبر رساں ادارے غزہ میں ہونے والے واقعات کو نسل کشی قرار دیتے ہیں، جیسے مڈل ایسٹ آئی، الجزیرہ اور زیٹو، وہ جانبدار ہیں، یا یہ کہ وہ میڈیا کے پیشہ ور افراد نہیں بلکہ کارکن ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔

جب بات اسرائیل کی آتی ہے تو ان خبر نویسی کے اداروں نے اس جگہ کو سنبھال لیا ہے جسے مرکزی دھارے کے میڈیا نے خالی چھوڑ دیا ہے، یعنی وہ جگہ جہاں واقعات کو درست اور پوری سختی و دیانت داری کے ساتھ رپورٹ کیا جاتا ہے۔

اگرچہ قتل جنگ بندی کے معاہدوں کی سب سے واضح خلاف ورزیاں ہیں، لیکن اور بھی خلاف ورزیاں موجود ہیں۔ غزہ کے معاہدے میں صاف الفاظ میں کہا گیا تھا کہ اسرائیلی فوج "ان علاقوں میں واپس نہیں جائے گی جہاں سے وہ انخلا کر چکی ہے"۔ اس میں یہ بھی درج تھا کہ اسرائیل نے "انسانی امداد اور ریلیف کی مکمل رسائی فوری طور پر شروع کرنے" پر رضامندی ظاہر کی تھی۔

لیکن اسرائیلی فوج نہ صرف ان علاقوں میں واپس گئی جہاں سے وہ انخلا کر چکی تھی، بلکہ وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو نے علانیہ غزہ پر قبضے کو علاقے کے ۷۰ فیصد تک پھیلانے کا حکم بھی دے دیا، جس کے نتیجے میں زیادہ تر فلسطینی ساحل کے ساتھ ایک چھوٹی سی پٹی میں محصور ہو گئے۔

اور اقوام متحدہ کے اداروں کے مطابق اسرائیل نے غزہ میں طے شدہ مقدار میں امداد داخل ہونے کی اجازت نہیں دی، جہاں اقوام متحدہ نے حال ہی میں خبر دار کیا ہے کہ قحط کا خطرہ ایک بار پھر بڑھ رہا ہے۔

کیا مغربی میڈیا نے ان تصدیق شدہ حقائق کو خلاف ورزیوں کے طور پر رپورٹ کیا ہے؟ ہر گز نہیں۔

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے گزشتہ ہفتے اعلان کیا کہ حماس اور اسرائیل نے ان کے غزہ منصوبے کے دوسرے مرحلے کی طرف بڑھنے پر اتفاق کر لیا ہے، جس میں حماس اور دیگر فلسطینی دھڑوں کو غیر مسلح کرنا اور اسرائیلی فوج کا غزہ سے انخلا شامل ہے۔

لیکن منصوبے سے متعلق پیچیدہ سوالات بدستور موجود ہیں، اور اسرائیل جنگ بندی کی خلاف ورزی جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس نے ہفتے کے روز مزید دو فلسطینیوں کو قتل کیا اور دیر البلح میں الاقصیٰ شہداء ہسپتال میں ادویات ذخیرہ کرنے کی تنصیبات تباہ کر دیں۔

اگر، اور یہ ایک بڑا "اگر" ہے، دوسرا مرحلہ آگے بڑھتا ہے تو ایسا اسرائیل، جو فلسطینی مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے پر کسی انجام کا سامنا نہیں کرتا، غالباً ایک بار پھر اس کی شرائط کی خلاف ورزی کرے گا۔

اور مغربی میڈیا اسے دیکھنے سے انکار کر دے گا۔

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

اسرائیلی جیلوں میں جانوروں کا استعمال

وسعت اللہ خان

گزشتہ ماہ اسرائیلی وزیر برائے قومی سلامتی اتمار بین گویر نے ایک اور اچھوتا اعلان کیا کہ عقوبت خانوں میں بند ہزاروں فلسطینی قیدیوں کو فرار سے روکنے کے لیے بندی خانوں کے ارد گرد بڑی بڑی خندقیں کھود کے ان میں دریائے نیل کے امپورٹڈ مگر مچھ چھوڑے جائیں گے۔ اس ''نیک'' کام کی ابتدا جنوبی اسرائیل کے صحرائے نجف میں قائم سب سے بڑی جیل ''کیٹزیوٹ'' سے ہو گی۔

واضح رہے کہ بین الاقوامی قوانین کے تحت انسانوں کو اذیت یا موت دینے کے لیے جنگلی جانوروں کا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اس عمل کو ''قانونی پوشاک'' پہنانے کے لیے اسرائیلی وزارتِ ماحولیات نے مگر مچھ کو ''پالتو جنگلی جانوروں'' کی فہرست میں شامل کر دیا (پالتو جنگلی جانور کی اسرائیلی اصطلاح جنگلی حیاتیات کے کسی بین الاقوامی کنونشن میں شامل نہیں)۔

جیلوں کی حفاظت مگر مچھوں کے ذریعے؟ یہ آئیڈیا اتمار بین گویر نے غالباً فلوریڈا میں قائم غیر قانونی تارکین وطن کے قیدی کیمپ ''ایلیگیٹر الکتراز'' سے لیا ہے۔ صدر ٹرمپ بھی اس کیمپ کا گزشتہ برس دورہ کر چکا ہے۔ یہ کیمپ مگر مچھوں، اژدھوں اور زہریلے حشرات سے اٹے دلدلی علاقے میں قائم ہے۔ خود اسرائیلی بھی فلسطینیوں کو مکمل حیوان یا نیم انسان سمجھتے ہیں۔ لہذا ''جانور'' پر ''جانور'' چھوڑنا صہیونی ضابطِ اخلاق میں ایک معمول کی بات سمجھی جاتی ہے۔ بھلا کون سا صہیونی رہنما یا عہدیدار ہے جس نے فلسطینیوں کو کھلم کھلا جانور نہیں کہا۔

سن ۶۰ء کی دہائی میں تب کے وزیرِ دفاع موشے دایان نے فلسطینیوں کو ''کتیا'' اور ''کتا'' بتایا۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں اسرائیلی وزیرِ اعظم منیہم بیگن نے اعلان کیا کہ فلسطینی دراصل دو ٹانگوں والے جانور ہیں۔ اس کے بعد آنے والے وزیرِ اعظم اسحاق شمیر کا خیال تھا کہ فلسطینی دراصل ٹڈیاں ہیں۔ فوج کے ایک سابق سربراہ جنرل رافیل ایتان نے فلسطینیوں کو لال بیگ بتایا۔ ایک اور وزیرِ اعظم یہود براک نے بتایا کہ فلسطینی مگر مچھ ہیں۔ سات اکتوبر ۲۰۲۳ء کے حملے کے بعد اس وقت کے اسرائیلی وزیرِ دفاع یوو گیلنٹ نے تمام فلسطینیوں کو انسان نما جانور قرار دیا۔

صہیونیت کے باوا آدم تھیوڈور ہرزل نے ایک صدی پہلے فلسطین کو فلسطینیوں سے خالی کروانے کے لیے جو تجاویز مرتب کیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اس خطے کو زہریلے سانپوں سے پاک کروانے کا کام مقامی باشندوں (عرب) سے لیا جائے اور انہیں اس کام کا مناسب معاوضہ بھی ملنا چاہیے۔

اسرائیل کے قیام کے بعد صہیونی انتظامیہ نے ان تمام چرند و پرند کو اس سرزمین میں پھر سے بسانے کا منصوبہ بنایا جن کا ذکر مقدس کتابوں میں موجود تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہاں کے لیے نایاب ہو گئے تھے۔ مثلاً ایرانی ہرن اور جنگلی گدھے وغیرہ۔ شاہ ایران نے زوال سے چند برس پہلے کچھ جنگلی گدھے تحفے میں بھجوائے جنہیں جنوبی اسرائیل کے صحرا میں چھوڑا گیا اور ان کا شکار، پکڑ دھکڑ یا جسمانی نقصان پہنچانا یا بھوکا مارنا قابلِ تلافی جرم قرار پایا۔ عرب بدوؤں کے پالتو اونٹوں کو ممانعت ہو گئی کہ وہ ان جنگلی گدھوں کے لیے مختص تالابوں سے پانی نہیں پی سکتے ورنہ بھاری جرمانہ ہو گا۔ اسی طرح ایرانی ہرنوں کو مغربی کنارے کے پتھریلے علاقے میں چھوڑنے سے پہلے یہاں سے مقامی جنگلی کتوں کی نسل کا صفایا کر دیا گیا۔ گولڈ فنچ نامی چڑیا فلسطینی بہت شوق سے پالتے ہیں۔ اسے پالنا بھی غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ یہاں تک کہ فلسطین کے نایاب سانپ کی شناخت تک چرا کے دو ہزار اٹھارہ میں اسے اسرائیل کے قومی سانپ کا درجہ دے دیا۔

اسرائیلی اسٹیبلشمنٹ یہ بھی نہیں چاہتی کہ اسے جانوروں پر ظلم یا غیر فطری کام لینے کا ملزم سمجھا جائے۔ چنانچہ جب غزہ کے معروف شاعر رفعت العریر نے بمباری کے سبب غزہ کے چڑیا گھر میں قید فاقہ زدہ یا مرے ہوئے جانوروں کا احوال دنیا کو بتانے کی کوشش کی تو ہفتے بھر بعد اسرائیلی طیاروں نے رفعت العریر کو گھر اور اہلِ خانہ سمیت اڑا دیا۔

غزہ میں بار برداری اور سفر کے لیے گھوڑوں اور گدھوں کا استعمال بہت پرانا ہے۔ اسرائیل نے نہ صرف غزہ کی ۸۴ فیصد ہریالی روند ڈالی بلکہ انسانوں کے ساتھ ساتھ ان کے زیرِ استعمال ۹۷ فیصد مویشی بھی بھوک اور بمباری کی نذر ہو گئے۔ بڑی تعداد میں پالتو جانور چرا لیے گئے۔ گویا انسان کشی کے ساتھ ساتھ بھرپور حیوانی و حیاتیاتی نسل کشی بھی ہوئی۔

مقبوضہ مغربی کنارے پر تو اب یہ معمول ہے کہ فوج کی سرپرستی میں مسلح یہودی آبادکار گھروں اور کھلیانوں کو آگ لگاتے ہیں۔ زیتون کے باغات بلڈوز کرتے ہیں اور پالتو جانور کھول کے لے جاتے ہیں۔

فلسطینیوں کے خلاف جنگلی جانوروں کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کا سلسلہ بھی مسلسل ہے۔ ۲۰۰۹ء کے بعد متعدد بار مغربی کنارے پر فلسطینی کھیتوں میں بڑی تعداد میں جنگلی سور چھوڑے گئے تاکہ وہ فصلیں روند سکیں اور انسانوں کو زخمی کر سکیں۔ مغربی کنارے پر اسرائیلی بستیوں کے ارد گرد مضبوط باڑھ کے سبب یہ سور ان بستیوں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ جب کہ فلسطینی دیہاتوں میں حفاظتی باڑھ لگانے کی اجازت نہیں۔ گویا ان سوروں کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے لہذا انہیں مارا بھی نہیں جا سکتا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۵ پر)

آبادکاروں کی دہشت گردی صہیونی خواب کی جدید شکل

فادی زتاری

انیسویں صدی کے اواخر میں صہیونی تحریک کے باقاعدہ آغاز سے کئی دہائیاں پہلے، جرمن یہودی مفکر موسیٰ ہیس(Moses Hess) نے اپنے متنازع مسودے "Rome and Jerusalem: The Last National Question (1862)" میں تجویز پیش کی کہ فلسطین میں آبادکاری کے ذریعے ایک یہودی ریاست قائم کی جائے، جسے ”سوشلسٹ زرعی برادریوں“(socialist agricultural communities) کی شکل دی جائے۔

اس نے فلسطین کی نوآبادکاری کی حمایت کی اور ارضِ مقدس کو سلطنتِ عثمانیہ کے ایک فراموش شدہ گوشے کے طور پر دیکھا، محض ایک ایسی خالی سرزمین کے طور پر جسے ”یہودی قوم“ کے مفاد میں استعمال کیا جانا چاہیے۔

بیس برس بعد، ۱۸۸۲ء میں، روسی یہودی مفکر لیون پنسکر(Leon Pinsker) نے ”خود آزادی“(Auto-Emancipation) کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا، جس میں اس نے لکھا: ”ہم جو زمین خریدنے والے ہیں، وہ زرخیز اور اچھی جگہ پر واقع ہونی چاہیے، اور اس کا رقبہ اتنا وسیع ہو کہ کئی ملین افراد کو آباد کیا جا سکے“۔

صہیونیت کے بڑے نظریہ سازوں کے ہاں مقامی فلسطینی قوم کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ان کے نزدیک فلسطین ”ایک خالی سرزمین“ تھا۔

حتیٰ کہ پنسکر کے ہاں بھی اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ وہ یہ زمین کس سے خریدنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بنیادی مقصد تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے ایک یہودی آبادکار نوآبادیاتی ریاست قائم کرنا تھا۔

ہگانا(Haganah) اور لیحی (Lehi) جیسی نیم فوجی تنظیمیں، جو اپنی نوعیت میں دہشت گرد تنظیمیں تھیں، فلسطین میں اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کرتی رہیں۔ نکبہ کے دوران ۵۰۰ سے زائد فلسطینی شہروں اور دیہات کی نسلی تطہیر، بڑے پیمانے پر قتلِ عام، نسل کشی اور مکمل تباہی کا سلسلہ جاری رہا، اس عمل میں تاریخی فلسطین کا بیشتر حصہ چھن گیا اور ۷۵۰,۰۰۰ سے زیادہ فلسطینیوں کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔

جب ۱۹۴۸ء میں اسرائیل قائم ہوا تو یہ دہشت گرد تنظیمیں، ان کے ارکان اور رہنما، سب اس میں ضم ہو گئے جسے آج اسرائیلی فوج کے نام سے جانا جاتا ہے۔

۱۹۴۸ء تک اسرائیل دہشت گردی اور تشدد کے ذریعے تاریخی فلسطین کے ۷۸ فیصد حصے کو پہلے ہی نوآبادیاتی قبضے میں لے چکا تھا۔ دو دہائیوں سے بھی کم عرصے بعد، بالخصوص ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ کے دوران، اسرائیل نے باقی ماندہ فلسطینی علاقوں، یعنی غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے، بشمول مشرقی یروشلم، کو بھی نوآبادیاتی قبضے میں لے لیا۔

اسرائیلی کمانڈروں نے اسے ۱۹۴۸ء میں ادھورا رہ جانے والے کام کی تکمیل کے طور پر دیکھا۔ مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی بستیوں کی توسیع ۱۹۶۷ء سے مسلسل جاری ہے، حتیٰ کہ فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کے ساتھ نام نہاد ”امن عمل“ کے دوران بھی۔

بیشتر مین سٹریم اسرائیلیوں اور صہیونیوں کے نزدیک اسرائیل کو ایک خالصتاً یہودی ریاست ہونا چاہیے جو تمام فلسطینی سرزمین پر کنٹرول رکھتی ہو۔ فطری طور پر، مغربی کنارہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ صہیونی نظریہ سازوں کے لیے اسرائیل، یا نام نہاد ”عظیم تر اسرائیل“، کا ایسا تصور تقریباً مضحکہ خیز ہے جس میں مغربی کنارے کی مکمل محکومی اور مکمل نوآبادکاری شامل نہ ہو۔

قانونی اعتبار سے اسرائیل نے فلسطینی علاقوں پر اپنے فوجی کنٹرول اور نوآبادیاتی قبضے کو کبھی ”قبضہ“ تسلیم نہیں کیا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ علاقے، غزہ، مغربی کنارہ اور مشرقی یروشلم، متنازع علاقے ہیں، جہاں فلسطینی محض رہائشی ہیں، شہری نہیں۔

۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ کے بعد سے فوجی احکامات کے ذریعے فلسطینیوں کی محکومی میں بتدریج اضافہ کیا گیا ہے۔ ایسے ۲,۵۰۰ سے زیادہ احکامات جاری کیے جا چکے ہیں جن کے ذریعے فلسطینی زمین ضبط کی گئی، یہودی بستیاں تعمیر اور وسیع کی گئیں، سڑکیں بند کی گئیں اور زندگی کے تمام پہلوؤں کو کنٹرول کیا گیا۔ مقصد فلسطینیوں کو ان کے بنیادی حقوق، بشمول نقل و حرکت، تعلیم اور آزادی، سے محروم کرنا ہے۔

گزشتہ ایک دہائی کے دوران اسرائیل نے فلسطینی زمین کی غیر قانونی ضبطی اور بستیوں کی توسیع میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ اس وقت تقریباً ۷۵۰,۰۰۰ اسرائیلی آبادکار مقبوضہ مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم میں رہتے ہیں۔ یہ توسیع صرف انفرادی سطح پر تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے نہیں بلکہ زیادہ نمایاں طور پر ریاست کی مکمل مالی اور فوجی سرپرستی میں کی جا رہی ہے۔

۷ اکتوبر ۲۰۲۳ء سے مغربی کنارے میں آبادکاروں کی دہشت گردی میں غیر معمولی شدت آئی ہے، جسے اسرائیلی فوج کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ آبادکاروں کی دہشت گردی کی منظم مہمات، جن کے ساتھ علاقے کے نوآبادیاتی انتظامی اور قانونی ڈھانچے میں ریاست کی جانب سے کی جانے والی نمایاں تبدیلیاں بھی شامل ہیں، نے بدوی آبادیوں کی بے دخلی،

مویشی چرانے کے لیے قائم چوکیوں کے پھیلاؤ اور فلسطینی برادریوں کی بڑھتی ہوئی تقسیم و انتشار کو جنم دیا ہے۔

مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی بستیاں فلسطینی دیہات اور شہروں کو ایک دوسرے سے کاٹ کر انہیں منتشر اور منقسم کر دیتی ہیں۔ ریاستی پالیسیاں اور اقدامات اس صورتِ حال کو مزید سنگین بنا دیتے ہیں، جن میں سینکڑوں فوجی چیک پوسٹوں، دروازوں اور سڑکوں پر دیگر رکاوٹوں کی تنصیب اور نگرانی شامل ہے۔

یہ حالات کسی ایک فلسطینی شہر یا گاؤں کو دوسرے سے ملانا تقریباً ناممکن بنا دیتے ہیں، جس سے امن کے امکانات اور ایک قابلِ عمل مستقبل کی فلسطینی ریاست کے امکانات دونوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

آبادکار فلسطینیوں کی زمین چوری کرتے ہیں اور انہیں اس پر کاشت کرنے سے روکتے ہیں، اور یہ سب کچھ اسرائیلی فوج کے تحفظ میں ہوتا ہے۔ ہیومن رائٹس واچ کا کہنا ہے کہ مقبوضہ علاقوں میں اسرائیل کی پالیسیاں انسانیت کے خلاف جرائم کے زمرے میں آتی ہیں، جن میں نسلی امتیاز اور ایذارسانی شامل ہیں۔

اسرائیل کا حتمی مقصد مقبوضہ علاقوں کے مکمل الحاق اور تمام فلسطینیوں کو ان کے وطن سے بے دخل کرنے کی راہ ہموار کرنا ہے، یا متبادل طور پر انہیں بکھرے ہوئے اور ایک دوسرے سے الگ جغرافیائی علاقوں میں محصور کر دینا ہے۔

روایتی صہیونی نظریہ سازوں نے اسرائیل کے قیام سے بہت پہلے فلسطینی قوم کے وجود ہی سے انکار کر دیا تھا۔ آج اسرائیلی پالیسی اور آبادکاروں کی دہشت گردی انسانیت کے مرتبے سے گرانے کے ایک جاری عمل کے ذریعے فلسطینیوں کے وجود اور شناخت سے انکار کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اس کا ایک نمایاں اظہار اسرائیل کے سابق وزیرِ دفاع یوآو گیلنٹ کے اس بیان میں ہوا، جب اس نے اکتوبر ۲۰۲۳ء میں غزہ کا مکمل محاصرہ کرنے کا حکم دیا اور کہا: ’’بجلی نہیں ہو گی، خوراک نہیں ہو گی، ایندھن نہیں ہو گا، سب کچھ بند ہے۔ ہم انسان نما جانوروں سے لڑ رہے ہیں اور اسی کے مطابق عمل کر رہے ہیں‘‘۔

ابتدائی صہیونی مفکرین نے، ہیس (Hess) سے لے کر پنسکر (Pinsker) اور زیو جابوٹنسکی (Zeev Jabotinsky) تک، مقامی آبادی کے خلاف دہشت گردی اور تشدد کے ذریعے فلسطین کو نوآبادیاتی قبضے میں لینے کی راہ ہموار کی۔ آج مقبوضہ مغربی کنارے میں منظم اسرائیلی آبادکار دہشت گردی، جسے ریاستی پالیسی کی پشت پناہی حاصل ہے، مزید فلسطینیوں کی بے دخلی اور یہودی بستیوں کی مزید توسیع کا سبب بن رہی ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۲ پر)

”

امتِ مسلمہ پر لازم ہے کہ وہ فلسطین میں اپنے بھائیوں کے انتفاضے میں بیرونِ فلسطین سے حصہ لے، اس کی مدد کرے، اس کی حمایت کرے، یہود کو قتل کر کے اور دنیا بھر میں ان کے مفادات پر حملہ کر کے اسے تقویت بخشے۔ ہم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کے ممالک اور مسلم سرزمینوں کو یہود کی نجاست سے پاک کریں اور ان کے سب سے بڑے حامی، مددگار اور ارضِ فلسطین میں ان کے وجود کے محافظ، یعنی امریکہ اور مغربی ممالک کی نجاست اور گندگی سے بھی مسلم سرزمینوں کو پاک کریں۔ یہود کے مددگاروں اور حامیوں کو بھی اس کی قیمت اپنے خون سے ادا کرنا ہوگی، اور انہیں بھی وہی تکلیف چکھنی ہوگی جو ہمارے اہلِ فلسطین اور اہلِ غزہ چکھ رہے ہیں۔

شیخ حَـمزہ بِن لادن

نوائے امارت اسلامیہ

خباب ابن السبیل

[امارت اسلامیہ افغانستان کے رسمی اخباری ذرائع سے جمع کردہ خبریں]

سرکاری بیانات واحکامات

منفی پروپیگنڈا ہمیں افغانستان میں اسلامی شریعت کے نفاذ سے نہیں روک سکتا: وزیرِ امر بالمعروف

وزارتِ امر بالمعروف، نہی عن المنکر و سماعتِ شکایات کے زیرِ اہتمام اسلامی قانونِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مؤثر نفاذ کے لیے مرکزی زون کے سات صوبوں کے علمائے کرام، بااثر شخصیات، قبائلی عمائدین اور میڈیا نمائندگان کے ساتھ ایک رابطہ اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر امر بالمعروف، نہی عن المنکر و سماعتِ شکایات شیخ محمد خالد حنفی نے کہا کہ ملک سے باہر موجود چند محدود افراد نظام کے خلاف منفی پروپیگنڈا کر رہے ہیں، جن کا مقصد عوام کی فلاح نہیں بلکہ مالی مفادات کا حصول ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس قسم کی مہمات افغانستان میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے مقصد سے انہیں پیچھے نہیں ہٹا سکتیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا قانون مختلف مراحل سے گزرنے اور مکمل باریک بینی کے ساتھ جائزہ لینے کے بعد توثیق کیا گیا ہے۔ ان کے بقول اگر کوئی شخص اس قانون میں ایسی کوئی شق ثابت کر دے جو اسلامی شریعت سے متصادم ہو، تو وزارت اس کی جواب دہ ہو گی۔ شیخ محمد خالد حنفی نے یقین دہانی کرائی کہ وزارت کے دروازے عوام کے لیے کھلے ہیں اور تمام درخواستوں، شکایات اور تجاویز کو سنجیدگی سے سنا اور ان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ افغان عوام گزشتہ نصف صدی سے جسمانی، فکری اور اعتقادی حملوں کا سامنا کرتے رہے ہیں اور انہیں قومیت، علاقائی اور گروہی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا، تاہم اب ان زخموں کے مداوا کا وقت آ گیا ہے۔ اجلاس میں مرکزی زون کے علمائے کرام، بااثر شخصیات اور قبائلی مشران نے بھی امارت اسلامیہ کی مکمل حمایت کا اظہار کرتے ہوئے عزم ظاہر کیا کہ شرعی قوانین کے نفاذ میں ہر ممکن تعاون جاری رکھیں گے۔ انہوں نے اپنی تجاویز اور مطالبات بھی وزارت کی قیادت کے سامنے پیش کیے۔

ٹیکسوں میں کمی

نائب وزیر اعظم برائے انتظامی امور مولوی عبد السلام حنفی نے قانونی اداروں، افراد، سامان کی نقل و حمل، اور تیل اور گیس کی درآمدات سمیت متعدد زمروں کے لیے ۵۰ فیصد تک ٹیکسوں میں کمی کا اعلان کیا ہے۔ گورنمنٹ میڈیا اینڈ انفارمیشن سینٹر میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے، حنفی نے کہا کہ ٹیکس چھوٹ ۱۰ سے ۵۰ فیصد تک ہو گی اور اس کا اطلاق چار زمروں پر ہو گا: قانونی اداروں، افراد، سامان کی نقل و حمل، اور پٹرولیم اور گیس کی درآمدات۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایک لاکھ بیس ہزار افغانی تک کی ماہانہ آمدنی والے افراد کو اب ٹیکس کی ادائیگی سے مکمل استثنیٰ حاصل ہو گا۔ یہ اقدام ٹیکس میں ریلیف فراہم کرنے اور کاروبار اور شہریوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مالی مدد فراہم کرنے کے لیے حکومت کی اعلان کردہ کوششوں کا حصہ ہے۔

ترقیاتی منصوبوں کی منظوری

۲۴ مئی اقتصادی امور کے نائب وزیر اعظم ملا عبد الغنی برادر اخوند کی سربراہی میں نیشنل پروکیورمنٹ کمیشن نے اپنے اجلاس کے دوران ۲ء۴ بلین افغانی مالیت کے ۱۵ ترقیاتی منصوبوں کی منظوری دی۔ بیان کے مطابق کل ۳۱ منصوبے منظوری کے لیے پیش کیے گئے، بحث کے بعد ۱۵ منصوبوں کی منظوری دی گئی جب کہ ۷ کو ترامیم اور نظر ثانی کے لیے بھیج دیا گیا۔ منظور شدہ اور ترمیم شدہ منصوبوں میں صوبہ غزنی میں زردالو ڈیم کے لیے جیو ٹیکنیکل اسٹڈیز کی تکمیل، صوبہ بلخ میں ہیراتان پورٹ پر ۱۴ کلومیٹر سڑک کی تعمیر، اور کابل لوگر ہائی وے کے پہلے حصے سے سنگ نوشتہ تک سڑک کی تعمیر شامل ہے۔ ان منصوبوں میں صوبہ فاریاب کے لولاش اضلاع، غزنی کے انڈر، صوبہ دائی کنڈی میں کجران، صوبہ بادغیس میں بالا مرغاب، صوبہ بامیان میں کہمرد اور صوبہ خوست میں موسیٰ خیل میں سرکاری ہسپتالوں کی تعمیر بھی شامل ہے۔

۲۴ جون کو ہونے اجلاس میں نیشنل پروکیورمنٹ کمیشن نے تقریباً ۵ء۳ بلین افغانی مالیت کے ۱۶ ترقیاتی منصوبوں کی منظوری دی ہے۔ جاری بیان کے مطابق ۴۰ منصوبے منظوری کے لیے پیش کیے گئے۔ بحث کے بعد ۱۶ کی منظوری دی گئی جب کہ ۲۰ کو ترامیم کے لیے بھیج دیا گیا۔ منظور شدہ اور ترمیم شدہ منصوبوں میں صوبہ بادغیس میں قادس خوردک واٹر ڈیم کی تعمیر، صوبہ بغلان میں کیلاگی ڈیم کے لیے جیو ٹیکنیکل اسٹڈیز، اور صوبہ پکتیکا میں ۲۰۰ میٹرک ٹن کے کولڈ اسٹوریج کی سہولت کی تکمیل شامل ہیں۔ منظور شدہ منصوبوں میں آمو دریا آئل بیسن کے لیے ۱۰،۰۰۰ ٹن تیل ذخیرہ کرنے کی سہولیات کا ڈیزائن اور تنصیب، صوبہ اروزگان کے ضلع چار چینو میں ۵۰ بستروں پر مشتمل جنرل ہسپتال کی تعمیر، اروزگان کے صوبائی دارالحکومت ترین کوٹ میں کارگو ٹرک ٹرمینل کا قیام، کابل میں متعدد داخلی سڑکوں کی تعمیر اور بجلی کی ترسیل کے منصوبے شامل ہیں۔ منظور شدہ تمام منصوبوں کی مالی اعانت امارت اسلامیہ افغانستان کے بجٹ سے کی جائے گی۔

توانائی و آبی ذخائر

قادس خُردک ڈیم کی تعمیر

افغان صوبہ بادغیس کے ضلع قادس میں جاری 'قادس خُردک' ڈیم کے تعمیراتی کام میں بڑی پیش رفت ہوئی ہے، جہاں اب تک ۵۷ فیصد کام مکمل کر لیا گیا ہے۔ ۸۰ کروڑ افغانی کی لاگت سے تیار ہونے والے اس تزویراتی منصوبے سے ۱۴۰۰ ہیکٹر زرعی زمین سیراب ہو گی جو فوڈ سکیورٹی اور معاشی استحکام کو فروغ دے گا۔ اس ڈیم کا مقصد علاقے کے گرتے ہوئے واٹر لیول کو سہارا دینا اور بنجر زمینوں کو آباد کرنا ہے۔ یہ ڈیم ۱۹۰ میٹر طویل اور ۳۲ میٹر بلند دیوار پر مشتمل ہے، جس میں ۲۱ لاکھ ۷۰ ہزار مکعب میٹر پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش موجود ہو گی۔ یہ منصوبہ اگلے سال ۲۰۲۷ء تک مکمل ہو جائے گا۔

شین ڈنڈ نہر کی تعمیر

صوبہ ہرات کے ضلع شین ڈنڈ میں ایک نہر پر تعمیراتی کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس منصوبے کی لمبائی ۶۰۰ میٹر ہو گی جس سے پانی کی سطح کو جمع کرنے اور نکاسی آب کے نظام کو بہتر بنایا جائے گا، سیلاب کو روکا جائے گا۔

حکام نے بتایا کہ اس منصوبے کی ابتدائی لاگت ۲ء۸ ملین افغانی سے زائد ہے، جس کی مالی اعانت ضلع شین ڈنڈ میونسپلٹی کے ترقیاتی بجٹ سے کی جائے گی۔

توانائی کے شعبے میں ترکمانستان افغانستان تعاون

ملک کی اہم پاور سپلائی کمپنی د افغانستان برشنا شرکت (DABS) کے سی ای او ملا عبد الحق ہمکار نے ترکمانستان کے وزیر توانائی اناگیلدی سپاروف کے ساتھ دوطرفہ بجلی تعاون کو وسعت دینے پر بات چیت کی ہے۔ شائع کردہ بیان کے مطابق، ملا عبد الحق نے کہا کہ ۵۰۰ کلو واٹ بجلی کی ٹرانسمیشن لائن پراجیکٹ پر کام تیزی سے جاری ہے اور توقع ہے کہ تقریباً ایک سال میں مکمل ہو جائے گا۔ ترکمان حکام نے یہ بھی کہا کہ وہ بجلی کے نئے منصوبوں کے لیے تجاویز پیش کرنے کے لیے مستقبل قریب میں کابل کا دورہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بیان میں ترکمانستان کے وزیر توانائی کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ افغانستان کے مختلف صوبوں کو بجلی کی سپلائی بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہے گی۔

ترکی کی کمپنی کا افغانستان میں توانائی کے شعبے میں سرمایہ کاری کا اعلان

ترکی کی NKY کمپنی کے نمائندوں نے افغانستان کے توانائی کے شعبے میں سرمایہ کاری کرنے میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے، جس میں بجلی پیدا کرنے کی سہولیات کی بحالی اور زرعی فضلے سے توانائی کے منصوبے شامل ہیں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے ملک کی اہم پاور یوٹیلیٹی کمپنی د افغانستان برشنا شرکت (DABS) کے چیف ایگزیکٹو آفیسر ملا عبد الحق ہمکار سے ملاقات کے دوران کیا۔ ترک کمپنی کے ڈپٹی ڈائریکٹر Hakan Bos نے بتایا کہ کمپنی نے تقریباً ۲۰ ممالک میں بجلی کی پیداوار اور قابل تجدید توانائی کے منصوبوں میں سرمایہ کاری کی ہے اور اب وہ افغانستان کے بجلی کے بنیادی ڈھانچے میں سرمایہ کاری کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے، خاص طور پر بجلی کی پیداواری سہولیات کی بحالی اور فضلے سے توانائی کے منصوبوں کی ترقی میں۔ مجوزہ سرمایہ کاری سے افغانستان کے توانائی کے شعبے کو تقویت ملے گی اور بجلی کی پائیدار پیداوار تک رسائی کو وسعت ملے گی۔

کابل میں ۱۵ کلوواٹ بجلی کے کنکشنز کا دوسرا منصوبہ مکمل

افغانستان کی سینٹرل سائلو اماراتی کمپنی نے کابل میں بجلی کے کنکشن کا دوسرا منصوبہ بھی تقریباً ۲ء۵ ملین افغانی کی لاگت سے مکمل کر لیا ہے۔

توانائی کے پانچ سالہ ترقیاتی منصوبے کی منظوری

امارت اسلامیہ کی قیادت نے پانچ سالہ توانائی کے ترقیاتی منصوبے کی منظوری دے دی ہے جس کی توثیق اقتصادی کمیشن نے کی جس کی صدارت نائب وزیر اعظم برائے اقتصادی امور ملا عبد الغنی برادر اخوند کر رہے تھے۔ اس منصوبے میں افغانستان کے گھریلو توانائی کے وسائل پر مبنی بجلی پیدا کرنے کے ۲۵ منصوبے، ۱۳ جاری اور ۲۳ نئے بجلی کی ترسیل کے منصوبے، ۲۱ جاری اور ۲۱ نئے سب سٹیشن منصوبے، نیز بجلی کی تقسیم کے ۳۴ نئے منصوبے شامل ہیں۔ حکام نے کہا کہ ان منصوبوں کے نفاذ سے ملک کی توانائی کی صلاحیت میں اضافہ ہو گا، بجلی کی پیداوار اور تقسیم میں بہتری آئے گی اور درآمدی بجلی پر افغانستان کا انحصار کم ہو گا۔

افغان وفد کا ازبک توانائی تنصیبات کا دورہ

د افغانستان برشنا شرکت (DABS) کے ایک اعلیٰ سطحی وفد نے، جس کی قیادت چیف ایگزیکٹو آفیسر مولوی عبد الحق ہمکار کر رہے تھے، ایک سرکاری دورے کے حصے کے طور پر ازبکستان میں بجلی کے ساز و سامان کے کئی سرکردہ اداروں اور صنعتی تنصیبات کا دورہ کیا۔ ڈی اے بی ایس کے مطابق، اس دورے کا مقصد افغانستان کے پاور سیکٹر کو جدید بنانے اور دونوں ممالک کے درمیان تکنیکی تعاون کو وسعت دینے کے لیے ازبکستان کی بجلی کے آلات کی پیداواری سہولیات اور سمارٹ بجلی کے نظام کا مطالعہ کرنا تھا۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ وفد کو پاور ٹرانسمیشن، بجلی کی تقسیم، سمارٹ گرڈ مینجمنٹ اور توانائی کے نقصان میں کمی کی جدید ٹیکنالوجیز اور طریقوں سے متعارف کرایا گیا۔ ڈی اے بی ایس نے مزید کہا کہ دورے کے دوران حاصل ہونے والے علم اور تجربے کا استعمال افغانستان کے بجلی کے بنیادی ڈھانچے کو مضبوط کرنے، برقی آلات کے معیار کو بہتر بنانے اور پورے ملک میں سمارٹ پاور سسٹم کے استعمال کو بڑھانے کے لیے کیا جائے گا۔

ملا برادر نے میرویس عزیزی کے اربوں ڈالر کے بجلی کے منصوبوں کا جائزہ لیا

نائب وزیر اعظم برائے اقتصادی امور ملا عبد الغنی برادر اخوند نے افغان سرمایہ کار میرویس عزیزی اور ان کی تکنیکی ٹیم سے ملاقات کی جس میں ملک بھر میں بجلی پیدا کرنے کے بڑے منصوبوں پر عمل درآمد پر تبادلہ خیال کیا۔ ڈپٹی وزیر اعظم آفس کے مطابق عزیزی نے کہا کہ عزیزی انرجی کی انویسٹمنٹ کمپنی نے ۱۰ ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کے لیے درکار تمام

تکنیکی آلات خرید لیے ہیں، انہوں نے مزید کہا کہ آلات کی افغانستان منتقلی کا عمل جلد شروع ہو جائے گا۔ حکومتی اداروں اور عزیزی انرجی کے نمائندوں پر مشتمل ایک مشترکہ تکنیکی کمیٹی نے یہ بھی اطلاع دی کہ صوبہ کابل میں ۱۰۰ میگا واٹ کے شمسی توانائی کے منصوبے، صوبہ پروان کے شہر باریکاب میں ۱۰۰ میگا واٹ کے ایک اور سولر پراجیکٹ اور صوبہ غزنی میں ۱۳۱ میگاواٹ کے سولر پراجیکٹ کے لیے فزیبلٹی اسٹڈیز مکمل کر لی گئی ہیں۔ کمیٹی نے مزید کہا کہ ان منصوبوں کے لیے بجلی کی خریداری کے معاہدوں پر دستخط ہو چکے ہیں۔ رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ تخار صوبے میں ۱۶۵ میگا واٹ کے کوئلے سے چلنے والے پاور پلانٹ، صوبہ بغلان میں ۳۵۰ میگاواٹ کے کوئلے سے چلنے والے پلانٹ، ناغلو اور غزنی سب اسٹیشنوں کی تعمیر اور کابل میں ترا خیل کو گرین انڈسٹری سے جوڑنے والی بجلی کی نئی ٹرانسمیشن لائن کے لیے تکنیکی جائزے جاری ہیں۔ ملاقات کے دوران، ملا برادر نے تکنیکی کمیٹی کی طرف سے ہونے والی پیش رفت کی تعریف کی اور متعلقہ اداروں کو منصوبوں پر عمل درآمد میں تیزی لانے کی ہدایت کی، ملک کے توانائی کے بنیادی ڈھانچے کو آگے بڑھانے کے لیے حکومت کے مکمل تعاون کا اعادہ کیا۔

زیر کاشت رقبے میں اضافہ

امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ادارہ شماریات و معلومات کے مطابق ۲۰۲۶ء میں صوبہ ہلمند اور تخار سمیت ملک کا مجموعی زیر کاشت رقبہ گزشتہ سال کے مقابلے میں ۲ء۱۰ فیصد اضافے کے ساتھ ۳۰ لاکھ ہیکٹر سے تجاوز کر گیا ہے، جس میں ۲۱ لاکھ ہیکٹر آبی اور ۸ لاکھ ۴۷ ہزار ہیکٹر بارانی زمین شامل ہے۔ حکام کا کہنا ہے کہ رقبے میں یہ نمایاں توسیع بنیادی طور پر بروقت بارشوں، گلیشیئرز کے پگھلاؤ اور مجموعی طور پر سازگار ماحولیاتی حالات کا نتیجہ ہے۔ ادارہ شماریات نے صوبائی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ ملک بھر میں سب سے زیادہ آبی اراضی صوبہ ہلمند میں ریکارڈ کی گئی ہے، جہاں آبی راستوں کی وجہ سے زراعت کو فروغ مل رہا ہے، جب کہ بارانی کاشت کاری کا سب سے بڑا مرکز شمالی صوبہ تخار ثابت ہوا ہے۔ اس ڈیٹا کو جدید ترین ریموٹ سنسنگ ٹیکنالوجی، سیٹلائٹ تصاویر اور جغرافیائی معلوماتی نظام (GIS) کے ذریعے تیار کیا گیا ہے۔ یہ ڈیٹا ہر سال باقاعدگی سے جاری کیا جاتا ہے، تاکہ زرعی شعبے میں مستقبل کی منصوبہ بندی اور فوڈ سیکیورٹی کے حوالے سے درست فیصلے کیے جا سکیں۔

نقل و حمل

ہائی ویز اور سڑکوں کی بحالی کے ۴۷ منصوبے

نائب وزیر اعظم کے دفتر برائے اقتصادی امور نے ایک بیان میں کہا ہے کہ وزارت تعمیرات عامہ اس وقت ملک کے مختلف صوبوں میں ۴۷ ہائی وے اور سڑکوں کی تعمیر اور بحالی کے منصوبوں پر کام کر رہی ہے۔ بیان کے مطابق، ان منصوبوں پر عمل درآمد سے تقریباً بیس ہزار پانچ سو چھیانوے (۲۰،۵۹۶) افراد کے لیے براہ راست اور ایک لاکھ بارہ ہزار (۱۱۲،۰۰۰) سے زیادہ لوگوں کے لیے بالواسطہ ملازمتوں کے مواقع پیدا ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ، منصوبوں میں، مختلف شعبوں میں تقریباً نو ہزار چار سو ترانوے (۹،۴۹۳) گاڑیاں اور بھاری مشینیں استعمال کی جا رہی ہیں۔ بیان میں کئی بڑے بنیادی ڈھانچے کے منصوبوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں فی الحال کابل غزنی ہائی وے کی دوسری لین، سالنگ ہائی وے، کنڑ نورستان روڈ، دشت آرچی قندوز روڈ، قندھار سپن بولدک ہائی وے، میمنہ فریاب روڈ، قندھار ہلمند ہائی وے، بدشپہ روڈ اور بدرنگ روڈ شامل ہیں۔ حکام نے بتایا کہ ان منصوبوں کے بنیادی اہداف ملک کے نقل و حمل کے نیٹ ورک کو بہتر بنانا، سفر اور تجارت کو آسان بنانا اور پورے افغانستان میں اقتصادی سرگرمیوں کو مضبوط بنانا ہے۔

Mil-78 ابو نصر فراہی ہائی وے کی تعمیر

افغانستان میں ایران کے سفیر علی رضا بگدیلی کا کہنا ہے کہ "Mil-78 ابو نصر فراہی" ہائی وے کا دوسرا سیکشن جو کہ افغانستان کو ایران سے ملاتا ہے، اگلے دو ماہ کے اندر مکمل کر کے کھول دیا جائے گا۔ سفیر نے کہا کہ سڑک کے دوسرے مرحلے کے لیے، جو کہ ۵۳ کلو میٹر طویل ہے، ایران کی طرف سے مالی اعانت فراہم کی جا رہی ہے۔ اب تک ۴۲ کلو میٹر مکمل ہو چکے ہیں، باقی ۱۱ کلو میٹر پر تعمیراتی کام جاری ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سڑک کا پہلا مرحلہ، جس کی پیمائش ۶۴ کلو میٹر تھی، پہلے ایرانی تعاون سے مکمل کی گئی تھی، اور اب تباہ شدہ حصوں کی مرمت کے لیے فنڈز مختص کیے گئے ہیں۔ "Mil-78 ابو نصر فراہی" شاہراہ کل ۱۱۷ کلو میٹر پر محیط ہے اور اسے افغانستان اور ایران کے درمیان تجارت اور ٹرانزٹ کا ایک اہم راستہ سمجھا جاتا ہے۔

بلخ میں کارگو ٹرمینل کی تعمیر

نقل و حمل اور شہری ہوا بازی کی وزارت نے ایک بیان میں کہا کہ بلخ میں ۸۵۰ ملین افغانی مالیت کے جدید کارگو ٹرمینل کی تعمیر کا باضابطہ آغاز ہو گیا ہے۔ یہ کارگو ٹرمینل پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ کے ذریعے "ہیر تان کراسنگ" کے علاقے میں تعمیر کیا جائے گا۔ یہ منصوبہ ایک ہزار جریب اراضی کا احاطہ کرے گا اور اس میں دو منزلہ عمارت، پارکنگ ایریاز اور گاڑیوں کی مرمت کی سہولیات، انتظامی دفاتر اور دیگر ضروری انفراسٹرکچر شامل ہیں۔ حکام نے کہا کہ ہیر تان کرسنگ کارگو ٹرمینل کی تعمیر دو سال کے اندر مکمل ہونے کی امید ہے۔ ٹرانسپورٹ اور سول ایوی ایشن کی وزارت کا کہنا ہے کہ وہ نہ صرف افغانستان کے فضائی اور زمینی نقل و حمل کے شعبوں کے انتظام پر کام کر رہی ہے بلکہ ملک بھر میں متعلقہ بنیادی ڈھانچے کو بہتر بنانے پر بھی کام کر رہی ہے۔

نیاب آباد سٹیشن پر نئی ریلوے لائن اور سٹوریج ہاؤس کی تعمیر

نائب وزیر اعظم کے دفتر کے ایک بیان کے مطابق، ازبک حکام نے نیاب آباد اسٹیشن پر ایک نئی ۵ء۱ کلو میٹر طویل ریلوے لائن تعمیر کرنے کے منصوبے کا اظہار کیا، اس کے ساتھ ساتھ ٹریک کے ساتھ سامان کی لوڈنگ اور ان لوڈنگ کے لیے کئی گودام بھی بنائے جائیں گے۔ افغان حکومت کی جانب اس اقدام کا خیر مقدم کیا اور افغانستان کی وزارت تعمیرات عامہ کے حکام کو ہدایت کی کہ وہ ازبک فریق کے ساتھ مشترکہ طور پر تکنیکی اور تعمیراتی کام

کو مربوط کریں۔ بیان کے مطابق، نئی ریلوے لائن اور اسٹوریج کی سہولیات سے ہیر تان ڈرائی پورٹ کی صلاحیت میں اضافہ اور تاجروں کے لیے تجارت سے متعلقہ خدمات اور رسد میں بہتری کی توقع ہے۔

صوبہ روزگان میں مال بردار ٹرکوں کے ٹرمینل کی تعمیر

وزیر اعظم ملا عبد الغنی برادر اخوند کی سربراہی میں منعقدہ تدارکات کمیشن کے حالیہ اجلاس میں متعدد ترقیاتی منصوبوں کے ساتھ روزگان میں مال بردار ٹرکوں کے ٹرمینل کی تعمیر کی منظوری بھی دی گئی۔ یہ ٹرمینل زمینی ٹرانسپورٹ کے منظور شدہ معیارات کے مطابق ۲۰۰ جریب اراضی پر تعمیر کیا جائے گا، جہاں ایک وقت میں درجنوں بڑے مال بردار ٹرکوں کی پارکنگ کی گنجائش ہو گی۔ منصوبے پر ۶۵ ملین افغانی لاگت آئے گی۔ ٹرمینل میں ڈرائیوروں کے لیے ضروری سہولیات، پارکنگ، پانی کی فراہمی، بجلی کا نظام، مسجد، وضوخانہ، ریسٹورنٹ، ورکشاپ اور دیگر بنیادی سہولتیں بھی قائم کی جائیں گی۔ منصوبہ ۱۲ ماہ میں مکمل کیا جائے گا۔

درآمدات و برآمدات

درآمدات اور برآمدات کا حجم

اعداد و شمار کے مطابق مئی تا جون ملک کے ریلوے نیٹ ورک کے ذریعے کل سات لاکھ ستانوے ہزار چار سو بیاسی (۷۹۷،۴۸۲) میٹرک ٹن پیٹرولیم مصنوعات، نان پیٹرولیم اشیاء اور دیگر اجناس درآمد اور برآمد کی گئیں۔ وزارت تعمیرات عامہ کے ترجمان محمد اشرف حقبینس کے مطابق، پانچ لاکھ اڑتیس ہزار آٹھ سو نواسی (۵۳۸،۸۸۹) میٹرک ٹن ہیر تان ڈرائی پورٹ کے ذریعے، ۷۵ ہزار سات سو بائیس (۷۵،۷۲۲) میٹرک ٹن اقینا کے ذریعے، ستتر ہزار آٹھ (۷۷،۰۰۸) میٹرک ٹن تور غنڈی کے ذریعے اور ایک لاکھ پانچ ہزار آٹھ سو تریسٹھ (۱۰۵،۸۶۳) میٹرک ٹن ریلوے لائن کے ذریعے پہنچایا گیا۔ اسی عرصے کے دوران مجموعی طور پر دو ہزار پانچ سو سترہ (۲،۵۱۷) میٹرک ٹن برآمدات بھی کی گئیں۔ وزارت نے کہا کہ ریلوے کی نقل و حمل اور برآمدات میں اضافہ روزگار کے مواقع پیدا کرنے، قومی محصولات کو بڑھانے اور افغانستان میں اقتصادی ترقی کو سہارا دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

خشک میوہ جات کی برآمدات

قندھار کے محکمہ زراعت، آب پاشی اور لائیو اسٹاک کے حکام کے مطابق اس سال کے دوران مجموعی طور پر ایک لاکھ ۸۲ ہزار ۳۸۱ میٹرک ٹن تازہ اور خشک میوہ جات دنیا کے مختلف ممالک کو برآمد کیے گئے ہیں۔ ان برآمدات کی مجموعی مالیت ۴۲ کروڑ ۸۸ لاکھ ۶۳ ہزار امریکی ڈالرز ریکارڈ کی گئی ہے۔

حکام کے مطابق قندھار کی ان معیاری مصنوعات کو دنیا کے بہترین بازاروں تک پہنچایا گیا ہے، جن میں بھارت، قطر، روس، چین، متحدہ عرب امارات، برطانیہ، ملائیشیا، کینیڈا، ترکی، عراق، بنگلہ دیش، ویت نام اور جرمنی شامل ہیں۔ قندھار کے انار، انگور اور خشک میوہ جات اپنی مٹھاس اور معیار کی وجہ سے عالمی سطح پر اپنی شناخت بنا چکے ہیں۔ فضائی راہ داریوں (Air Corridors) کی بحالی اور زمینی راستوں پر کسٹم کے بہتر نظام نے برآمد کنندگان کا اعتماد بحال کیا ہے، جس کی وجہ سے برآمدات کے حجم میں نمایاں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ ماہرین کی رائے ہے کہ اگر برآمدات کے لیے پیکنگ اور پراسیسنگ کے جدید پلانٹس مقامی سطح پر لگائے جائیں تو ان مصنوعات کی قیمت اور طلب میں مزید کئی گنا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

ہرات سے ہاتھ سے بنے ہوئے قالین جرمنی برآمد کیے گئے

ہرات کے صوبائی حکام کا کہنا ہے کہ رواں سال کے آغاز سے اب تک دس ہزار مربع میٹر سے زائد ہاتھ سے بنے ہوئے قالین جرمنی کو برآمد کیے گئے ہیں، جن کی کل مالیت ایک لاکھ تین ہزار ڈالر بنتی ہے۔ ہرات کے گورنر کے دفتر سے جاری ایک بیان کے مطابق قالین کی صنعت کو سپورٹ کرنا، پیداوار میں سہولت فراہم کرنا، اور مقامی اور بین الاقوامی منڈیوں تک رسائی کو بڑھانا صوبائی انتظامیہ کی اہم ترجیحات میں شامل ہیں۔

قالین کی صنعت ہرات کے اہم ترین اقتصادی شعبوں میں سے ایک ہے، جو مقامی آمدنی میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے جبکہ ہزاروں لوگوں کو براہ راست اور بالواسطہ روزگار کے مواقع فراہم کرتی ہے۔

معدنی پتھروں کی پہلی کھیپ امریکہ کو برآمد کی گئی

ہرات کے صوبائی حکام نے کہا کہ افغانستان کی معدنی مصنوعات کی پہلی برآمدی کھیپ، جس کی مالیت ایک لاکھ امریکی ڈالر ہے، ہرات سے امریکہ کو برآمد کی گئی۔ ہرات کے گورنر کے میڈیا آفس کے مطابق، یہ کھیپ کالے معدنی پتھروں پر مشتمل ہے جسے ضلع زیندہ جان میں ایک کان سے نکالا گیا اور ہرات چیمبر آف انڈسٹریز کے ذریعے امریکی مارکیٹ میں برآمد کیا گیا۔

صوبائی حکام نے اس کھیپ کو افغانستان کی معدنی برآمدات کو بڑھانے اور بین الاقوامی منڈیوں میں ملک کی موجودگی کو مضبوط بنانے کی جانب ایک اہم قدم قرار دیا۔

چھبیس ہزار ٹن سے زائد مائع گیس افغان مارکیٹ میں پہنچائی گئی

افغانستان کی اسٹیٹ آئل اینڈ گیس کمپنی کا کہنا ہے کہ ۲۶،۴۹۲ ٹن مائع پیٹرولیم گیس (LPG) گزشتہ چھ دنوں کے دوران اسلام قلعہ، ہیر تان، تور غنڈی، Mil-78، اکینا اور نمروز کی سرحدی گزرگاہوں کے ذریعے مقامی مارکیٹ کو درآمد اور سپلائی کی گئی۔ کمپنی کے مطابق، اسی عرصے کے دوران ملک کی طلب کا تخمینہ ۲۱،۹۴۸ ٹن تھا، یعنی مارکیٹ میں متوقع ضرورت سے ۴،۵۴۴ ٹن زیادہ سپلائی کی گئی۔ کمپنی نے کہا کہ ایل پی جی کی زیادہ تر درآمدات اسلام قلعہ، ہیر تان اور تور غنڈی بارڈر کراسنگ کے ذریعے ملک میں داخل ہوئیں، انہوں نے مزید کہا کہ ان ڈرائی پورٹس کے جاری آپریشن نے ملکی طلب کو پورا کرنے اور مستحکم سپلائی کو برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اسٹیٹ آئل اینڈ گیس

کمپنی نے کہا کہ وہ ایل پی جی کی درآمدات، ذخیرہ کرنے کی سطح اور مارکیٹ کے حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہے، عوام سے ایندھن کی مارکیٹ سے متعلق معلومات کے لیے صرف سرکاری ذرائع پر انحصار کرنے کی تاکید کرتی ہے۔

ملکی پیداوار کے تحفظ کے لیے درآمدی ٹیرف میں ترمیم

وزارت خزانہ کی جانب سے گھریلو پیداوار، زراعت اور تجارت کو سپورٹ کرنے کی کوششوں کے حصے کے طور پر متعدد اشیا پر درآمدی ٹیرف میں ترمیم کی گئی ہے۔ وزارت کی جانب سے جاری کردہ بیان کے مطابق نئے اقدامات کے تحت زیتون پر درآمدی ٹیرف ایک فیصد سے بڑھا کر ۲ء۵ فیصد کر دیا گیا ہے، جب کہ شوگر کیوبز پر ٹیرف ۳ء۵ فیصد سے بڑھا کر ۱۰ فیصد کر دیا گیا ہے اور فروٹ سیرپ پر ٹیرف ۶۰ فیصد سے کم کر کے ۲۰ فیصد کر دیا گیا ہے۔ وزارت نے کہا کہ یہ ایڈجسٹمنٹ پالیسیوں کے مطابق متعارف کرائی گئی ہیں جن کا مقصد گھریلو صنعتوں کے تحفظ، مقامی زرعی پیداوار کو فروغ دینا اور تجارت کو آسان بنانا ہے۔ بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ کمیٹی نے خام لوہے کے سامان، کاغذ، لوہے کی جالی کی مصنوعات، طبی آلات اور پولیمر مواد پر ٹیرف کے معیار کے بارے میں بھی فیصلے کیے ہیں۔ اس سال کے شروع میں، ٹیرف کمیٹی نے اقتصادی تحفظ کے وسیع تر اقدامات کے حصے کے طور پر سات دیگر درآمدی اشیا پر ڈیوٹی میں اضافے کی منظوری دی۔

سرحدی پورٹس پر انتظامی کمپلیکس کی تعمیرات

افغانستان کی سٹینڈرڈز اینڈ کوالٹی اتھارٹی (ASQA) نے ملک بھر میں نو سرحدی بندر گاہوں پر انتظامی کمپلیکس کی تعمیر کے لیے "TCRC" کمپنی کے ساتھ ۴۶ ملین ڈالر کے معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔ معاہدے کے تحت کمپنی کمپلیکس کے لیے تین شعبوں بجلی، تعمیرات اور لیبارٹری کی سہولیات فراہم کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ کمپنی سٹینڈرڈز اینڈ کوالٹی اتھارٹی کے ملازمین کے لیے افغانستان کے اندر اور باہر دونوں جگہ صلاحیت سازی کے مواقع بھی فراہم کرے گی۔ اتھارٹی کے عہدیداروں نے بتایا کہ اس منصوبے کے اگلے پانچ سالوں میں لاگو ہونے کی امید ہے۔ افغانستان علاقائی اور بین الاقوامی ممالک کے ساتھ اقتصادی اور تجارتی تعلقات کو وسعت دینے کے لیے اپنی سرحدی بندر گاہوں پر انتظامات کو معیاری بنانے کی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ کوالٹی کنٹرول کا یہ ادارہ ملک میں غیر معیاری مصنوعات کی امپورٹس کی سختی سے حوصلہ شکنی کر رہا ہے۔ حال ہی میں ۷۴۸ ٹن کم معیار کا سیمنٹ لے جانے والی ۱۱ ریلوے ویگنوں کو ہیراتان پورٹ بارڈر کراسنگ کے ذریعے ملک میں داخل ہونے کے بعد مسترد کر دیا گیا۔ اتھارٹی کے مطابق، لیبارٹری ٹیسٹنگ اور معائنے سے معلوم ہوا کہ کھیپ سٹینڈرڈ کوالٹی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام رہی اور اسے واپس کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ اسلام قلعہ بارڈر کراسنگ پر کم معیار کے تعمیراتی اور بجلی کے سامان کی دو کھیپیں ملکی معیار پر پورا نہ اترنے پر مسترد کر دی گئیں۔ اس کارگو میں ۲۰۰، ۳۵ کلوگرام کا لا سیمنٹ اور ۶۰، ۲۰ کلوگرام شمسی آلات شامل تھے۔ مسترد شدہ سامان برآمد کرنے والے ملک کو واپس کر دیا گیا۔

شیر خان پورٹ کی گنجائش میں توسیع

اقتصادی کمیشن نے تاجکستان، کرغزستان اور چین کے ساتھ تجارت کو مضبوط بنانے کے لیے شیر خان پورٹ کی صلاحیت کو بڑھانے کے منصوبے کی منظوری دی ہے۔ اجلاس کے دوران کمیشن نے پورٹ کے بنیادی ڈھانچے کو وسعت دینے، تاجکستان کے ساتھ مل کر شیر خان پورٹ کے کام کے اوقات میں توسیع اور نئے لاجسٹک سینٹر کی تعمیر کے لیے فنڈز مختص کرنے کے اقدامات کی منظوری دی۔ کمیشن نے وزارت تعمیرات عامہ کو افغانستان کے اندر ای سی او ریلوے کوریڈور کو فعال کرنے کے لیے ضروری سہولیات کے قیام کا کام بھی سونپا۔ اس کے علاوہ سرکاری بنیادی ڈھانچے کے منصوبوں میں استعمال کیے جانے والے معیاری ری انفورسنگ اسٹیل بارز (ریبار) کی تیاری کے لیے کئی سرکاری اداروں سے سکریپ میٹل کی نیشنل ڈیولپمنٹ کمپنی کو منتقلی کی منظوری دی۔ کمیشن نے مزید ۳۷ قومی معیارات اور اسٹینڈرڈز اینڈ کوالٹی اتھارٹی کے ذریعہ پیش کردہ ۱۲ مجوزہ جانچ کے طریقوں کی منظوری دی۔

کان کنی

قندوز گولڈ مائننگ کا معاہدہ

مائننگ اور پیٹرولیم کی وزارت نے قندوز میں ایک افغان اور آذربائیجانی کمپنی کے ساتھ ۲۰ ملین ڈالر سے زائد مالیت کے سونے کی کان کنی کے ۵ سالہ معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔ سرمایہ کاری کرنے والی کمپنی نے ۳۰ فیصد رائلٹی ادا کرنے اور سماجی خدمات کے منصوبوں پر اضافی دو لاکھ ڈالر خرچ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ کانوں اور پیٹرولیم کی وزارت نے کہا کہ ایک بار منصوبے کے شروع ہونے کے بعد اس منصوبے سے ۱۰۰ کے قریب براہ راست اور بالواسطہ ملازمتیں پیدا ہونے کی امید ہے۔

فاریاب میں پولی میٹل کان کا معاہدہ

مائننگ اور پیٹرولیم کی وزارت نے جولائی میں صوبہ فاریاب میں پولی میٹل کان نکالنے کے لیے ۲۴ ملین ڈالر کے ایک معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔

قیمتی پتھروں کی فروخت

کان کنی کے مقامی حکام نے تصدیق کی کہ افغانستان کے صوبہ نورستان میں کانوں سے نکالے گئے قیمتی پتھروں کو ۵۲ ملین افغانی سے زائد رقم میں فروخت کیا گیا ہے۔ مولوی سید رحیم عمیر نے ہفتے کے روز کہا کہ فروخت ہونے والے قیمتی پتھروں میں فیروزی، کنزائٹ اور مورگنائٹ شامل ہیں۔ حکام کے مطابق یہ پتھر نورستان کے ضلع دوآب میں ماوی کان کنی کے علاقے سے نکالے گئے تھے۔ شائع شدہ اعداد و شمار کی بنیاد پر، کل آمدنی کا ۱۰ فیصد، تقریباً ۵ء۲ ملین افغانی، سرکاری خزانے میں جمع کرایا گیا ہے۔ صوبائی مائنز اینڈ پیٹرولیم ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ نے بتایا کہ قیمتی پتھروں کو کھلی بولی کے عمل کے ذریعے مقامی تاجروں کو فروخت کیا گیا۔ افغانستان کے قیمتی اور نیم قیمتی پتھروں کو نکالنے اور فروخت کرنے کا کام اس وقت شفاف معاہدوں اور عوامی نیلامی کے تحت کیا جارہا ہے۔

شاباشک میں کوئلے کی پیداوار

جنرل ڈائریکٹوریٹ آف اسٹیٹ اونڈ انٹرپرائزز نے کہا ہے کہ شاباشک کوئلے کی کانیں تکنیکی معیارات اور ضروریات کے مطابق روزانہ ۲۰۰ سے ۳۰۰ ٹن کوئلہ پیدا کرتی ہیں۔

ڈائریکٹوریٹ کی جانب سے جاری بیان کے مطابق شاباشک کانیں سرکاری ملکیت والی ناردرن کول کمپنی کے تحت کام کرتی ہیں، اور کمپنی کے دائرہ اختیار میں دیگر کان کنی کے علاقوں میں شکول، جیھون اور کرمل شامل ہیں۔ بیان کے مطابق ان کانوں سے نکالے گئے کوئلے کی کیلوریفک ویلیو چھ ہزار سے ساڑھے چھ ہزار کلو کیلوریز تک ہوتی ہے جو کہ اعلیٰ معیار کے توانائی کے وسائل کی نشاندہی کرتی ہے۔ ڈائریکٹوریٹ نے مزید کہا کہ ان کانوں سے پیدا ہونے والا کوئلہ، اپنی زیادہ حرارتی قیمت اور طویل عرصے تک جلنے کے وقت کی وجہ سے، مارکیٹ کی طلب کو پورا کرنے اور مستحکم، قابل بھروسہ سپلائی کے ذریعے ملک کی اقتصادی ترقی کو سہارا دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ہرات میں نمک کی کان کنی کے معاہدے

وزارتِ معدنیات و پٹرولیم نے صوبہ ہرات کے ضلع غوریان میں نمک کی کان کنی کا ”عبدالحمید فیضی مائننگ اینڈ پروسیسنگ کمپنی“ کے ساتھ ۱۵ سالہ معاہدہ کیا ہے۔ جس کے تحت ۵۴ لاکھ ڈالرز سے زائد کی سرمایہ کاری کی جائے گی۔ وزیرِ معدنیات مولوی ہدایت اللہ بدری نے بتایا کہ حکومت کو فی ٹن ۱۵۰۰ افغانی رائلٹی ادا کی جائے گی اور معاہدے کی ایک اہم شق کے تحت نجی کمپنی پابند ہوگی کہ وہ ۳ لاکھ ۵۰ ہزار امریکی ڈالرز سماجی خدمات اور عوامی فلاح و بہبود کے منصوبوں پر خرچ کرے۔ ایک اور بیس ملین ڈالر سے زائد کے معاہدے پر مائنز اینڈ پیٹرولیم کے وزیر ملا ہدایت اللہ بدری نے ریڈ گولڈ ایشیا کے مابین دستخط ہوئے۔ یہ معاہدہ ۱۵ سال کی مدت کے لیے دیا گیا ہے، جس کی رائلٹی کی شرح ۱۵۰۰ افغانی فی ٹن نکالے گئے نمک کی ہے۔ رائلٹی کی ادائیگیوں کے علاوہ، کمپنی نے کمیونٹی ڈویلپمنٹ اور سماجی خدمات کے منصوبوں میں نو لاکھ تیس ہزار ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے کا عہد کیا ہے۔ اس منصوبے سے علاقے میں تقریباً ۱۰۰ لوگوں کے لیے روزگار کے مواقع بھی پیدا ہونے کی امید ہے۔ ان منصوبوں سے نہ صرف نمک کی مقامی ضرورت پوری ہوگی، بلکہ اسے عالمی معیار کے مطابق پراسیس کرکے برآمد کرنے کی راہ بھی ہموار ہوگی۔

صنعت و تجارت

ایران، افغانستان اور چین کا سہ فریقی آزاد تجارتی اور صنعتی زون کا منصوبہ

ایرانی حکام کا کہنا ہے کہ اس وقت ایران، افغانستان اور چین پر مشتمل مشترکہ آزاد تجارتی اور صنعتی زون کے قیام کا انتظامی عمل جاری ہے۔ جنوبی خراسان صوبے میں اقتصادی اور مالیاتی امور کے سربراہ مرتضیٰ زکریان کے مطابق، یہ تجویز تینوں ممالک کے جغرافیائی، اقتصادی اور ٹرانزٹ فوائد پر مبنی ہے اور اس کا مقصد نجی شعبے کی مدد سے علاقائی اقتصادی تعاون کو بڑھانا ہے۔ چینی اقتصادی وفد سے ملاقات کے دوران زکریان نے کہا کہ ایران انفراسٹرکچر، افرادی قوت اور صنعتی صلاحیت میں حصہ ڈالے گا، چین سرمایہ کاری، فنانسنگ اور ٹیکنالوجی کی منتقلی فراہم کرے گا جبکہ افغانستان اپنے وسیع معدنی وسائل، دھاتوں اور اسٹریٹجک ٹرانزٹ مقام کے ذریعے کلیدی کردار ادا کرے گا۔

کابل اور انقرہ کے مابین تجارت میں توسیع اور افغان تاجروں کے لیے آسان ویزا تک رسائی

وزیر زراعت، آبپاشی اور لائیوسٹاک مولوی عطاء اللہ عمری نے ترکیہ کے ناظم الامور سعدین یلدیز سے ملاقات کی جس میں زراعت، تجارت اور سرمایہ کاری میں دو طرفہ تعاون کو وسعت دینے پر تبادلہ خیال کیا۔ وزارت کے مطابق، ملاقات میں تجارتی تعلقات کو مضبوط بنانے، افغان زرعی مصنوعات کی برآمدات بڑھانے اور افغان تاجروں اور مریضوں کے لیے ویزا کے عمل کو آسان بنانے پر توجہ مرکوز کی گئی۔ وزیر عمری نے کہا کہ دونوں ممالک کے تاجروں کے درمیان قریبی ہم آہنگی سے افغان زرعی مصنوعات کی ترکیہ اور وہاں سے تیسرے ملک کی منڈیوں کو برآمدات بڑھانے میں مدد ملے گی۔ دریں اثنا، یلدیز نے کہا کہ ترکیہ قابل بھروسہ اور جائز کاروباری افراد کے لیے ویزا کی سہولت فراہم کرتا ہے اور ترک تعاون اور رابطہ ایجنسی (TİKA) کے ذریعے نافذ کیے گئے ترقیاتی پروگراموں کے ذریعے افغان کسانوں کی مدد جاری رکھے ہوئے ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ترکیہ نے افغانستان کی وزارت زراعت کے ساتھ بہتر بیجوں، زرعی مواد کی تقسیم اور افغان زرعی مصنوعات کی مارکیٹنگ میں بھی تعاون کر رہا ہے۔

افغانستان کرغزستان تجارتی فورم کا انعقاد

اس فورم کا انعقاد کرغزستان کے دارالحکومت بشکیک میں ہوا جس میں دونوں ممالک کے سرکاری حکام، چیمبرز آف کامرس کے نمائندوں اور نجی شعبے کے اراکین نے شرکت کی۔ دونوں فریقوں نے افغانستان اور کرغزستان کے درمیان ایک مشترکہ تجارتی کونسل کے قیام پر اتفاق کیا، جس کا مقصد دونوں ممالک کے درمیان براہ راست تجارتی تعلقات کو مضبوط بنانا اور اقتصادی تعاون کو بڑھانا ہے۔

افغان چیمبر اور چینی نمائش کمپنی کے مابین معاہدہ

افغانستان کے چیمبر آف کامرس اینڈ انویسٹمنٹ اور چین کے ”شینگڈاؤ انٹرنیشنل ایگزیبیشن سینٹر“ کے مابین دو طرفہ تجارتی تعاون کو وسعت دینے اور مشترکہ اقتصادی کانفرنسوں کے انعقاد کے لیے ایک مفاہمتی یادداشت (MoU) پر دستخط کیے گئے ہیں۔ اس نئے معاہدے کے تحت چین کے صنعتی مشینری اور جدید ترین آلات بنانے والے بڑے مینوفیکچررز افغانستان میں منعقد ہونے والی پانچویں ”امام ابو حنیفہ قومی و بین الاقوامی نمائش“ میں شرکت کریں گے۔ چینی کمپنیاں اس نمائش کے دوران افغان تاجروں اور صنعت کاروں کے سامنے اپنی جدید ترین پروڈکٹس، فیکٹری آلات اور مینوفیکچرنگ

ٹیکنالوجی کا مظاہرہ کریں گی جس سے افغانستان کی اُبھرتی ہوئی مقامی انڈسٹری کو جدید خطوط پر استوار ہونے میں مدد ملے گی۔

افغانستان قازقستان مشترکہ نمائش اور تجارتی معاہدے

وزارت صنعت و تجارت کا کہنا ہے کہ افغانستان اور قازقستان کے نجی شعبوں کے درمیان افغان اور قازق مصنوعات کی مشترکہ نمائش اور دوطرفہ کاروباری ملاقاتوں کے سلسلے کے بعد ۲۵ تعاون کے معاہدوں پر دستخط کیے گئے ہیں۔ وزارت کے مطابق، معاہدوں میں دواسازی، سبزیوں، تازہ اور خشک میوہ جات، آٹا، گندم اور خوردنی تیل کی درآمد اور برآمد کے ساتھ ساتھ بینکنگ سیکٹر میں تعاون شامل ہے۔

ازبکستان کے تجارتی وفد کی آمد

سہروب عبدالرحمنوف کی قیادت میں ازبکستان کے ۷۰ رکنی تجارتی اور صنعتی وفد نے جلال آباد میں ننگرہار کے گورنر محمد نعیم اخوند سے ملاقات کے دوران تجارتی تعلقات کو وسعت دینے اور مشترکہ اقتصادی تعاون کو مضبوط بنانے پر زور دیا۔

افغانستان اور ازبکستان کے درمیان ۲۰۰ ملین ڈالر کے تجارتی معاہدوں پر دستخط

افغانستان اور ازبکستان نے کابل میں منعقدہ افغان ازبک بزنس فورم کے دوران ۲۰۰ ملین ڈالر سے زائد مالیت کے ۲۲ تجارتی معاہدوں پر دستخط کیے۔ افغانستان کی وزارت صنعت و تجارت کے مطابق، فورم نے دونوں ممالک کے سینئر حکام اور نجی شعبے کے نمائندوں کو اکٹھا کیا۔ وزیر صنعت و تجارت نورالدین عزیزی نے ازبکستان کے ساتھ اقتصادی تعلقات کو وسعت دینے کے افغانستان کے عزم کا اعادہ کیا اور امید ظاہر کی کہ دوطرفہ تجارت ۵ ارب ڈالر تک بڑھ جائے گی۔ انہوں نے افغان اور ازبک سرمایہ کاروں کو افغانستان میں سرمایہ کاری کے مواقع سے فائدہ اٹھانے کی بھی ترغیب دی۔

ازبک نائب وزیر اعظم جمشید خود جائیف نے دونوں ممالک کے درمیان اقتصادی تعاون کو مضبوط بنانے، تجارت کو آسان بنانے اور تجارتی انفراسٹرکچر کو ترقی دینے کی اہمیت پر زور دیا۔ حالیہ برسوں میں، افغانستان اور ازبکستان نے اقتصادی اور تجارتی تعلقات کو گہرا کرنے کے لیے ٹرانزٹ روابط کو وسعت دینے، سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی، علاقائی رابطوں کو بہتر بنانے، اور دوطرفہ تجارت میں اضافہ کرنے کے لیے کام کیا ہے۔ مشترکہ تجارتی فورم نئی تجارتی شراکت داری کو فروغ دینے کے لیے ایک اہم پلیٹ فارم کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

افغان تاجروں کا تاشقند کا دورہ

افغانستان چیمبر آف کامرس اینڈ انویسٹمنٹ (اے سی سی آئی) کے صدر سید کریم ہاشمی تین روزہ سرکاری دورے پر ۱۰۰ کے قریب افغان تاجروں اور سرمایہ کاروں کے وفد کی قیادت کرتے ہوئے ازبکستان کے دارالحکومت تاشقند روانہ ہوئے۔ چیمبر کے مطابق افغان وفد صوبہ سریدریا کے گورنر اور مقامی حکام سے ملاقات کرنے کے ساتھ ساتھ ازبک تاجر رہنماؤں اور سرمایہ کاروں کے ساتھ مشترکہ ملاقاتوں میں شرکت کرے گا تاکہ دوطرفہ تجارت کو وسعت دینے اور مشترکہ سرمایہ کاری کے مواقع تلاش کرنے پر تبادلہ خیال کیا جا سکے۔ وفد کے ایجنڈے میں صوبہ سریدریا میں مینوفیکچرنگ سہولیات کا دورہ بھی شامل ہے، جس کا مقصد اقتصادی تعاون کو مضبوط بنانا اور دونوں ممالک کے درمیان سرمایہ کاری کے نئے امکانات کا جائزہ لینا ہے۔

افغان حکام کی دبئی چیمبرز کے صدر سے ملاقات، ائیر کوریڈور کے لیے بات چیت

دبئی میں امارت اسلامیہ افغانستان کے قونصل جنرل عبدالرحمن فدا اور کمرشل اتاشی احمد بلال نے دبئی چیمبرز کے صدر اور سی ای او محمد علی لوطہ سے ملاقات کی اور اقتصادی اور تجارتی تعاون کو مضبوط بنانے کے طریقوں پر تبادلہ خیال کیا۔ افغانستان کی وزارت صنعت و تجارت کے مطابق دونوں فریقوں نے اقتصادی تعاون کو وسعت دینے، افغانستان اور دبئی کے درمیان تجارتی حجم بڑھانے اور تجارتی تعلقات کو مزید فروغ دینے کے اقدامات پر تبادلہ خیال کیا۔ بات چیت میں افغان مصنوعات خصوصاً تازہ پھلوں کی برآمدات کو آسان بنانے کے لیے کابل اور دبئی کے درمیان براہ راست ہوائی کارگو کوریڈور کے قیام پر بھی توجہ مرکوز کی گئی، جس سے افغان تاجروں کے لیے دبئی کی بین الاقوامی تجارتی نمائشوں میں شرکت کے زیادہ مواقع پیدا کیے جائیں، اور تجارت اور سرمایہ کاری میں تعاون کو بڑھایا جائے۔ یہ ملاقات ایسے وقت میں ہوئی ہے جب افغانستان اپنی برآمدی منڈیوں کو وسعت دینے، غیر ملکی سرمایہ کاری کو راغب کرنے اور علاقائی شراکت داروں کے ساتھ اقتصادی تعلقات کو مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ننگرہار میں ملکی مصنوعات کی نمائش

وزارت صنعت و تجارت نے ملک کی پیداواری صلاحیت اور صنعتی صلاحیت کو ظاہر کرنے کے لیے صوبہ ننگرہار میں ملکی مصنوعات کی نمائش کا انعقاد کیا۔ نمائش میں ۸۰ بوتھس میں مقامی طور پر تیار کردہ اشیا کی ایک وسیع رینج پیش کی گئی ہے جس میں کھانے کی مصنوعات، زرعی پیداوار، قالین، دستکاری اور افغان ساختہ دیگر مصنوعات شامل ہیں۔ نمائش ۱۲ جولائی سے ۱۴ جولائی تک صنعتکاروں، تاجروں اور عام لوگوں کے لیے کھلی رہی۔

کابل میں صنعت اور کان کنی کی نمائش

پانچویں قومی اور بین الاقوامی صنعت اور کان کنی ہفتہ نمائش کے موقع پر منعقدہ بزنس ٹو بزنس میٹنگز کے دوران مجموعی طور پر ایک ملین ڈالر سے زائد کے ۵۰ معاہدوں پر دستخط کیے گئے۔ نمائش کے میڈیا کوآرڈینیٹر منصور یوسف زئی نے ریڈیو امید کو بتایا کہ ۳۲۸ کمپنیوں نے ۳۶ مختلف شعبوں کی نمائندگی کرنے والے ۴۰۰ سے زائد نمائشی بوتھس میں اپنی مصنوعات اور خدمات کی نمائش کی۔ یوسف زئی نے کہا کہ افغانستان آئرن سمیلٹنگ ایسوسی ایشن اور ایک ایرانی وفد کے درمیان فیکٹری کے سازوسامان اور خام مال کی فراہمی کے لیے ۱۰ معاہدوں پر دستخط کیے گئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سرکاری وفود، سفیروں، کاروباری رہنماؤں، کمپنی کے نمائندوں نے اس نمائش میں شرکت کی۔

بغلان میں چاول پراسیسنگ فیکٹری کی تعمیر

افغانستان کے شمالی صوبہ بغلان میں تقریباً ۲ ملین ڈالر کی لاگت سے چاول کی پروسیسنگ فیکٹری پر تعمیراتی کام شروع ہو گیا ہے۔ بغلان کے گورنر کے پریس آفس کے ایک بیان کے مطابق، اس سہولت کا سنگ بنیاد بغلان کے مرکزی ضلع کے علاقے چم قلعہ میں ایک نئے قائم ہونے والے صنعتی پارک میں رکھا گیا۔ حکام نے کہا کہ اس منصوبے کو ملکی کمپنی ''مبارز بارکزئی'' کی طرف سے فنڈ اور تیار کیا جا رہا ہے۔ بغلان کے گورنر مولوی عبد اللہ مختار نے چم قلعہ کے علاقے میں ایک نئے صنعتی پارک کا افتتاح کیا تھا جس کا مقصد صنعتی ترقی کو فروغ دینا اور مزید سرمایہ کاری کو راغب کرنا ہے۔ بغلان افغانستان کے بڑے چاول پیدا کرنے والے صوبوں میں سے ایک ہے، اور بغلانی چاول اپنے معیار کی وجہ سے پورے ملک میں مشہور ہے۔

کابل فلور مل منصوبہ

افغانستان کی سینٹرل سائلو اماراتی کمپنی نے کابل میں فلور مل کا منصوبہ مکمل کر لیا ہے۔ امید ریڈیو کے نمائندے کے مطابق، کمپنی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر مولوی نصرت اللہ منصور نے بتایا کہ آٹے کی چکی ۱۰۰ جریب اراضی پر ۲۱ ملین افغانی کی لاگت سے بنائی گئی ہے اور اس میں روزانہ تقریباً ۱۳۰ ٹن آٹا تیار کرنے کی صلاحیت ہے۔ کابل سائلو کے عہدیداروں نے بتایا کہ اس سہولت میں اس وقت ۵۰،۰۰۰ ٹن گندم ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہے اور گندم کی پروسیسنگ اور آٹے کی پیداوار کے ذریعے افغانستان کی خود کفالت کو مضبوط بنانے کی کوششیں جاری ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ طور خم کراسنگ پر پناہ گزینوں کے لیے روزانہ تقریباً ۳۰،۰۰۰ روٹیاں تیار اور تقسیم کی جاتی ہیں۔

جبل السراج سیمنٹ پلانٹ کی تعمیر

جبل السراج، صوبہ پروان میں سیمنٹ کے دوسرے بڑے پروڈکشن پلانٹ کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا۔ حکام کے مطابق دوسرے جبل السراج سیمنٹ پلانٹ میں ہر ۲۴ گھنٹے میں ۵ ہزار ٹن سیمنٹ پیدا کرنے کی گنجائش ہو گی۔

کابل میں کمرشل مارکیٹ کی تعمیر

اقتصادی کمیشن کی بین الوزارتی سرمایہ کاری کمیٹی نے کابل کے فرسٹ ڈسٹرکٹ میں وزارت خزانہ کی اراضی پر دو تجارتی منڈیوں کی تعمیر کے منصوبوں کا جائزہ لیا اور منظوری دے دی۔ نائب وزیر اعظم برائے اقتصادی امور کے دفتر کے ایک بیان کے مطابق منڈئی کے علاقے میں ظاہر شاہی مارکیٹ آٹھ منزلہ عمارت کے طور پر ۱۶۱ ملین افغانی کی سرمایہ کاری سے تعمیر کی جائے گی اور تعمیراتی معیارات کے مطابق ہو گی۔ اسی ضلع میں پانچ منزلوں پر مشتمل ایک اور کمرشل مارکیٹ بھی بنائی جائے گی۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ تجارتی انفراسٹرکچر کو وسعت دینے کے علاوہ، ان منصوبوں پر عمل درآمد درجنوں افراد کے لیے براہ راست روزگار کے مواقع پیدا کرے گا اور وسطی کابل میں اقتصادی سرگرمیوں میں اضافے میں معاون ثابت ہو گا۔

تالقان صوبہ تخار میں کمرشل مارکیٹ کی تعمیر

نائب وزیر اعظم برائے اقتصادی امور ملا عبد الغنی برادر اخوند کی سربراہی میں اقتصادی کمیشن نے صوبہ تخار کے دارالحکومت تالقان میں ۱۱۰ ملین افغانی کی سرمایہ کاری سے سات منزلہ تجارتی مارکیٹ بنانے کی تجویز کی منظوری دی۔ اقتصادی کمیشن کی جانب سے جاری بیان کے مطابق اجلاس میں نئی ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی اور راغب کرنے کے لیے ٹیکس اور کسٹم چھوٹ کے نفاذ کے لیے رہنما اصولوں کا بھی جائزہ لیا گیا۔

صحت و طب

افغان وزارت صحت عامہ کے وفد کا دورہ تاشقند

مولوی حمد اللہ زاہد، وزارت صحت عامہ کے فوڈ اینڈ ڈرگ کے نائب وزیر اور ان کے ہمراہ وفد نے اپنے دورہ تاشقند کے دوران ازبکستان کے شعبہ صحت کے حکام سے ملاقات کی۔

افغانستان کی وزارت صحت عامہ کے مطابق، ازبکستان کے نائب وزیر صحت الہام جون عمرزاکوف کے ساتھ بات چیت ہوئی، جس میں صحت، ادویات اور طبی مصنوعات کے شعبوں میں تعاون کو بڑھانے پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ دونوں فریقوں نے خصوصی تجربات کے تبادلے، افغان مریضوں کے علاج میں تعاون (خاص طور پر کینسر اور دل کے امراض) اور دونوں ممالک کے درمیان تکنیکی تعلقات کو مضبوط بنانے پر تبادلہ خیال کیا۔ وزارت نے مزید کہا کہ مولوی حمد اللہ زاہد نے دواسازی کی صنعت اور طبی آلات کی ترقی کے لیے ازبکستان کے دفتر کے سربراہ عبد اللہ عزیزوف سے بھی الگ سے ملاقات کی، جہاں انہوں نے صلاحیت کو مضبوط بنانے اور تکنیکی عملے کی تربیت، دونوں ممالک کے درمیان دواسازی کی صنعت کی ترقی، کوالٹی کنٹرول لیبارٹریوں کو بہتر بنانے، اور لیبارٹری کے آلات میں تعاون پر تبادلہ خیال کیا۔

روزگان میں UNHCR کی مالی امداد سے مرکز صحت کا افتتاح

افغانستان کی وزارت صحت عامہ نے یو این ایچ سی آر کے مالی تعاون سے صوبہ روزگان کے ضلع دیہ راود میں تین لاکھ پچاسی ہزار ڈالر کی لاگت سے ایک نئے مرکز صحت کا افتتاح کیا ہے۔ وزارت کے ایک بیان کے مطابق افتتاحی تقریب میں وزیر صحت عامہ مولوی نور جلال جلالی اور ان کے ہمراہ وفد نے شرکت کی۔ بیان میں کہا گیا کہ نیو کمیونٹی ہیلتھ سینٹر (نیو سی ایچ سی) ۵،۰۹۶ مربع میٹر کی جگہ پر بنایا گیا تھا۔ یہ سہولت مقامی رہائشیوں کی صحت کی ضروری خدمات تک رسائی کو بہتر بنائے گی اور علاقے میں اہم طبی ضروریات کو پورا کرنے میں مدد کرے گی۔ وزارت نے امید ظاہر کی کہ نیا مرکز صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کو بڑھانے اور ضلع میں کمیونٹیز کی مجموعی صحت کو بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کرے گا۔

ابو علی سینا بلخی نمائش

افغانستان نے کابل میں ”ابو علی سینا بلخی“ کے عنوان سے اپنی دوسری قومی اور بین الاقوامی صحت کی دیکھ بھال کی نمائش کا آغاز کیا، جس میں امارت اسلامیہ کے اعلیٰ حکام اور فارماسیوٹیکل سیکٹر کے نمائندوں نے شرکت کی۔ چار روزہ نمائش کا اہتمام افغانستان میڈیسن اینڈ میڈیکل پروڈکٹس یونین نے وزارت صحت عامہ کے تعاون سے کیا تھا۔ اس نمائش میں گیارہ سو سے زائد اقسام کی ملکی سطح پر تیار کردہ ادویات اور طبی مصنوعات رکھی گئیں۔ فارماسیوٹیکل یونین کے عہدیداروں نے بتایا کہ افغانستان اس وقت اپنی مقامی ادویات کی طلب کا ۳۸ فیصد مقامی فیکٹریوں کے ذریعے پیدا کرتا ہے۔ افغانستان میڈیسن اینڈ میڈیکل پراڈکٹس یونین کے سربراہ احمد سعید شمس نے کہا کہ اس وقت ملک بھر میں ۱۳۵ ملکی فیکٹریاں ۱۱۷۰ قسم کی دوائیں تیار کر رہی ہیں جبکہ ۵۰۰ دیگر مصنوعات کی جانچ کی جا رہی ہے۔

متفرق

افغانستان کے ناظم الامور کی ملائیشیا کی آٹھویں بین الاقوامی کانفرنس برائے اسلامی فکر و تہذیب میں شرکت

ملیشیا میں افغانستان کے قائم مقام سفیر نقیب اللہ احمدی نے اسلامی فکر اور تہذیب پر آٹھویں بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کی۔ یہ کانفرنس پیراک ریاست کے دار الحکومت ایپوہ میں منعقد ہوئی اور اس میں سلطان آف پیراک، ملائیشیا کے نائب وزیر اعظم، اعلیٰ سرکاری حکام، اسلامی سکالرز اور مختلف ممالک کی علمی شخصیات نے شرکت کی۔ کانفرنس کے موقع پر، احمدی نے پیراک کے سلطان نظرین معیز الدین شاہ، ملائیشیا کے نائب وزیر اعظم، اور ملک کے اعلیٰ تعلیم کے وزیر سے بھی الگ الگ ملاقاتیں کیں تاکہ باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا جا سکے۔

مولوی عبد السلام حنفی کا بگرام جیل کا دورہ

مولوی عبد السلام حنفی، نائب وزیر اعظم برائے انتظامی امور، کمیشن برائے تنظیمی ڈھانچہ اور تنخواہوں کے ارکان کے ہمراہ بگرام جیل کے مجموعی حالات کا جائزہ لینے اور قیدیوں سے ملاقات کے لیے گئے۔ صدارتی محل (ارگ) سے جاری کردہ ایک بیان کے مطابق، مولوی حنفی اور ان کے ہمراہ وفد نے جیل کے مختلف حصوں کا معائنہ کیا، قیدیوں کے حالات زندگی، صحت کی دیکھ بھال کی خدمات، خوراک کی تقسیم، حراستی سہولیات اور قیدیوں کے مسائل سے نمٹنے کا جائزہ لیا۔ بیان میں مزید کہا گیا کہ مولوی حنفی نے قیدیوں کی درخواستیں سنیں اور جیل حکام کو ہدایت کی کہ وہ اسلامی قانون کے مطابق قیدیوں کے حقوق کی مکمل پاسداری کریں، نظر بندی کے حالات کو بہتر بنائیں، صحت کی دیکھ بھال کی خدمات کو مستحکم کریں اور ان کے مسائل کے حل پر سنجیدگی سے توجہ دیں۔

غور میں ۳۰ ہزار کلو گرام منشیات تلف کر دی گئی

غور کے حکام کا کہنا ہے کہ انہوں نے صوبائی مرکز اور گردونواح کے اضلاع سے اکٹھی کی گئی انیتس ہزار کلو گرام سے زائد منشیات کو تلف کر دیا ہے۔ حکام کے مطابق تباہ ہونے والے مادوں میں افیون، چرس، میتھم فیٹامائن، الکوحل اور منشیات کی تیاری میں استعمال ہونے والے مختلف کیمیکلز اور مرکبات شامل ہیں۔

صوبائی حکام نے مزید کہا کہ امارت اسلامیہ کے دوبارہ اقتدار میں آنے کے بعد سے ملک بھر میں منشیات کی کاشت، پیداوار اور اسمگلنگ پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اور گزشتہ پانچ سالوں میں ملک بھر میں منشیات کی پیداوار کے درجنوں مراکز اور لیبارٹریوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔

سرکاری سروسز کی ڈیجیٹلائزیشن

نائب وزیر اعظم برائے انتظامی امور مولوی عبد السلام حنفی نے کہا ہے کہ بیوروکریسی کو کم کرنے، عوامی خدمات کی فراہمی کو بڑھانے اور کاغذی دستاویزات کے استعمال کو کم سے کم کرنے کے لیے حکومتی انتظامی عمل کو ڈیجیٹائز کرنا بہت ضروری ہے۔

ٹیلی کمیونیکیشن اور انفارمیشن ٹیکنالوجی نمائش کے افتتاح کے موقع پر حنفی نے کہا کہ اس وقت ملک بھر میں ۴۰۰ کے قریب ٹیلی کمیونیکیشن سائٹس کام کر رہی ہیں اور افغانستان نے ای گورننس کے شعبے میں بھی قابل ذکر پیش رفت کی ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ انتظامی امور کی ڈیجیٹلائزیشن حکومتی طریقہ کار کو ہموار کرنے، تیز تر اور زیادہ قابل رسائی عوامی خدمات فراہم کرنے اور کاغذ پر مبنی دستاویزات پر انحصار کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی اور ٹیلی کمیونیکیشن سروسز کو پھیلانے سے شہریوں کی سرکاری خدمات تک رسائی میں اضافہ ہو گا اور انتظامی عمل کو ہموار کیا جائے گا۔

لوگر میں واپس آنے والوں کے لیے ۳۳۸۵ گھروں کے ٹاؤن کی منظوری

ملک کے شہری ترقی اور ہاؤسنگ کے وزیر مولوی نجیب اللہ حیات حقانی نے صوبہ لوگر میں واپس جانے والے افغان مہاجرین کے لیے رہائشی ٹاؤن کے تفصیلی ماسٹر پلان کی منظوری دے دی اور اس پر دستخط کر دیے۔ وزارت کے مطابق یہ منصوبہ ۱۴۳،۲ جریب اراضی پر تیار کیا جائے گا اور اس میں ۳۳۸۵ رہائشی پلاٹ شامل ہوں گے۔ رہائش کے علاوہ، منصوبہ سڑکوں، پارکس، اسکولوں، صحت کی دیکھ بھال کی سہولیات، مساجد اور دیگر عوامی خدمات کے لیے جگہ فراہم کرتا ہے تاکہ رہائشیوں کو ضروری بنیادی ڈھانچے اور سہولیات تک رسائی حاصل ہو۔ شہری ترقی اور مکانات کی وزارت نے کہا کہ وہ واپس آنے والے پناہ گزینوں کو محفوظ، باوقار اور پائیدار زندگی کے حالات فراہم کرنے کے لیے اسی طرح کی رہائشی بستیوں کی منصوبہ بندی اور ان پر عمل درآمد کو تیز اور منظم کرتا رہے گا۔

☆☆☆☆☆

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس
عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبدالستار سعید

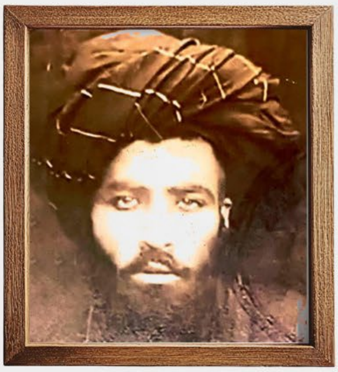

چند اعتراضات اور ان کا جائزہ (۲)

کیا طالبان مجاہدین کے مقابلے میں کھڑے ہوئے تھے؟

طالبان کے مخالفین کی جانب سے یہ الزام بار بار دہرایا جاتا ہے کہ طالبان دراصل مجاہدین[1] کو ختم کرنے اور انہیں سیاسی منظر نامے سے بے دخل کرنے کے لیے وجود میں آئے تھے۔ بظاہر یہ دعویٰ اسی صورت میں قابلِ غور ہو سکتا تھا اگر طالبان کوئی ایسی جداگانہ جماعت ہوتے جس کا ماضی جہاد سے وابستہ نہ ہوتا، یا وہ اسلامی مزاحمت اور جہادی مقاصد کے حصول پر یقین نہ رکھتے۔

حقیقت اس کے برعکس ہے۔ طالبان دراصل انہی مجاہدین کا حصہ تھے جنہوں نے سوویت یونین کے خلاف جہاد میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ مخلص، فداکار اور جان نثار مجاہدین تھے جنہوں نے افغانستان کے ہر گوشے میں جہاد کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کی تمام تر مشکلات اور قربانیوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ جہاد کی کامیابی میں انہی گمنام اور بے لوث غازیوں کی قربانیاں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں، اگرچہ اس کے ثمرات اور فوائد دوسروں نے حاصل کیے۔

تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ جس طرح کمیونزم اور سوویت جارحیت کے خلاف جہادی تحریک کی بنیاد دینی علماء اور طلبہ نے رکھی تھی، اسی طرح پورے دورِ جہاد میں بھی مختلف صوبوں میں علماء اور طلبہ ہی جہادی سرگرمیوں کا محور رہے۔ ان کے زیرِ قیادت بڑے بڑے مسلح محاذ اور جہادی گروہ سرگرمِ عمل تھے۔ ان میں مولوی محمد نبی محمدی، مولوی محمد یونس خالص، مولوی نصر اللہ منصور، مولوی جلال الدین حقانی، مولوی رفیع اللہ مؤذن، مولوی عبداللہ ذاکری اور مولوی محمد میر جیسے جلیل القدر علماء شامل تھے، جن کی اپنی مستقل جہادی تنظیمیں یا مضبوط تنظیمی تشکیلات موجود تھیں۔ اسی طرح ملک کے ہر صوبے میں طلبۂ کرام کے مستقل محاذ قائم تھے، جو جہاد میں مؤثر اور نمایاں کردار ادا کر رہے تھے۔

جب سوویت یونین افغانستان سے نکل گیا اور کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ ہو گیا تو جہاد کی وہ علت، جس کی بنا پر اس کا فرض ہونا لازم تھا، ختم ہو چکی تھی۔ نہ کوئی حملہ آور کافر باقی رہا تھا اور نہ ہی کمیونزم کا فتنہ موجود تھا۔ چنانچہ بہت سے مخلص مجاہدین نے اپنے ہتھیار ایک طرف رکھ دیے اور معمول کی زندگی کی طرف لوٹ گئے۔ تاہم انہیں یہ اندازہ نہ تھا کہ کمیونزم کے زوال کے بعد ملک ایک ایسے فتنے کی لپیٹ میں آنے والا ہے جو وطن اور قوم دونوں کے لیے تباہ کن نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

کمیونسٹ حکومت کے سقوط کے بعد جہادی قیادت ملک میں مؤثر نظم و نسق قائم کرنے اور ایک حقیقی اسلامی نظام نافذ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے متعدد علاقوں میں مسلح بدمعاشوں، کمیونسٹ رجیم کے باقی ماندہ عناصر اور لٹیروں نے اقتدار اور اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ نتیجتاً ملک بدامنی، لوٹ مار اور قانون شکنی کی لپیٹ میں آ گیا، جبکہ عوام کی جان، مال، عزت اور آبرو ہر لمحہ خطرات سے دوچار ہو گئی۔

یہ لٹیرے اور مسلح گروہ، جنہوں نے عوام کا جینا دوبھر کر رکھا تھا، درحقیقت مجاہدین نہیں تھے۔ ان میں اکثریت ایسے عناصر کی تھی جو جہاد اور مجاہدین کے نام کو اپنے ذاتی مفادات کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ اقتدار کی ہوس، گروہی مفادات، قومیت اور لسانیت پر مبنی جاہلی نعروں سے وابستگی، اور کمیونسٹ رجیم کے باقی ماندہ عناصر کا اثر و نفوذ ان میں نمایاں تھا۔

جب ان کا ظلم، فساد اور قانون شکنی حد سے تجاوز کر گئی اور عوام کی جان، مال اور عزت و آبرو غیر محفوظ ہو گئی، تو سوویت یونین کے خلاف برسرِپیکار رہنے والے حقیقی اور مخلص مجاہدین نے ایک بار پھر حالات کی اصلاح اور جہاد کے اصل مقاصد کے حصول کے لیے میدان میں قدم رکھا۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ طالبان کی اسلامی تحریک دراصل افغانستان کے سیاسی منظر نامے میں انہی صادق اور بے لوث مجاہدین کی واپسی تھی۔

---

[1] یہاں مجاہدین سے مراد ہیں وہ 'مجاہدین' جنہوں نے روس کے خلاف جنگ لڑی اور بعد میں حکومت قائم کی اور ان کی حکومت کو مجاہدین کی حکومت کہا جاتا ہے، یعنی وہ زمانہ جو روس کے افغانستان سے انخلا کے بعد اور طالبان کے افغانستان پر حکومت سے قبل کا تھا۔ (ادارہ)

اس کا ثبوت یہ ہے کہ امارتِ اسلامیہ کے بیشتر اہم رہنماؤں اور مرکزی شخصیات کی سوانح عمری کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثریت نے اپنی جدوجہد کا آغاز سوویت یونین کے خلاف جہاد سے کیا تھا۔

مثال کے طور پر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد ابتدائی دور کے نمایاں مجاہدین میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح رئیس الوزراء ملا محمد ربانی قندھار کے مشرقی علاقوں کے جنگی محاذ کے معاون کے طور پر سوویت مخالف محاذوں میں سرگرم رہے۔

وزیر دفاع شہید ملا عبید اللہ اخند، عسکری کمانڈر شہید ملا محمد اخند، اور فاتح کابل شہید ملا بورجان اخند بھی انہی ابتدائی محاذوں کے سرگرم مجاہدین میں شامل تھے۔

اسی طرح ریاست الوزراء کے معاون ملا محمد حسن اخند، غزنی کے گورنر ملا یار محمد اخند، امارت کے موجودہ (نائب رئیس الوزراء) ملا (عبد الغنی) برادر، اور ٹرانسپورٹ کے وزیر و بعد ازاں امیر المومنین بننے والے شہید ملا اختر محمد منصور صاحب[۲] بھی ان شخصیات میں شامل ہیں جنہوں نے سوویت یونین اور کمیونسٹ رجیم کے خلاف جہاد میں صفِ اول کے مجاہدین کی حیثیت سے کردار ادا کیا۔

اسی طرح گورنر قندھار ملا محمد حسن رحمانی اور امارتِ اسلامیہ کے دیگر متعدد سیاسی و عسکری قائدین بھی انہی ابتدائی جہادی صفوں سے تعلق رکھتے تھے، جو اپنے اپنے علاقوں میں فعال اور نمایاں مجاہدین کے طور پر جانے جاتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر طالبان مجاہدین کے خلاف ہوتے تو وہ دراصل خود جہاد کے مقاصد کے بھی خلاف ہوتے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ طالبان وہی لوگ تھے جنہوں نے جہاد اسی مقصد کے لیے کیا تھا کہ ملک سے کفر اور فساد کا خاتمہ ہو اور ایک ایسا اسلامی نظام قائم ہو جو شریعت، امن، عدل اور انصاف پر مبنی ہو۔

کمیونزم کے خلاف چودہ سالہ جہاد کا بنیادی ہدف بھی یہی تھا کہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جس میں اسلامی اصولوں کے مطابق نظامِ حیات قائم ہو۔ امارتِ اسلامیہ ہی وہ نظام تھا اور ہے، جس نے مجاہدین اور شہداء کی اس تمنا کو پورا کرنے کی کوشش کی، شریعت کے نفاذ کو عملی شکل دی، عدل و انصاف کو فروغ دیا اور عوام کے لیے وہ امن و سکون فراہم کیا جس سے یہ قوم طویل عرصے تک محروم رہی۔

اسی طرح سوویت یونین کے خلاف جہاد میں شریک اکثر مجاہدین نے امارتِ اسلامیہ کی تائید کی۔ سوویت مخالف جدوجہد کے نمایاں رہنماؤں میں سے کئی شخصیات نے قندھار کے متعدد اسفار کیے اور امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد سے ملاقات کے بعد امارتِ اسلامیہ کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا۔

مولوی جلال الدین حقانی، مولوی نصر اللہ منصور، شہید ملا مدد خان، مولوی محمد شفیق محمدی اور دیگر متعدد جہادی خاندانوں نے نہ صرف اس کی تائید کی بلکہ عملی طور پر امارتِ اسلامیہ کا حصہ بھی بن گئے۔ یہ تمام شواہد اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ امارتِ اسلامیہ مجاہدین کے خلاف کوئی ڈھانچہ نہیں تھا، بلکہ یہ انہی حقیقی مجاہدین کا مرکز تھا، جس کا مقصد جہادی مقاصد اور ان کے ثمرات کی حفاظت اور تسلسل کو یقینی بنانا تھا۔

کیا امارتِ اسلامیہ کسی مخصوص قوم کی تحریک تھی؟

کمیونسٹ رجیم کے سقوط کے بعد جب تنظیموں کے درمیان خانہ جنگی جاری تھی، اس دور میں ملک ایک سنگین بدبختی کا شکار ہو گیا تھا۔ مسلح گروہوں اور مختلف تنظیموں نے نئے افراد کی بھرتی کے لیے قومیت اور لسانیت کے نام پر کشمکش شروع کر دی تھی۔ ہر گروہ، جس کا اصل مقصد اقتدار کا حصول تھا، بظاہر کسی ایک مخصوص قوم کے حقوق کا نعرہ بلند کرتا تھا۔

اگرچہ اس صورتِ حال نے قوم کو مکمل طور پر تقسیم نہیں کیا، تاہم اس سے قومی اور لسانی تعصبات میں نمایاں اضافہ ضرور ہوا۔ انہی حالات میں جب امارتِ اسلامیہ برسرِ اقتدار آئی تو اس نے دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ قومیت اور لسانیت کے اس فتنہ کے خلاف بھی جدوجہد کی۔ امارتِ اسلامیہ کا بنیادی نعرہ اسلامی اخوت تھا، اسی لیے اس نے افغانستان کے ہر علاقے، ہر قوم اور ہر زبان سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنی آغوش میں لیا۔

اس تمام تر پس منظر کے باوجود بعض مؤرخین اور تجزیہ نگاروں نے امارتِ اسلامیہ کو بھی جنگ پسند تحریکوں کی صف میں شامل کرنے کی کوشش کی اور یہ دعویٰ کیا کہ امارتِ اسلامیہ ایک مخصوص قوم کی نمائندہ تحریک تھی جس نے قوم پرستانہ رجحانات کو فروغ دیا۔

تاہم حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ملا محمد عمر مجاہد ذاتی حیثیت میں قومی، لسانی اور علاقائی تعصبات سے مکمل طور پر پاک شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی زندگی، کردار اور طرزِ قیادت میں تعصب کی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جسے بطورِ ثبوت پیش کیا جا سکے۔ اسی طرح امارتِ اسلامیہ کی فکر، پالیسی اور حکمتِ عملی بھی اسلامی اخوت اور وحدتِ امت کے اصولوں پر

[۲] شہید ملا اختر محمد منصور، ولد الحاج محمد جان، ۱۹۶۸ء میں صوبہ قندھار کے ضلع میوند کے علاقے بند تیمور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے امارتِ اسلامیہ کے دورِ حکومت میں فضائیہ کے علاوہ مختلف سِول اور عسکری ذمہ داریاں انجام دیں۔ امریکہ کے خلاف جاری جہاد میں ابتدا میں وہ قندھار کے جہادی مسؤل کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں جب امارتِ اسلامیہ کے نائب اور وزیرِ دفاع ملا عبید اللہ اخند کو پاکستانی فوج نے گرفتار کیا تو ملا محمد عمر مجاہد کے فرمان کے مطابق ملا اختر محمد منصور کو امارتِ اسلامیہ کا نائب مقرر کیا گیا، اور وہ اس ذمہ داری کو ملا عبد الغنی برادر کے ساتھ مل کر ادا کرتے رہے۔ بعد ازاں جب امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی وفات کا اعلان کیا گیا تو امارتِ اسلامیہ کی رہبری شوریٰ نے ملا اختر محمد منصور کو امارتِ اسلامیہ کا رہبر اور امیر المومنین منتخب کیا۔
انہوں نے انتہائی مشکل اور آزمائشی حالات میں اس ذمہ داری کو نہایت حوصلے، تدبیر اور استقامت کے ساتھ نبھایا، یہاں تک کہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۳۷ ہجری کو امریکی ڈرون حملے میں شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

استوار تھی۔ اس کے نزدیک افغانستان کی تمام اقوام یکساں احترام اور مساوی حیثیت رکھتی تھیں، جبکہ دنیا بھر کے مسلمان، خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملک، نسل، زبان یا رنگ سے ہو، ایک ہی دینی اخوت کے رشتے میں بندھے ہوئے سمجھے جاتے تھے۔

امارتِ اسلامیہ کی صفوں میں بدخشاں سے لے کر تخار، بادغیس، ہرات، نیمروز، پکتیا اور نورستان تک، غرض ملک کے تمام صوبوں سے تعلق رکھنے والے مجاہدین موجود تھے اور وہ مختلف اعلیٰ سرکاری ذمہ داریوں پر فائز تھے۔ امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی قیادت میں مختلف علاقوں اور مختلف زبانوں سے تعلق رکھنے والے مجاہدین ایک ہی پرچم تلے اور ایک ہی صف میں جمع تھے۔

یہ ہم آہنگی اور وحدت اسی وقت ممکن ہو سکی جب قندھار کے مولوی احسان اللہ احسان نے ملک کے شمالی شہر مزار شریف کی آزادی کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا، اور تخار کے مولوی محمد سرور حق پرست نے ملک کے جنوب مشرقی صوبے خوست میں جامِ شہادت نوش کیا۔

امارتِ اسلامیہ کی جہادی کامیابیوں میں دیگر صوبوں کے مجاہدین کے ساتھ ساتھ بدخشاں، تخار اور قندوز کے طالبان نے بھی نمایاں کردار ادا کیا، ان علاقوں سے تعلق رکھنے والے مسافر طالبان خالصتاً اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اپنے گھروں سے دور ہو کر امارتِ اسلامیہ کی صفوں میں خدمات انجام دے رہے تھے۔

اس کی ایک عملی مثال صوبہ لوگر میں واقع وہ قبرستان ہے جہاں صرف بدخشاں اور تخار سے تعلق رکھنے والے وہ طالبان شہداء مدفون ہیں جو جہاد اور نفاذِ شریعت کے مقصد کے لیے یہاں آئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر امارتِ اسلامیہ اور اس کے مخالف مسلح گروہوں کے درمیان ہونے والی جنگوں کی حقیقت کو سمجھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان معرکوں کی بنیاد قومی یا نسلی نہیں تھی، بلکہ یہ اقدار کے تصادم پر مبنی تھیں۔

فساد اور شر کے علمبردار مسلح گروہوں نے نہ صرف شرعی حدود کی خلاف ورزی کی بلکہ حقوق العباد کو بھی پامال کیا، معاشرے میں بدامنی اور منکرات کو فروغ دیا، اور شرعی قوانین کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے۔ اس کے برعکس امارتِ اسلامیہ کے قیام کا بنیادی مقصد جہاد کے مقاصد کا تحفظ، شرعی احکام کا نفاذ اور معاشرے سے فساد و بگاڑ کا خاتمہ تھا۔

یہی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ تمام عناصر جو شرعی قوانین کے مخالف اور معاشرتی بدامنی کے ذمہ دار سمجھے جاتے تھے، خواہ ان کا تعلق کسی بھی قوم یا علاقے سے تھا، امارتِ اسلامیہ کے مخالف کیمپ میں شامل ہو گئے۔

قندھار، غزنی، میدان وردگ، کابل اور مشرقی صوبوں سمیت مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے متعدد مسلح گروہ، جن کی اکثریت پشتون تھی، طالبان کی آمد کے بعد مختلف مقامی و علاقائی رہنماؤں کے ساتھ مل کر مخالف صف میں کھڑے ہو گئے۔ اس کے مقابلے میں شمالی صوبوں کے متعدد حلقوں نے امارتِ اسلامیہ کی حمایت کا راستہ اختیار کیا۔

لہٰذا اس جنگ کی اصل نوعیت قومی یا لسانی نہیں تھی، بلکہ یہ شریعتِ اسلامی کے چاہنے والوں اور اس کی مخالفت کرنے والے عناصر کے درمیان ایک تصادم تھا۔

آئندہ سالوں میں امریکی جارحیت کے مقابلے میں امارتِ اسلامیہ کا جہاد کرنا اور افغانستان کی تمام اقوام، صوبوں اور مختلف علاقوں میں امارت کا اثر و رسوخ مزید واضح ہو گیا، امریکی جارحیت کے مقابلے میں امارتِ اسلامیہ کے پرچم تلے ملک کے تمام ۳۴ صوبوں میں جہاد شروع ہوا۔

امارتِ اسلامیہ کے پرچم تلے اس جہاد میں جیسا کہ قندھار اور پکتیا کے پشتون مجاہدین شریک تھے، وہیں بدخشاں اور تخار کے تاجک، فاریاب اور جوزجان کے ازبک، نیمروز کے بلوچ، اسی طرح ترکمن، نورستانی، پشئی، عرب افغان، گجر اور دیگر تمام اقوام و علاقوں کے مجاہدین شریک ہیں۔

ملا محمد عمر مجاہد کا ایک بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے ملک بھر سے قومیت و عصبیت کی بحث ہی ختم کر ڈالی، مختلف علاقوں کے مجاہدین کو ایک پرچم تلے جمع کیا، یوں نا صرف ملک کو ٹکڑے ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ مسلمانوں کے درمیان سے شکوک و شبہات کے عوامل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

شدت پسندی یا افراطیت کا الزام

ملا محمد عمر مجاہد کی قیادت میں امارتِ اسلامیہ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ تحریک عالمِ اسلام کے دیگر ممالک کے برعکس مختلف افکار و پالیسیوں پر عمل پیرا تھی۔ مثال کے طور پر لوگوں کو نماز کی دعوت دینا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ادارے کا قیام، جس کا مقصد دعوت و اصلاح کی سرگرمیوں کو منظم کرنا تھا۔

اسلام اور اسلامی حکومت کی حقیقت سے بے خبر بعض لوگ امارتِ اسلامیہ کے اس عمل کو شدت پسندی اور طالبان کو انتہا پسندی کا الزام دیتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کو پتہ ہی نہیں کہ اسلامی حکومت کے بنیادی فرائض و ذمہ داریاں کیا ہیں؟

آج پوری دنیا میں سیکولر یا دین سے آزاد نظام رائج ہیں، سیکولر نظام میں حکومت کی بنیادی ذمہ داری بالعموم مادی ترقی، عوامی سہولیات کی فراہمی اور معیارِ زندگی کو بلند کرنا تصور کیا جاتا ہے۔

لیکن اسلام میں مادی فوائد کا حصول دوسرے درجے میں ہے، کیونکہ اسلامی حکومت اور مسلمان حاکم کے بنیادی فرائض میں وہ امور ہیں، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۱ میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (سورۃ الحج:۴۱)

”یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔“

اس آیت کریمہ میں تمکین اور طاقت و قوت کے حصول کے بعد مسلمان حکمرانوں کے بنیادی فرائض میں چار چیزوں کا تذکرہ ہے: نماز، زکاۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ ان چار کے علاوہ مسلمان حکمران کی پانچویں ذمہ داری عدل و انصاف کا قیام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ○ (سورۃ ص:۲۶)

”اے داود! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو، اور نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، کیونکہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا تھا۔“

لہٰذا اگر ملا محمد عمر نماز کے اہتمام، نمازوں کے قیام، تعلیم و تعلم اور نماز باجماعت کی ادائیگی کے حوالے سے مختلف فرامین جاری کرتے تھے تو اسے کسی طور پر تشدد یا انتہا پسندی قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ ایک مسلمان حکمران کی حیثیت سے یہ ان کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

نماز، جسے دین کا ستون (عماد الدین) قرار دیا گیا ہے، اسلام کی اہم ترین عبادت ہے۔ اس کی باجماعت ادائیگی کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین نے ہمیشہ نماز کی امامت اور اس کے اہتمام کو اپنی ذمہ داری سمجھا۔

امارتِ اسلامیہ کے سرکاری جریدہ کا خصوصی شمارہ ۷۸۸، جو امیر المومنین کے فرامین کے لیے مخصوص تھا، اس میں سب سے زیادہ فرامین نماز سے متعلق ہیں۔ دینِ اسلام کی اس اساسی عبادت پر اس قدر توجہ دراصل خلفائے راشدین اور سلفِ صالحین کی سنت کے احیاء کے مقصد سے تھی۔

مؤطا امام مالک جلد اول چھٹے صفحے پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام نافع سے روایت ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ:
إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ، فَمَنْ حَفظَها وحافظ عَلَيْهَا فَقَدْ حَفِظَ دِينَهُ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ.

حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے عاملوں (گورنروں) کو لکھا:
”میرے نزدیک تمہارے معاملات میں سب سے اہم چیز نماز ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس کا خیال رکھا، اس نے اپنے دین کی حفاظت کی، اور جس نے اسے ضائع کیا وہ دیگر امور کو اور زیادہ ضائع کرے گا۔“

حضرت عمر فاروقؓ کا یہ محض کوئی عمومی قول نہیں تھا بلکہ ایک باضابطہ اور رسمی فرمان تھا، جس میں نماز کے اوقات اور اس کے اہتمام سے متعلق ہدایات بھی شامل تھیں۔ اسی طرح بعد کے خلفائے راشدین، خصوصاً حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت علیؓ سے بھی یہ منقول ہے کہ وہ اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کو وضو اور نماز کی تعلیم و تلقین کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نماز ایک مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اقامتِ نماز نہ صرف انسان کے ظاہر و باطن کی اصلاح کا ذریعہ ہے بلکہ اس کے اقوال و افعال کو بھی درست سمت عطا کرتی ہے، یہاں تک کہ قرآنِ کریم کے مطابق نماز انسان کو برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔

اسی طرح ”سیاست“ کا ایک مفہوم امور کی تدبیر اور معاشرتی اصلاح بھی ہے، اس لیے ایک مسلمان حکمران کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انفرادی و اجتماعی اصلاح کے لیے اقامتِ نماز کی طرف خصوصی توجہ دے۔

قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر بھی آیا ہے، جس سے اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ زکوٰۃ بھی اسی طرح ایک اہم فریضہ ہے۔ اگر نماز انسان کی روحانی تربیت کا ذریعہ ہے تو زکوٰۃ فرد اور معاشرے کے لیے مالی نظام کی اصلاح کا وسیلہ بنتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس فریضے کی ادائیگی اور اس کے نفاذ کی طرف بھرپور توجہ دے۔

مسلمان حکمران کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، مسلمان حکمران اس بات کا مکلف ہے کہ اپنی رعیت کو نیکیوں کی طرف بلائے اور برے کاموں سے روکے، یہی تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مفہوم ہے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اپنے اپنے درجے میں ہر مسلمان پر فرض ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۱۰)

”(مسلمانو) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو مومن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے۔“

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ».

”تم میں سے جو شخص کوئی برائی (منکر) دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے (روک دے)، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے (اسے برا جانے)، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

فتاویٰ عالمگیری (جلد ۵، صفحہ ۳۵۳) میں مذکور ہے کہ ہاتھ (قوت و اقتدار) کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نفاذ حکمرانوں اور اصحابِ اقتدار کی ذمہ داری ہے، زبان کے ذریعے اس کی ادائیگی علماء کا فریضہ ہے، جبکہ دل سے برائی کو برا جاننا عام مسلمانوں کا درجہ ہے۔

اس بنا پر، اگر ملا محمد عمر مجاہد ایک مسلمان حکمران تھے، تو شرعی اعتبار سے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اپنی قانونی و حکومتی قوت کے ذریعے معاشرے میں نیکی کو فروغ دیں، برائی کا سدباب کریں اور منکرات کی روک تھام کا اہتمام کریں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلامی نظامِ حکومت کے بنیادی فرائض میں سے ہے۔ جب یہ فریضہ نظر انداز کر دیا جائے تو معاشرے میں فساد، بے راہ روی اور اخلاقی انتشار جنم لیتا ہے۔

جس طرح مغربی سیکولر نظامِ حکومت میں ریاستی امور قانونی اور غیر قانونی کی بنیاد پر منظم ہوتے ہیں، اور حکمران کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ قانون کا نفاذ کرے اور لاقانونیت کا خاتمہ کرے، اسی طرح اسلامی شریعت میں انسانی اعمال حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے اصولوں کے مطابق تقسیم ہوتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی شرعی و قانونی حدود کے اندر رہتے ہوئے لوگوں کو حرام اور ناجائز امور سے روکے، نیکی اور معروف کی ترغیب دے، اور معاشرے میں اسلامی اقدار کے تحفظ کی کوشش کرے۔

اس ذمہ داری کی ادائیگی کو شدت پسندی یا انتہا پسندی قرار دینا درست نہیں، بلکہ اسلامی فقہ اور اسلامی تہذیب و تمدن کی رو سے یہ مسلمان حکمران کے بنیادی فرائض میں شمار ہوتی ہے۔

اسی طرح مسلمان حکمران کی بنیادی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ معاشرے میں عدل و انصاف کو قائم کرے، حدودِ الٰہی کا نفاذ یقینی بنائے، اور شرعی عدالتوں کے ذریعے حقوق ان کے مستحقین تک پہنچائے، تاکہ ہر فرد کو اس کا جائز حق میسر آسکے اور ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو۔

امارتِ اسلامیہ کے دورِ حکومت میں حدودِ شرعیہ کے نفاذ کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ چوری، ڈاکہ زنی اور راہزنی جیسے جرائم پر شرعی احکام کے مطابق سزائیں دی جاتی تھیں، جبکہ قتل کے مقدمات میں شرعی تقاضوں کے مطابق قصاص کا نفاذ کیا جاتا تھا۔ یہی اقدامات نظامِ عدل و انصاف کے عملی مظاہر تھے۔

اسی نظامِ قانون اور امن و امان کے نتیجے میں افغانستان، جو ایک طویل عرصے تک بدامنی اور خانہ جنگی کا شکار رہا تھا، امن و امان والے ممالک میں سرفہرست میں شمار ہونے لگا۔ حدودِ الٰہی کا نفاذ اور عدل و انصاف کی فراہمی درحقیقت کسی فردِ واحد کا ذاتی کارنامہ نہیں، بلکہ اسلامی شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ ملا محمد عمر مجاہد نے، اپنے حامیوں کے نزدیک، ایک مسلمان حکمران کی حیثیت سے انہی شرعی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی کوشش کی، اور یہی ان کے منصب کے بنیادی تقاضوں میں شمار ہوتا تھا۔

جو لوگ اسلام کے نظامِ عدل و انصاف کو شدت پسندی کا نام دیتے ہیں، بعید نہیں کہ وہ دینِ اسلام کی حقیقی روح سے ناواقف ہوں، یا پھر احکامِ الٰہی، قوانینِ شریعت اور حدودِ ربانیہ کے بارے میں تعصب، عناد اور ہٹ دھرمی کا شکار ہوں۔

بت شکنی

ملا محمد عمر مجاہد پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کے حکم سے افغانستان کے صوبہ بامیان میں بدھ کے بتوں کے علاوہ قدیم مجسموں کو منہدم کیا گیا، یہ موضوع ان موضوعات سے میں ایک تھا، جس پر پوری دنیائے کفر نے شور و غوغا مچایا، لیکن ملا محمد عمر مجاہد ذرہ برابر بھی ان کے دباؤ میں نہ آئے اور افغانستان کی اسلامی سرزمین کو کفر اور شرک کے آثار سے پاک وصاف کر دیا۔

ملا محمد عمر مجاہد دیگر تمام مسائل کی طرح اس مسئلے کو بھی دینی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے، اگر ہم قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں، تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ملا

صاحب کا یہ حکم اگرچہ دشمنانِ اسلام کے مزاج کے مطابق نہ تھا، مگر اسلامی تعلیمات سے بالکل مطابق اور ہم آہنگ بلکہ مقصود تھا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ہے، اور بتوں اور مجسموں کی تعظیم و توقیر ہی اسی لیے کی جاتی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک گردانتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مبغوض ترین چیزوں میں شامل ہیں، اور انبیاء کو انہیں توڑنے اور منہدم کرنے کا حکم ہوا ہے۔

قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنے کا واقعہ، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سامری کے بنائے گئے بت کو جلا کر ذرہ ذرہ کرنے کے واقعات بیان ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سامری کے بت والے واقعے میں موسیٰ علیہ السلام سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِى الْيَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

(سورۃ طٰہٰ: ۹۸،۹۷)

”اور دیکھ اپنے اس (جھوٹے) معبود کو جس پر تو جما بیٹھا تھا! ہم اسے جلا ڈالیں گے، اور پھر اس (کی راکھ) کو چورا چورا کر کے سمندر میں بکھیر دیں گے۔ حقیقت میں تم سب کا معبود تو بس ایک ہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔“

اسی طرح احادیث میں آیا ہے کہ ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم ذمہ داری بتوں کو توڑنا اور ان کا انہدام تھا۔

عن عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ السُّلَمِيِّ أنه قال للنبيﷺ: وَبِأَيِّ شَيْءٍ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ :أَرْسَلَنِي بِصِلَةِ الْأَرْحَامِ، وَكَسْرِ الْأَوْثَانِ، وَأَنْ يُوَحَّدَ اللَّهُ لَا يُشْرَكَ بِهِ شَيْءٌ«... رواه مسلمَ

”حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو کس مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: صلہ رحمی کے لیے، بتوں کو توڑنے اور اس لیے بھیجا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اکیلا مانا جائے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔“

اسی طرح صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، طبقات ابن سعد اور دیگر کتبِ احادیث و تاریخ میں متعدد روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر خانۂ کعبہ اور اس کے گرد و نواح میں موجود تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔ اسی طرح مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جن میں جریر بن عبد اللہ، خالد بن ولید، مغیرہ بن شعبہ، ابو سفیان بن حرب، علی بن ابی طالب، عمرو بن العاص اور طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہم شامل ہیں، کو مختلف علاقوں جیسے یمن، نخلہ، طائف، الفلس اور دیگر مقامات کی طرف روانہ کیا گیا تاکہ وہاں موجود مشرکین کے معروف بتوں کا خاتمہ کیا جا سکے۔

تاریخی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو افغانستان جیسے خطے میں بھی بت شکنی کی مثالیں ملتی ہیں۔ معجم البلدان جلد دوم، صفحہ ۴۳۴ میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں، جب عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مجاہدین نے سیستان کے علاقے کو فتح کیا تو زمینداور کے علاقے میں ایک پہاڑ پر سونے سے بنا ہوا ایک بت موجود تھا، جس کے ہاتھ عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے توڑ دیے، اور بعد ازاں مجاہدین نے اسے مکمل طور پر منہدم کر دیا۔

اسی طرح ابن الجوزی نے تلبیس ابلیس صفحہ ۷۷ میں ذکر کیا ہے کہ جب مسلمان پہلی مرتبہ بلخ پہنچے تو وہاں موجود ایک عظیم بت کو توڑ دیا گیا۔ اسی طرح مؤرخ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں سلطان محمود غزنوی کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ۴۱۶ہجری میں ہندوستان پر حملے کے دوران سومنات کے مشہور بت کو منہدم کیا۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر بامیان کے بتوں کو توڑنا درست عمل تھا تو سابقہ مسلمان حکمرانوں نے اسے کیوں انجام نہ دیا؟

یہ سوال صرف بامیان کے بتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ مصر کے فرعونی اہرامات اور دیگر قدیم آثار کے بارے میں بھی اٹھایا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں علامہ ابن خلدون نے مقدمہ صفحہ ۳۸۳ میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قدیم زمانے کے یہ بت اور آثار صدیوں کے عرصے میں اس قدر مضبوط اور عظیم الشان انداز میں تعمیر کیے گئے تھے کہ انہیں منہدم کرنا نہایت دشوار تھا۔ اسی تناظر میں ذکر ملتا ہے کہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے کسریٰ کے ایوان کو گرانے کا ارادہ کیا، اور مامون نے مصر کے اہرامات کو منہدم کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ عظیم الشان آثار اپنی مضبوط ساخت کے باعث مکمل طور پر ختم نہ کیے جا سکے۔

اسی طرح بامیان کے بدھ مجسموں کے بارے میں تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خلاف مختلف ادوار میں جزوی کارروائیاں بھی ہوئیں، جن سے ان کے بعض حصے جیسے پاؤں اور بدن کے دیگر اعضاء متاثر ہوئے تھے۔ بعض روایات کے مطابق اموی دور میں ولید بن عبد الملک، بعد کے ادوار میں اورنگزیب عالمگیر اور بعد ازاں امیر عبد الرحمن کے زمانے میں بھی ان مجسموں کے بعض حصوں کو نقصان پہنچانے یا ختم کرنے کی کوششیں کی گئیں، تاہم چونکہ یہ مجسمے سخت چٹانی ساخت سے تراشے گئے تھے، اس لیے قدیم وسائل کے ذریعے ان کا مکمل انہدام نہایت دشوار امر تھا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۶ پر)

نسلِ نو اور پاکستان میں فکری گمراہیوں اور فتنوں کا چیلنج

اریب اطہر

فتنہ الحاد

اسلام ترک کر کے مرتد ہو جانے والا اور اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر گستاخانہ مواد شئیر کر کے اپنی شناخت بنانے والا اویس اقبال اپنے ایکس اکاؤنٹ پر لکھتا ہے:

”یکم جولائی ۲۰۲۳ء کی رات فیملی سمیت جب امریکہ جانے کے لیے لاہور ائیر پورٹ پہنچا تو جنگ کے کرائم رپورٹر کا میسج آیا کہ اویس بھائی آپ کا نام سٹاپ لسٹ میں ہے اندر مت جایئے گا۔ میرے ہاتھ پاوں پھول گئے۔ ایک حکومتی شخصیت کو میسج کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ سٹاپ لسٹ سے اتنی جلدی نام نکلوانا تو ممکن نہیں چلیں میں کچھ کرتا ہوں۔ اور پھر جو انہوں نے کیا میں آج تک ان کا ممنون ہوں۔ انہوں نے ایف آئی اے کے ایک افسر سے میرا رابطہ کروایا جس نے ایئر پورٹ کا انٹرنیٹ پانچ منٹ کے لیے منقطع کروا کے مجھے مینوئل طریقے سے کلئیر کروادیا۔“

ملحدین اور بدترین گستاخوں کے لیے نرم گوشہ رکھنے والے ایسے افراد کی تعداد آج بکثرت حکومت، بیوروکریسی، عدلیہ، صحافت سمیت تقریباً ہر شعبہ زندگی موجود ہے جو کسی اور مغربی ملک سے نہیں آئے بلکہ یہیں مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں، خود کو کلمہ گو اور مسلمان بھی کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں لیکن ان ملحدین اور گستاخوں کی سپورٹ میں سامنے آنے سے نہیں ہچکچاتے۔ پھر یہی افراد کب خود اعلانیہ ملحد اور گستاخ بن جائیں یہ بھی کسی کو معلوم نہیں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ آخر اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں جہاں اکثریت آبادی مسلمان ہے، اس معاشرے میں یہ کیسے ممکن ہوا ہے؟

ڈی ڈبلیو نے جولائی ۲۰۲۲ء میں ”سینٹر فار پیس اینڈ جسٹس“ کی ایک رپورٹ کے حوالے سے لکھا کہ قومی ادارے نادرہ سے شناختی کارڈ حاصل کرنے والے غیر مسلم پاکستانیوں نے مجموعی طور پر اپنی کم از کم بھی سترہ مختلف شناختیں ظاہر کر رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک ایسی اقلیت بھی ہے، جو اعلانیہ ملحد ہے۔ نادرہ کے ریکارڈ میں ایسے ۱۴ سو سے زائد پاکستانی درج ہیں، جنھوں نے خود کو 'ایتھیئسٹ' یا ملحد ظاہر کر رکھا ہے اور یہ بات ان کے قومی شناختی کارڈز پر بھی لکھی ہے۔

بی بی سی نے پاکستانی ملحدین سے انٹرویو کیے جس میں انہوں نے نام نہ ظاہر کرتے ہوئے بہت سے انکشافات کیے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ آن لائن گروپ میں ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں اور جعلی شناخت کا استعمال کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے پاکستانی جو ملحد ہیں، چھپ کر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ لاہور کے ایسے ملحد محفوظ نجی مکانوں میں خفیہ طور پر ہر ماہ ملتے ہیں۔

ان میں سے ایک شخص نے بتایا:

”یہ ایک خفیہ کمیونٹی ہے، جہاں ہم بات کر سکتے ہیں۔ یہاں ہر طرح کی بات ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں آپ آزادانہ طور پر وو کہہ سکتے ہیں جو کہنا چاہتے ہیں۔“

بی بی سی کے مطابق الحاد پرستوں کی ایسی خفیہ میٹنگز میں حصہ لینے والے ایسے بیشتر افراد کا تعلق شہر سے ہوتا ہے جو انگریزی میں آسانی سے بات کر سکتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر افراد کا تعلق مراعات یافتہ طبقے سے ہے لیکن کچھ لوگوں کا تعلق دیہی علاقوں سے بھی ہے۔

سنگین گستاخیوں پر مبنی بھینسا فیس بک پیج کا معاملہ ۲۰۱۷ء میں سامنے آیا تھا۔ جن میں چند ایک گرفتاریاں بھی ہوئیں جبکہ کچھ افراد کو بیرون ملک فرار کروا دیا گیا۔ انسانی حقوق کے سیکولر ایکٹوسٹ ان افراد کو آج تک ہیرو بنا کر پیش کرتے ہیں اور ان کے لیے آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد بھی ایف آئی اے ایسے ملحدین کے کیسز کافی بڑی تعداد میں رجسٹر کر چکی ہے جو سوشل میڈیا پر گستاخانہ مواد پھیلانے میں ملوث رہے۔ چند کیسز تو ایسے بھی ہیں جن کی تفصیلات بیان کرنے کی ہمت نہیں ہو پاتی۔ غلاظت میں لتھڑے قرآن مجید کے نسخوں کو عدالتی ثبوت کا حصہ بنا کر انہیں ویسے غلاظت کے ساتھ محفوظ کیا گیا تھا۔ بجائے اس کے کہ صحافتی اصولوں کی بنیاد پر معاملے کی تفتیش ہو ہر دفعہ سیکولر طبقہ چاہے وہ پارلیمنٹ میں ہو یا عدلیہ میں ہو یا نیوز چینلز پر ان کیسز میں مجرمین کو معصوم اور مظلوم ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا دکھائی دیتا ہے۔ میڈیا پر ان ملحدین کی حمایت اور دوسری جانب یورپی ممالک اور امریکہ کی جانب سے دباؤ کے نتیجے میں پاکستان میں ہر آنے والی حکومت ایسے اقدامات لیتی آئی ہیں جن سے ان ملحدین اور گستاخوں کے ٹولے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

گستاخیوں کی روک تھام کے بجائے حکومت کے متضاد اقدامات

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ لکھتے ہیں:

”ہر آنے والے نے ہمیشہ دینِ اسلام کے نفاذ میں نہ صرف یہ کہ پہلو تہی کی، بلکہ دینِ اسلام کے بارہ میں آئین میں درج دفعات کو بھی آئین سے نکالنے اور اُنہیں غیر مؤثر کرنے میں کوئی کسر اور کمی نہیں چھوڑی۔ لگتا یوں ہے کہ ہر حکومت اقتدار میں آنے سے پہلے استعمار سے یہ وعدہ کر کے آتی ہے کہ آئین میں موجود اسلامی شقیں خصوصاً ناموسِ

رسالت کے تحفظ کے قانون کو تبدیل کرے گی، اگر تبدیل نہ ہوا تو اس کو غیر مؤثر تو ضرور کرے گی، یہی وجہ ہے کہ ہر حکومت اس قانون کو چھیڑنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن جب عوامی ردِ عمل سامنے آتا ہے تو پھر 'کھسیانی بلی کھمبا نوچے' کے مصداق پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ ستم ظریفی دیکھیے! اگر کوئی مجرم جرم کرتا ہے تو ہر آدمی کو یہ اختیار ہے کہ وہ جائے اور تھانے میں اس کے خلاف ایف آئی آر کٹوا دے، لیکن اگر کوئی موہن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی یا قرآن کریم کی توہین کرتا ہے تو قانون بنایا گیا ہے کہ الزام لگانے والا پہلے ڈپٹی کمشنر یا کسی اور مجاز افسر کو درخواست دے، اگر متعلقہ افسر اس کی تصدیق کرے کہ واقعی اس جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے تو پھر الزام لگانے والا ایف آئی آر کٹوا سکتا ہے اور اس کی کارروائی آگے چل سکتی ہے، ورنہ نہیں۔ پاکستان میں کون سا ایسا جرم ہے کہ جس کی رپورٹ کے لیے ڈپٹی کمشنر یا کسی اور کی پیشگی منظوری کو شرط قرار دیا گیا ہو؟ قانونِ توہینِ رسالت کے جرم کو اس شرط کے ساتھ مشروط کرنا جہاں اس قانون کو غیر مؤثر کرنے کی غیر مرئی کوشش ہے، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صریح غداری کے بھی مترادف ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس ملک میں صدر، وزیر اعظم یا کسی بڑے عہدے دار کی توہین دست اندازیِ پولیس کے دائرے میں آتی ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کو دست اندازیِ پولیس کے دائرے سے نکال دیا گیا ہے اور اس پر عشقِ رسول ﷺ کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے۔"[1]

الحادی تحریکوں کے لیے امریکی سرپرستی

یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ آزادیٔ مذہب کے نام پر امریکہ دنیا بھر میں گمراہ فرقوں سمیت الحادی تحریکوں کو بھی سپورٹ کر رہا ہے اور انہیں باقاعدہ فنڈ کرتا ہے۔ امریکی کانگریس میں بھی اس فنڈنگ پر سوالات اٹھائے جاتے رہے ہیں کہ دنیا بھر میں الحادی تحریکوں کو فنڈ کرنے کی وجوہات کیا ہیں اور یہ کیوں ضروری ہے؟ ۲۰۲۳ء میں ہاؤس فارن افیئرز کمیٹی کے چیئرمین مائیکل میکاول (ریپبلکن، ٹیکساس)، سب کمیٹی برائے گلوبل ہیلتھ، گلوبل ہیومن رائٹس اینڈ انٹرنیشنل آرگنائزیشنز کے چیئرمین کرس سمتھ (ریپبلکن، نیو جرسی)، اور سب کمیٹی برائے اوور سائٹ اینڈ اکاؤنٹیبلٹی کے چیئرمین برائن ماسٹ (ریپبلکن، فلوریڈا) نے محکمہ خارجہ کے DRL کے ایکٹنگ اسسٹنٹ سیکریٹری ایرن بارکلے اور انٹرنیشنل ریلیجس فریڈم کے ایمبیسیڈر اٹ لارج سے تحریری طور پر سوالات جمع کروائے۔ قانون سازوں نے لکھا:

"اپنے ۸ جون کے خط میں محکمہ خارجہ نے کہا ہے کہ DRL اور Office of International Religious Freedom (IRF) کسی بھی ایسے ادارے کو فنڈز فراہم نہیں کرتے جس کا مقصد مخصوص مذہبی نظریات یا عقائد کو فروغ دینا ہو۔ لیکن یہ بیان خود NOFO کی زبان سے براہ راست متصادم ہے، جو واضح طور پر بتاتی ہے کہ فنڈڈ پروگراموں کا مقصد متعلقہ ممالک میں دہریوں (Atheists) کی موجودگی اور اثر و رسوخ کو بڑھانا ہے۔ ہم ایک بار پھر یہ پوچھتے ہیں کہ امریکہ کے مفاد میں بیرونِ ملک (Atheism) کو فروغ دینا کیوں ضروری ہے، اور محکمہ کیوں اس غلط فیصلے پر روشنی ڈالنے والی بعض دستاویزات فراہم کرنے سے انکار کر رہا ہے۔"

اس حوالے سے نیویارک پوسٹ نے مئی ۲۰۲۴ء میں ایک رپورٹ شائع کی جس کے مطابق ریپبلکن کانگریس ارکان (مائیکل میکاول، کرس سمتھ اور برائن ماسٹ) نے امریکی محکمہ خارجہ پر الزام لگایا کہ اس نے ٹیکس دہندگان کے ۵ لاکھ ڈالرز کو Humanists International نامی تنظیم کو بطور گرانٹ دیا، جس کا مقصد بیرونِ ملک (خاص طور پر نیپال اور جنوبی ایشیا میں) دہریت (Atheism) اور ہیومنزم کو فروغ دینا تھا۔ محکمہ خارجہ اس گرانٹ کو "مذہبی آزادی" کے پروگرام کے طور پر پیش کر رہا تھا اور انکار کر تا رہا کہ یہ atheism کو فروغ دے رہا ہے۔ ریپبلکن قانون سازوں کا کہنا تھا کہ یہ US Constitution کے Establishment Clause (حکومت کسی مخصوص مذہب یا عقیدے کو فروغ نہیں دے سکتی) کی خلاف ورزی ہے۔ ریپبلکن ارکان نے محکمہ کے رویے کو "obfuscation and denial" (دھوکہ دہی اور انکار) قرار دیا۔

ویزوں کے حصول کے لیے خود کو ہم جنس پرست اور قادیانی ظاہر کرنا

اب ہم ایک اور اہم مسئلے کی جانب آتے ہیں۔ وہ ہے دنیا پرستی کا فتنہ۔ وہ دنیا جسے حاصل کرنے کی تگ و دو میں اپنے دین کو قربان کر دینا معمولی سمجھ لیا گیا ہے۔ بی بی سی کی شائع ہونے والی ایک تحقیقاتی رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ سنہ ۲۰۲۳ء میں (برطانیہ میں ویزوں کے حصول کے لیے) ۱۳۴۳۰ ایل جی بی ٹی دعوؤں پر ابتدائی فیصلہ ہوا تھا جبکہ ۱۴۰۰ نئے دعوے جنسی بنیادوں پر دائر ہوئے تھے۔ ان میں سے ۴۲ فیصد پاکستانی شہری تھے۔ رپورٹ کے مطابق برطانیہ میں ویزے کے حصول کے لیے قانونی مدد اور رہنمائی فراہم کرنے والا ایک ادارہ باقاعدہ لوگوں کو ترغیب دے رہا تھا کہ وہ اگر خود کو ہم جنس پرست ظاہر کریں تو انہیں اس بنیاد پر برطانیہ میں اسائلم مل سکتا ہے۔ یعنی بہت سے لوگ جو ہم جنس پرست نہیں ہیں وہ بھی فقط ویزے کے حصول کے لیے خود کو ہم جنس پرست ظاہر کرتے ہیں۔ یہ معاملہ کاغذ میں ایک جگہ ہم جنس پرست ہونے کے اندراج تک محدود نہیں ہے بلکہ برطانوی امیگریشن حکام اس کے لیے مکمل چھان بین کرتے ہیں۔ ویزے کا امیدوار ہم جنس

[1] بینات شمارہ مارچ ۲۰۲۱

پرست ہونے کے ثبوت کو ظاہر کرنے کے لیے ہم جنس پرستوں کی تقریبات میں شرکت کی تصاویر انہیں فراہم کرتا ہے اور اپنے پارٹنر کو بھی پیش کرنا ہوتا ہے۔ بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق ایک شخص جو ہم جنس پرست نہیں تھا اس نے پہلے ہم جنس پرستی کی بنیاد پر ویزہ حاصل کیا پھر اپنی بیوی کو برطانیہ بلانے کے لیے بھی یہی طریقہ استعمال کیا اور اسے بھی ہم جنس پرست ظاہر کیا۔

اسی طرح ایسی بھی رپورٹس ہیں کہ بہت سے لوگ قادیانی ہونے کا دعوی کر کے اور اپنی جان خطرے میں بتا کر بھی ویزے کا حصول ممکن بناتے ہیں۔ ان رپورٹس کو میں پراپیگنڈہ ہی سمجھتا اگر میں نے بہت سے دارالافتاء میں اس مسئلے کے متعلق نہ پڑھا ہوتا۔ یعنی مسلمان بڑی تعداد میں آج بھی دارالافتاء اور مفتیانِ کرام کے پاس یہ مسئلہ لے کر جاتے ہیں کہ کیا ہم ویزے کے حصول کے لیے خود کو قادیانی ظاہر کر سکتے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آنا ہے کہ ان کی فکر مندی کا محور ان کے پیٹ ہوں گے اور ان کے شرف و عزت ان کا ساز و سامان ہو گا، ان کا قبلہ ان کی عورتیں ہوں گی، ان کا دین دینار و درہم ہوں گے، یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے، اللہ کے ہاں ان کا کوئی حصہ نہیں [۲]۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول ہے:

> ”یقیناً فتنے واقع ہوں گے، یہاں تک کہ دین کا معاملہ ہلکا (کمزور) ہو جائے گا اور اس کے معاملے کی پرواہ کرنا کم ہو جائے گا، اور کسی شخص کو اپنی دنیا کے معاملے کے سوا کسی چیز کی پرواہ نہیں رہے گی۔“[۳]

علامہ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”لوگوں کے درمیان زیادہ تر فتنے اور انتشار صرف دنیاوی مطالبات اور خواہشات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔“[۴]

مادہ پرستی اور دنیا کے پیچھے بھاگتے رہنے اور اس کے حصول کو کامیابی سمجھ لینے کی بنیاد ڈالنے میں قصور صرف ہمارے تعلیمی نظام کا بھی نہیں ہے بلکہ اس تربیت کا بھی جس میں دنیاوی تعلیم کو ترجیح اور اہمیت حاصل ہے جبکہ دینی تعلیم اور عقائد ثانوی درجہ سمجھے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہی ہے کہ جب ایسی بنیاد اور عقائد رکھنے والے انسان کو اپنی دنیا اور دین میں کسی ایک شے کا انتخاب کرنا پڑتا ہے تو اس کا انتخاب ہمیشہ دنیا ہوتی ہے اور اپنا دین قربان کرتے اسے کچھ غلط محسوس نہیں ہوتا۔

مغربی تہذیب اور نظامِ تعلیم کا تعلق

سلمان آصف صدیقی پاکستان میں قائم ایک غیر سرکاری تعلیمی ادارے ایجوکیشنل ریسورس ڈویلپمنٹ سنٹر کے بانی اور ڈائریکٹر ہیں۔ یہ سنٹر پاکستان میں والدین اور اساتذہ کی تربیت اور ان کے لیے رہنما مواد تیار کرنے یا میٹیریل ڈویلپمنٹ کا ادارہ ہے۔ سلمان آصف صدیقی پاکستان کے موجودہ تعلیمی نظام کے ناقد ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ یہ نظام تعلیم اب فہم، تربیت یا روزگار کا وعدہ پورا کرنے میں مکمل ناکام ہو چکا ہے اور تعلیم کو محض ایک کاروباری صنعت بنا دیا گیا ہے۔ یہ نظام حقیقی صلاحیتوں کے بجائے صرف یادداشت اور نمبروں کی گیم پر چلتا ہے۔ غیر مانوس زبان میں تعلیم دینے سے فہم ختم اور رٹہ پروان چڑھتا ہے۔ یہ نظام بچوں کی فطری صلاحیتوں اور تجسس کو ابھارنے کے بجائے انہیں پابند کرتا ہے۔ اس طرح بچے سیکھنے سمجھنے کے فطری عمل سے دور ہو جاتے ہیں۔

ایک جگہ جدید مغربی تہذیب اور نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”جدید مغربی تہذیب نے بڑی کامیابی سے لوگوں کو یہ مقصد اور آرزو عطا کی ہے کہ وہ اپنی عمر میں حصول آسائشات اور معیار زندگی کو بلند رکھنے کی جدوجہد میں کھپا دیں۔ اس آرزو کی تکمیل کی خاطر جدید تعلیم وہ افراد تیار کرتی ہے جو ان مصنوعات کو بنانے، ایسی مزید ایجادات کرنے، ان کی عظمت بیان کرنے، انہیں بیچنے، خریدنے اور استعمال کرنے میں مصروف عمل ہوں۔ یہ افراد ایسے اداروں میں اپنی خدمات پیش کرتے ہیں جو اس سارے عمل میں وسائل فراہم کریں یا کسی بھی طور اس کی معاونت کریں۔ ترقی کی لگن جدید تعلیم یافتہ انسان کو مستقل خوب سے خوب تر کی تلاش میں آگے بڑھتے رہنے اور سابقہ چیزوں سے بیزار ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔ عہد حاضر کی رفتار اور رعنائیوں کے علت و معلول کا ضابطہ فطرت فرد کے انتخاب اور اس کے نتائج کے حوالے سے انسان کی نگاہ میں دھندلا دیا ہے۔ یعنی وہ جدید دنیا میں پیدا ہونے والے مسائل کو اپنے اعمال یا انفرادی انتخاب کے نتیجے کے طور پر نہیں دیکھ پارہا۔ ترقی کی دوڑ میں سرگرداں وہ اس بات کا جائزہ لینے سے قاصر ہے کہ اس کے اعتبار کے غلط اور غیر ذمہ دارانہ استعمال سے کیا تباہی واقع ہو رہی ہے۔ ترقی یافتہ معاشروں میں تعلیم یافتہ انسان سربراہان مملکت کے انتخاب کا حق حاصل کرنے کا تو خواہشمند ہوتا ہے لیکن اپنے عمل کے شعوری انتخاب کی ذمہ داری نبھانے سے غافل رہتا ہے۔ اس کے لیے نفس پر قابو پانا اور اپنے اختیار کا بامعنی استعمال کرنا

---

[۲] کنز العمال ۱۹۳/۱۱

[۳] فتح الباري (۷/ ۸۲)

[۴] مسئلہ رفع التباس، صفحہ ۷۹

آسان کام نہیں۔ اس کا طرزِ زندگی سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے ماتحت اداروں کے جال میں پھنسا رہتا ہے۔"[5]

مغربی تعلیم کی زہرناکی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اس ملک و قوم کے ذہین کھاتے پیتے گھرانے کے نوجوانوں نے مغربی تعلیم حاصل کی اور عوام اپنی اسی حالت پر رہے۔ وہ اسی ورثہ کو سینے سے لگائے رہے، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نیا تعلیم یافتہ طبقہ عوام کے تصورات اور عوام کے احساسات و جذبات سے اتنا بیگانہ بن گیا کہ جیسے ایک نئی قوم پیدا ہوتی ہے۔ یعنی دو نئی قومیں پیدا ہو گئیں اور دوسری مصیبت یہ کہ اس جدید تعلیم یافتہ طبقے نے محسوس کیا اور تجربوں کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ اگر وہ زندہ رہنا چاہتا ہے اور قیادت باقی رکھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ عوام کے اس دینی جذبے کو اتنا گرا دے یا اتنا کمزور کر دے کہ وہ اس کے راستے میں مزاحم نہ ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے تعلیم کے ذریعہ، ابلاغ کے ذرائع کے ذریعے، صحافت کے ذریعے، ادب اور لٹریچر کے ذریعے یہاں تک کہ شاعری کے ذریعے عوام کی اس دینی حمیت، اس اسلامی غیرت کو اور ان کی اس ذکاوت کو ختم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔"[6]

تعلیمی اداروں میں فحاشی و عریانی کا فروغ

پاکستان میں الیکٹرانک و سوشل میڈیا پر فحاشی کے سیلاب نے جہاں پورے معاشرے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے وہاں مخلوط تعلیمی نظام نے نوجوان نسل کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ آئے روز کسی نہ کسی تعلیمی ادارے کا سکینڈل منظر عام پر آتا ہے جہاں ایک شخص درجنوں اور کہیں کیسز میں سینکڑوں طالبات کی آبرو داغدار کرنے میں ملوث ہوتا ہے۔ اور پھر جلتی پر تیل کا کام یہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں منشیات اور جسم فروشی کے کلچر کو پاکستان کی ایجنسیاں اور سکیورٹی ادارے اپنے مذموم مقاصد کے لیے فروغ دیتے ہیں۔ حال ہی میں کراچی کے ایک سوشل میڈیا انفلوئنسر نے اپنے ویلاگ میں انکشافات کیے ہیں کہ کراچی گلستان جوہر کے علاقے میں پولیس خواتین ٹیچرز کے ذریعے کم عمر لڑکوں کو ٹریپ کرتی ہے، ان کی ویڈیوز بن جاتی ہیں تو اس کے بعد پولیس کی بلیک میلنگ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہی کام بیوٹی پارلرز کے ذریعے بھی کیا جا رہا ہے۔ کچھ بلیک میل ہو کر پیسے دیتے رہتے ہیں اور جو پیسے نہیں دے سکتے ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں امام مسجد کو قتل کرو۔ اسی طرح کئی دوسرے کیسز کے متعلق بھی بہت سے لوگ سوشل میڈیا پر لکھ چکے ہیں کہ کم عمر بچوں کو باقاعدہ ٹریپ کیا جاتا ہے اور پھر بلیک میلنگ کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اب یہاں سوچنے کی بات ہے کہ ایسے ایسے فتنے دیکھنے کو ملتے ہیں جس میں اچھے بھلے سمجھدار لوگوں کی عقلیں ماؤف ہو جاتی ہیں تو ان معصوم ذہنوں میں کیا یہ قابلیت ہو گی کہ وہ ان کا سامنا بغیر تیاری کر سکیں؟

ایک سائیکالوجسٹ ایک کیس کے متعلق بتاتے ہیں کہ ایک طالبہ کی والدہ ان کے پاس اپنی بیٹی کے نفسیاتی علاج کے غرض سے آئیں۔ وہ سائیکالوجسٹ کافی سوال و جواب کے بعد اس طالبہ کا مسئلہ سمجھ پائے۔ بقول ان کے طالبہ کی کلاس فیلوز اس طالبہ کو فقط اس لیے مذاق کا نشانہ بناتی تھیں کہ اس کا کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے حتیٰ کہ اسے ہم جنس پرست مشہور کر دیا گیا۔ اس کا طالبہ کو اتنا صدمہ ہوا کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔ کالجوں یونیورسٹیوں میں بے حیائی کا معاملہ اب کتنا نارملائز ہو چکا ہے اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایئے کہ ایک دفعہ لاہور کے ایک تعلیمی ادارے کی لڑکی سینکڑوں طلبہ و طالبات کے سامنے ایک دوسرے لڑکے کو پھول دے کر پرپوز کرتی ہے وہ اسے گلے لگاتا ہے یہ منظر وہاں موجود تمام لڑکے لڑکیاں موبائل کیمروں سے محفوظ کرتے ہیں اور پھر یہ ویڈیو سوشل میڈیا پر شئیر ہوتی ہے۔ بے حیائی کے اس لیول کا اندازہ لگائیں کہ وہاں موجود سینکڑوں طلبہ و طالبات میں کوئی ایک ایسا نہیں تھا جو اس بے حیائی پر انہیں ٹوکتا۔

آج اولاد کی تربیت کے لیے ناگزیر ہو چکا ہے کہ ان میں دورِ حاضر کے فتنوں اور برائیوں سے دفاع کی سمجھ بوجھ پیدا کی جائے۔ اسلام کے متعلق ان کا طرزِ عمل معذرت خواہانہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب عقائد کی مضبوطی کے لیے بچوں کی تربیت پر شروع ہی سے خصوصی توجہ دی گئی ہو۔ سب سے پہلے ہم خود بھی فتنوں کو بروقت پہچاننے والے بنیں اور خود کو اور اپنی اولاد کو فتنوں سے بچانے کے لیے اللہ سے مانگتے رہنے کو اپنی روٹین کا حصہ بنا لیں۔ اور یہ حقیقت اپنی اولاد کے ذہنوں میں اچھی طرح راسخ کریں کہ ہمارے ایمان، اللہ اور اس کے سچے رسول ﷺ کے حکم سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ہو سکتی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ○ (سورۃ آل عمران:۸)

"(ایسے لوگ یہ دعا کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب تو نے ہمیں جو ہدایت عطا فرمائی ہے اس کے بعد ہمارے دلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ ہونے دے، اور خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما۔ بیشک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جو بے انتہا بخشش کی خوگر ہے۔"

سید قطب شہید رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

[5] طرزِ زندگی؛ اپنے ایمانی تناظر میں ص۳۹

[6] نظام تعلیم: مغربی رجحانات اور اس میں تبدیلی کی ضرورت، ص۱۵

''جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں ان کا اپنے رب کے ساتھ یہ تعلق ہے، اور یہ ایسا تعلق ہے جو ایک صحیح مومن کا ہونا چاہئے، جو اللہ کے کلام اور اللہ کے عہد پر پورا بھروسہ ہونے کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے فضل و رحمت کے صحیح شعور کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے، خصوصاً اس وقت جب ایک مومن اللہ کی قضا و قدر پر پختہ یقین بھی رکھتا ہو اور اللہ کا خوف بھی اس کے دل میں موجزن ہو۔ اور ایک مومن نہ غافل ہوتا ہے، نہ مغرور ہوتا ہے، نہ اپنے روز و شب میں کبھی اپنے فرائض بھولتا ہے۔ قلب مومن کی ضلالت اور گمراہی کے بعد دولت ایمان ملنے کی بڑی قدر دانی ہوتی ہے۔ اور کسی دھندلے تصور کے بعد اپنی آنکھوں سے حقیقت کو دیکھ لینے کی اس کے دل میں بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اور حیرانی و پریشانی کے بعد راہ راست پانے سے اسے شعور ہوتا ہے۔ خلجان اور بے یقینی کے بعد اطمینان پانے پر وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے، وہ دنیا کی تمام غلامیوں سے آزاد ہو کر ایک اللہ کی غلامی میں داخل ہو کر پر مسرت ہوتا ہے اور اسے یہ شعور ہوتا ہے کہ دولت ایمان دے کر اللہ تعالیٰ نے اسے بہت کچھ دے دیا ہے...... اس لیے وہ دوبارہ گمراہی کی راہ سے بہت ہی ڈرتا ہے[ے]، چونکہ وہ راہ راست پر آ چکا ہوتا ہے اس لیے دوبارہ گمراہی کے نشیب و فراز اور تاریک راہوں میں پھنس جانے سے بہت خوف کھاتا ہے، وہ یوں ڈرتا ہے جس طرح وہ شخص جو ایک خوش گوار موسم میں گھنی چھاؤں میں بیٹھا ہو تو جھلسا دینے والی گرمی اور بے آب و گیاہ صحرا کے تصور سے بھی ڈر رہا ہو، حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی قدر اور ذوق یقین وہی شخص پا سکتا ہے جس نے بد بختی کے کڑے دن اور الحاد و زندگی کی ذہنی خشکی کے دن دیکھے ہوں۔ ایسا ہی شخص اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہے کہ بے دینی، گمراہی اور فسق و فجور کی زندگی کے مقابلے میں ایمانی زندگی کے اندر کس قدر مٹھاس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مقامات پر ایک مومن ایسے خضوع و خشوع کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا...... 'اے ہمارے رب! راہ ہدایت دکھانے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دیجیو'۔ یہ پکارتے ہیں کہ انہیں گمراہی کے بعد ایک عظیم رحمت مل گئی ہے۔ کہیں وہ لٹ نہ جائے، یہ ایک ایسا انعام ہے جس سے بڑا کوئی انعام نہیں ہے۔

وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ...... ہمیں اپنے خزانہ غیب سے رحمت عطا کر تو ہی فیاض حقیقی ہے'۔ یعنی یہ لوگ اپنے شعور ایمان کے ذریعہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے فضل و رحمت کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ خود ان کے دل بھی ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ اس لیے وہ اپنی ہدایت اور نجات اخروی کے لیے بھی اللہ کے سامنے دست بدعا ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

'تمام دل اللہ رحمان کی دو انگلیوں کی گرفت میں ہیں، جب وہ دلوں کو سیدھا کرنا چاہے تو سیدھا کر دیتا ہے۔ اور جب وہ ٹیڑھا کرنا چاہے تو وہ ٹیڑھا کر دیتا ہے۔'

اور جب ایک مومن کو صحیح طرح اس بات کا شعور حاصل ہوتا ہے تو وہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ آستانہ درگاہ الٰہی کے ساتھ چمٹ جاتا ہے، اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کی معاونت اور توفیق کا طلب گار ہو جاتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کا طلبگار ہوتا ہے تاکہ وہ خزانہ محفوظ رہے، جو اس نے اس مومن کو عطا کیا ہے اور وہ کرم باقی رہے جن سے اسے نوازا گیا ہے۔''

☆☆☆☆☆

بقیہ: اسرائیلی جیلوں میں جانوروں کا استعمال

برطانوی نو آبادیاتی قبضے کے دوران ۱۹۳۶ء تا ۳۹ء لگ بھگ ہر فلسطینی غلامی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ انگریزوں نے جنوبی افریقہ سے شکاری کتے درآمد کیے۔ انہیں بھوکا رکھا جاتا اور پھر باغی فلسطینی قیدیوں پر چھوڑ دیا جاتا۔

اس نو آبادیاتی سفاکی کو اسرائیلیوں نے اگلے مرحلے تک پہنچا دیا۔ فلسطینی قیدیوں کو بھنبوڑنے کے لیے تربیت یافتہ شکاری کتوں کی ایک بڑی تعداد ہالینڈ سے درآمد کی گئی۔ انہیں نہ صرف قید خانوں میں بلکہ گھروں پر چھاپوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اخبار نیویارک ٹائمز کی ایک رپورٹ کے مطابق کتوں کے ایک غول کو قیدیوں کو ریپ کرنے کی تربیت بھی دی گئی ہے۔ اسرائیل نے اس ''بے بنیاد الزام'' پر اخبار کو عدالت میں کھڑا کرنے کی دھمکی دی مگر پھر شاید کچھ سوچ بچار کے بعد غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

اسرائیلی قانون کے تحت بطخوں اور راج ہنس سمیت متعدد آبی پرندوں کو جبراً خوراک نہیں دی جا سکتی۔ ان کے لیے علاقے مختص ہیں تاکہ وہ آزادانہ گھوم پھر کے من پسند خوراک تلاش کر سکیں۔ اس کے برعکس بھوک ہڑتالی قیدیوں کے منہ میں جبراً کھانا ٹھونسنا قانوناً جائز ہے۔ اب جیلوں کے ارد گرد بھوکے مگرمچھ چھوڑنے کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانور دوسرے جانور (فلسطینی) کو قانوناً کھا سکے گا۔

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

ے تفسیر فی ظلال القرآن

حاجی شریعت اللہؒ کی سرزمین بنگال سے

بنگالی مسلمانوں کا انقلابی شعور

تاریخ اور شناخت کے تناظر میں مستقبل کا لائحہ عمل

مولانا عبد الرحیم

ایامِ قدیم ہی سے بنگال کے عوام ظلم و استبداد کے خلاف برسرِ پیکار اور انقلابی جذبوں سے سرشار رہے ہیں۔ اہلِ بنگال بارہا کافر اور جابر حکمرانوں کی یلغار کا شکار ہوئے۔ بیسیوں مرتبہ انہیں جارحیت اور طوفانی حملوں کا سامنا کرنا پڑا، تباہی اور نقصانات کے کڑوے گھونٹ پینے پڑے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک نہ ایک دن ظالم کا زوال ضرور واقع ہوا، اور بالآخر ظلم و استحصال کی سیاہ رات کا خاتمہ ہو کر رہا۔

حوادث کے خواہ کتنے ہی طوفان کیوں نہ برپا ہوں، ظالم کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے میں کتنی ہی بھاری قیمت کیوں نہ چکانی پڑے، بنگال کے مسلمانوں نے کبھی انقلاب اور مزاحمت کا راستہ ترک نہیں کیا۔ اگر کبھی شکست سے دوچار ہوئے بھی، تو ایک نئے عزم کے ساتھ دوبارہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن کفر اور جبر کو ان بنگالی مسلمانوں نے کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔

بسا اوقات ظلم کی شبِ تاریک بہت طویل ہو گئی، لیکن یہ انقلابی بنگالی کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوئے۔ بار بار اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ اٹل فرمان بنگال کی سرزمین اور ان مسلمانوں کی زندگی میں ایک ابدی حقیقت کا روپ دھار کر جلوہ گر ہوا:

> اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○(سورۃ آل عمران: ۱۴۰)

> ”اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے۔ یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔“

ارضِ بنگال کی انقلابی تاریخ

فاتح بنگال اختیار الدین محمد بختیار خلجی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح بنگال کی بدولت اس خطے میں مسلم حکومت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

گوڑ گوبند کے خلاف مہم، ہندتوا کا قلع قمع اور فتحِ سلہٹ

بنگال کے ممتاز مسلم سلطان شمس الدین فیروز شاہ نے اپنے دورِ حکومت میں کلمۃ اللہ کی سربلندی اور مظلوم مسلمانوں کی دادرسی کے لیے مختلف اطراف میں جہادی مہمات روانہ کیں۔ سلہٹ کے علاقے کا حکمران، گوڑ گوبند، ہندتوا کا کٹر پیروکار اور مسلمانوں پر شدید مظالم ڈھانے والا تھا۔ یہ بات مشہور ہے کہ اس کے زیرِ تسلط علاقوں میں مسلمانوں کے لیے گائے ذبح کرنے پر مکمل پابندی عائد تھی، اور اس نام نہاد جرم کی پاداش میں مسلمانوں کو انتہائی ہولناک سزائیں دی جاتی تھیں۔

مسلمانوں کی مذہبی آزادی سلب ہونے اور ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کے پیشِ نظر مقامی مسلمانوں نے دہلی سلطنت کو مدد کے لیے پکارا۔ اسی تسلسل میں ۱۳۰۳ء میں شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں تشریف لانے والے صوفیائے کرام اور سلطنت کی افواج نے شانہ بشانہ لڑتے ہوئے گوڑ گوبند کو شکستِ فاش دی۔ اس شاندار کامیابی کے نتیجے میں سلہٹ میں مسلم حکومت کا پرچم لہرایا اور اسلام کی دعوت، تعلیم اور عدل پر مبنی معاشرتی نظام تیزی سے پھیلنے لگا۔ درحقیقت یہ واقعہ بنگال کے مسلمانوں کی جانب سے ظلم اور مذہبی جبر کے خلاف متحد ہو کر مزاحمت کرنے کی ایک قدیم اور روشن مثال ہے۔

راجہ گنیش کا غاصبانہ قبضہ اور بنگال کے علماء، صوفیاء اور مسلم عوام کی مزاحمت

الیاس شاہی خاندان کے اواخر میں جب مسلم سلاطین کمزور پڑ گئے تو ہندوؤں کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا۔ ۱۴۱۴ء میں الیاس شاہی خاندان کے آخری سلطان علاؤالدین فیروز شاہ کو معزول کر کے بااثر زمیندار گنیش نے تختِ حکومت پر قبضہ جما لیا۔ اسلامی حکومت کی بساط لپیٹ کر براہِ راست ایک ہندو راجہ کا اقتدار پر قابض ہونا، بنگال کے عوام نے ہرگز برداشت نہیں کیا۔ علمائے کرام، صوفیاء اور معززین سمیت تمام عام مسلمانوں نے گنیش کی حکومت کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا، اور اسے تخت سے ہٹانے کے لیے ان کی کوششیں اور منصوبہ بندیاں مسلسل جاری رہیں۔ اس عظیم مقصد کی خاطر انہوں نے جونپور کے سلطان ابراہیم شرقی کی مدد حاصل کی اور انہیں گنیش کے خلاف مہم سر کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ ۱۴۱۸ء کے لگ بھگ ایک متوقع فوجی مہم کے خطرے کے پیشِ نظر راجہ گنیش تخت سے دستبردار ہو گیا، اور اس کے بیٹے نے اسلام قبول کر لیا۔ معروف صوفی بزرگ نور قطب العالم کی ثالثی میں گنیش کے نومسلم بیٹے جلال الدین کو سلطان منتخب کیا گیا۔

اس تاریخی واقعے کے ذریعے بنگالی مسلمانوں نے ایک بار پھر یہ ثابت کر دیا کہ اگر اسلام کے سوا کوئی اور نظریہ ان پر مسلط کیا گیا تو وہ اسے کسی صورت قبول نہیں کریں گے۔ استحصال اور کفر کے سیاہ بادل بظاہر بنگال کے آسمان پر کتنے ہی کیوں نہ چھا جائیں، ایک نہ ایک دن یہ آسمان توحید کی ابدی روشنی سے ضرور منور ہو گا۔

بادشاہ اکبر کے سیکولر 'دینِ الٰہی' اور استحصال کے خلاف بنگال کے عوام کی ناقابلِ فراموش مزاحمت

برصغیر پاک و ہند کی پوری تاریخ میں اکبر ایک بدترین، انتہائی ظالم اور جابر حکمران گزرا ہے۔ یورپی انلائٹنمنٹ (روشن خیالی) کے ذریعے دنیا بھر میں مغربی سیکولرازم مسلط کیے جانے سے بہت پہلے، مختلف خطوں میں سیکولرازم جیسے جن نظریات نے جنم لیا، ان میں بادشاہ اکبر کا ایجاد کردہ 'دینِ الٰہی' نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔ جب اس نے تمام مذاہب کی آمیزش سے تیار کردہ اس کفریہ نظریے کو مسلط کرنے کی مذموم کوشش کی، تو اسے مختلف مقامات پر علماء اور مجاہدین کی جانب سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

ان جری سرفروشوں میں بنگال کے لوگوں نے کئی دہائیوں تک جس طرح اکبر کو مسترد کیا اور اس کے خلاف مزاحمت کی، وہ واقعی تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش باب ہے۔ پورے بنگال پر قبضہ جمانے میں اکبر کو تقریباً ۲۵ سے ۳۰ سال کا طویل عرصہ لگا۔ اس دوران اکبر کی فوج کو بار بار بنگال کے عوام کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ اسے شکست کا تلخ مزہ بھی چکھنا پڑا۔

یہ بات بجا ہے کہ اکبر کے خلاف لڑنے والے تمام بنگالیوں نے محض دین کے لیے جہاد نہیں کیا تھا۔ بہت سے ہندو راجاؤں نے بھی بارہ بھویاں (بارہ زمینداروں) کے حلیف بن کر محض سیاسی اور معاشی وجوہات کی بنا پر اکبر کے خلاف جنگ لڑی، اور مسلمانوں میں سے بھی بعض کے غالباً ایسے ہی مقاصد ہو سکتے ہیں۔ لیکن اتنی بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے اکبر کے خلاف جنگ لڑی اور اس کے کفریہ نظریے 'دینِ الٰہی' کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کے حصے کے طور پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ تاریخ کی کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ہندوستان کے مرکزی دھارے کے علمائے کرام کی طرح بنگال کے علماء اور عوام بھی اکبر کو مرتد اور دین کا باغی ہی سمجھتے تھے۔ عیسیٰ خان، ان کے بیٹے موسیٰ خان، اور افغان سپہ سالار معصوم خان کابلی وغیرہ کی ولولہ انگیز قیادت میں بہت سے بنگالیوں نے اکبر کے خلاف اس جدوجہد کو اپنا دینی فریضہ سمجھ کر انجام دیا۔ اگر بنگالیوں کی یہ عظیم مزاحمت نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ اکبر اپنا کفریہ نظریہ مزید کئی خطوں میں پھیلا سکتا، اور اگر جنگ و جدل کی یہ مصروفیت آڑے نہ آتی تو اس کا نظریہ، نظامِ حکومت اور ظلم یقینی طور پر کئی گنا زیادہ طاقتور ہو کر سامنے آتا۔

اکبر کی موت کے بعد اس کے نظریاتی زوال کے پیچھے جہاں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کا نمایاں کردار ہے، وہیں بنگال سمیت ہندوستان کے مختلف خطوں کے مسلمانوں کے جہاد اور مزاحمت کا کردار بھی ناقابلِ انکار ہے۔ درحقیقت اسی شاندار جدوجہد اور مزاحمت کی برکت سے اکبر کا 'دینِ الٰہی' کبھی امن و استحکام کے ساتھ حکومت نہیں کر سکا، اور اس دور میں ہندوستان کی سرزمین پر مستقل طور پر اپنی جڑیں مضبوط کرنے سے قاصر رہا۔

برطانوی استعمار مخالف تحریک میں بنگال کے مسلمانوں کا شاندار کردار

بنگالی مسلمانوں کی جدوجہد کی تاریخ محض ہندو تو ا اور شہنشاہ اکبر کے ہمہ مذہبی نظریے کے خلاف لڑائی تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان پر انگریزوں کے غاصبانہ قبضے کے بعد سے، ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کے شانہ بشانہ بنگالی مسلمانوں نے بھی انگریزوں کے خلاف شجاعت اور فخر کی لازوال داستانیں رقم کی ہیں۔

سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی انگریز اور سکھ مخالف جہادی تحریک میں بنگال کے مسلمانوں نے خفیہ طور پر بڑے پیمانے پر شرکت کی اور اس کی بھرپور حمایت کی۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگرد، شہید تیتو میر رحمۃ اللہ علیہ کی جرات مندانہ مزاحمت بنگالی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ تیتو میر رحمۃ اللہ علیہ نے برطانوی حکمرانوں اور ان کے حواری ظالم زمینداروں کے خلاف مسلح مزاحمت کی بنیاد رکھی۔ ناریل باڑیا کا مشہور 'بانس کا قلعہ' آج بھی بنگال کی آزادی پسندانہ جدوجہد کی علامت مانا جاتا ہے۔ اگرچہ انہوں نے ۱۸۳۱ء میں جامِ شہادت نوش کیا، لیکن ان کی یہ تحریک بعد کی برطانوی مخالف جدوجہد کے لیے ایک سرچشمۂ الہام بنی رہی۔ بنگال کے مسلمانوں کی یہ جدوجہد محض سیاسی آزادی کے لیے نہیں تھی، بلکہ یہ مذہبی آزادی، سماجی انصاف اور معاشی نجات کے مطالبے پر بھی مبنی تھی۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے تیس سال بعد بھی مولانا عنایت علی اور ولایت علی کی قیادت میں ان کی تحریک کا جو مبارک تسلسل جاری رہا، اس میں بھی بنگالی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

برطانوی ہند کے اعلیٰ سول سروس (ICS) افسر، مشہور مؤرخ اور ماہرِ شماریات ولیم ہنٹر نے اپنی شہرہ آفاق کتاب The Indian Musalmans میں بنگال اور انڈیا کے مختلف خطوں کے جہادی نیٹ ورک کا تذکرہ کیا ہے، اور اس نیٹ ورک کو اس وقت کی برطانوی سلطنت کے لیے شدید تشویش کا باعث قرار دیا ہے۔ ہنٹر لکھتا ہے:

> "Their followers were found preaching sedition in different parts of the country so far apart as Rajshahi in Bengal, Patna in Bihar, and the Punjab Frontier. Throughout the whole period the fanatics kept the border tribes in a state of chronic hostility to the British Power."[1]

> "ان کے پیروکاروں کو ملک کے مختلف حصوں، جیسے بنگال میں راجشاہی، بہار میں پٹنہ، اور پنجاب کی سرحد جیسے ایک دوسرے سے بظاہر انتہائی دور دراز علاقوں میں بغاوت کی تبلیغ کرتے پایا گیا۔ اس پورے عرصے

[1] The Chronic Conspiracy Within Our Territory: Chapter II

> کے دوران ان 'انتہا پسندوں' نے سرحدی قبائل کو برطانوی طاقت کے خلاف مستقل دشمنی کی حالت میں رکھا۔"

یہ ہنٹر کا ایک انتہائی مشہور بیان ہے، جس میں اس نے بنگال سے لے کر شمال مغربی سرحد تک پھیلے ہوئے ایک منظم نیٹ ورک کا تصور پیش کیا ہے۔

ہنٹر مزید لکھتا ہے:

> "The fanatical sects among our Muhammadan subjects have been feeding it with an inexhaustible supply of money and men."[2]

> "ہماری مسلم رعایا میں موجود 'انتہا پسند' گروہ مسلسل مال اور افراد کی فراہمی کے ذریعے اس سرحدی کیمپ کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔"

اس کے علاوہ، انیسویں صدی میں برطانوی استعماری تسلط اور زمیندارانہ استحصال کے خلاف بنگال کے مسلم معاشرے نے کئی طاقتور تحریکیں کھڑی کیں۔ حاجی شریعت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخلصانہ قیادت میں فرائضی تحریک نے مسلمانوں کی دینی اصلاح، سماجی بیداری اور ظالمانہ ٹیکس نظام کے خلاف عوامی شعور بیدار کیا۔ بعد ازاں، ان کے جانشین دودو میاں نے کسانوں کے حقوق کے تحفظ کی اس تحریک کو مزید وسعت دی۔

یہ تمام واقعات روزِ روشن کی طرح ظاہر کرتے ہیں کہ بنگال کی تاریخ میں ناانصافی، جبر اور مذہبی و سیاسی تسلط کے خلاف مزاحمت ایک مسلسل اور بار بار دہرائے جانے والے سلسلے کا نام ہے۔

ہندتوا کی آلۂ کار شیخ حسینہ کا زوال، نامکمل انقلابِ باراں اور بنگال کے مسلمانوں کے کاندھوں پر باقی ماندہ ذمہ داریاں

جولائی کی عوامی بغاوت میں سینکڑوں شہداء کے بہتے خون اور زخمیوں کی بے لوث قربانیوں کے طفیل، اللہ کے بے پایاں فضل و کرم سے بنگلہ دیش کے طلباء اور عوام نے شیخ حسینہ کا تختہ الٹ دیا۔ اس عمل سے انہوں نے ایک بار پھر ظلم کے خلاف اپنے بیدار انقلابی شعور کا ثبوت دیا ہے۔ پندرہ سال تک اقتدار کی مسند پر براجمان رہ کر شیخ حسینہ نے اپنی طاقت کو اس قدر مستحکم کر لیا تھا اور تمام مخالفین کو اس بے دردی سے کچل دیا تھا کہ بظاہر اسے اقتدار سے ہٹانے کی کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ لیکن جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے چاہا، تو محض چند ہی دنوں میں اس کی پوری سلطنت تاش کے پتوں کی طرح بکھر کر رہ گئی۔

درحقیقت یہ صورتحال بالکل سورۃ الحشر میں بیان کردہ یہودیوں کی حالت سے مشابہت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> هُوَ الَّذِيٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ○ (سورۃ الحشر: ۲)

> "وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافر لوگوں کو ان کے گھروں سے پہلے اجتماع کے موقع پر نکال دیا۔ (مسلمانو) تمہیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے، اور وہ بھی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچا لیں گے۔ پھر اللہ ان کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں ان کا گمان بھی نہیں تھا، اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بھی اجاڑ رہے تھے۔ لہٰذا اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔"

بالکل اسی طرح ہر دور میں قرآنِ مجید میں بیان کردہ سنتِ الٰہی بار بار پوری ہوئی ہے:

> وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

> "اور یہ (ہار جیت کے) دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں......"

بنگال کی اسی درخشاں انقلابی تاریخ سے مسلم بنگال کے عوام کی حقیقی شناخت واضح ہوتی ہے۔ اس سرزمین پر اسلام کا پیغام پہنچنے کے بعد، دعوت اور جہاد کے ذریعے یہ ناقابلِ یقین تیزی کے ساتھ چاروں طرف پھیل گیا، اور پورے بنگال کا مشرق و مغرب اور شمال و جنوب اسلام کی ابدی روشنی سے منور ہو گیا۔ اس خطے کی تقریباً پوری آبادی نے اسلام کو سچے دل سے قبول کر لیا۔ اسی وقت سے اسلام اس بنگالی قوم کی شناخت کا محور و مرکز بن گیا، اور یہی دین ان کی بغاوت اور جدوجہد کا سب سے بڑا محرک ثابت ہوا۔

بنگالی مسلمانوں کی بغاوت اور جدوجہد کی طویل تاریخ کا عمیق جائزہ لیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نظریاتی اعتبار سے انہیں بنیادی طور پر تین طرح کے دشمنوں سے نبرد آزما ہونا پڑا ہے۔

۱. گوڑ گوبند یا راجہ گنیش جیسے حکمران جو صریحاً ہندتوا کے پیروکار تھے۔
۲. شہنشاہ اکبر ایک سیکولر کردار کا حامل تھا، اس کا ایجاد کردہ 'دینِ الٰہی' موجودہ دور کے سیکولرازم سے بہت حد تک مماثلت رکھتا ہے۔
۳. شہید تیتومیر اور حاجی شریعت اللہ وغیرہ کی تحریکیں برطانوی استعمار کے خلاف برپا تھیں۔ ان استعمار پرستوں نے مادیت پرستی، صارفیت، سرمایہ داری اور سیکولرازم

[2] The Standing Rebel Camp on our Frontier: Chapter I

سمیت مغربی تہذیب سے پھوٹنے والے نظریات کو بڑے پیمانے پر پھیلا کر شاہ جلال کی اس سرزمینِ مقدس کو آلودہ کر دیا تھا۔

ماضی کی طرح آج کے اس پر فتن دور میں بھی ہمارے بنگالی مسلمانوں کے سامنے بنیادی مسئلے کے طور پر وہی تینوں نظریات ایک بار پھر موجود ہیں، اور ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا بنگالی مسلمانوں کی شناخت کا انمٹ حصہ بن چکا ہے۔

۱. ہندوتوا اور بھارتی جارحیت
۲. سیکولرازم، سوشلزم، تکثیریت(Pluralism) وغیرہ
۳. جدید عالمی نظام، جمہوریت اور سرمایہ داری کے ذریعے مسلط کردہ بالواسطہ استعمار اور مغربی یلغار۔

اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے جولائی کی تحریک میں حسینہ کی ظالم حکومت کا تختہ الٹ کر ہم نے بلاشبہ ایک اہم سنگِ میل عبور کر لیا، لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ ہم ابھی تک منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے۔ حسینہ کے ذلت آمیز زوال اور فرار سے اس ملک میں ہندوتوا اور بھارتی جارحیت کی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ ہندوتوا کی اہم مہرہ اور ایجنٹ، حسینہ شکست کھا کر فرار ہو چکی ہے۔ نتیجتاً، عوام پہلے کی نسبت کسی حد تک زیادہ آزادی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، اور عوام کی شہادتوں اور قربانیوں کی برکت سے گمشدگیوں اور قتل و غارت گری کا وحشت ناک سلسلہ وقتی طور پر ہی سہی، تھم ضرور چکا ہے۔

تاہم، بنگال کے عوام کو یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ ابھی ہماری مکمل فتح نہیں ہوئی۔ ابھی تک ریاست اسی حسینہ کے بنائے ہوئے طاغوتی آئین کے تحت چل رہی ہے، وہ آئین جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کرتا ہے، عوام کی شرعی امنگوں کو پامال کرتا ہے اور سیکولرازم، جمہوریت، سوشلزم اور قوم پرستی جیسے چار کفریہ نظریات کو ہر چیز کی بنیادی اساس اور سرچشمہ قرار دیتا ہے۔ انگریزوں کے چھوڑے ہوئے کالے قوانین اور لادین نظامِ تعلیم آج بھی جوں کے توں نافذ العمل ہیں۔ سرمایہ دارانہ استحصال کے ذریعے امیر دن بدن امیر تر ہو رہے ہیں، اور غریب مکمل طور پر محرومی کی چکی میں پس رہے ہیں۔ مزید بر آں، مغربی تسلط اور بالواسطہ استعمار پوری طرح موجود ہے۔ اور جب تک یہ دونوں سنگین مسائل جوں کے توں موجود ہیں، کسی بھی وقت ان کے راستے دوبارہ ہندوتوا کی جارحیت کے مسلط ہونے کا شدید خطرہ باقی ہے۔

اسی لیے بنگالی مسلمان جس طرح ہندوتوا کی ایجنٹ شیخ حسینہ کے خلاف طوفان بن کر گرجے تھے، بالکل اسی طرح انہیں سیکولرازم اور مغربی بالواسطہ استعمار کے خلاف بھی اپنی لڑائی پوری استقامت سے جاری رکھنی ہوگی۔ جس طرح انہوں نے ہندوتوا اور بھارتی جارحیت کو مسترد کیا تھا، بعینہٖ اسی طرح سیکولر سرمایہ دارانہ یلغار کو بھی پاؤں تلے روندنا ہوگا۔

جولائی کی تحریک میں لاکھوں زبانوں پر ایک ہی نعرہ گونجتا تھا: ”ابو سعید، مگدھو شیش ہوئنی جُدھو“، یعنی تحریک میں جامِ شہادت نوش کرنے والے دو سرفروش شہداء، ابو سعید اور مگدھو کے نام پر نعرہ لگا کر مظاہرین یہ واضح پیغام دیتے تھے کہ یہ جدوجہد ابھی جاری ہے۔

یہاں تک کہ حسینہ کے عبرتناک زوال کے بعد بھی مختلف بغاوتوں اور سازشوں کو ناکام بناتے ہوئے یہی نعرہ بلند کیا گیا ہے۔ یہ بات درحقیقت اپنے لفظی معنوں میں بھی صد فیصد سچ ہے، اور اس حقیقت کو سب کو دلوں میں نقش کر لینا چاہیے۔ جب تک اس غلیظ سرمایہ داری، کفر پر مبنی سیکولرازم اور ظالمانہ نوآبادیاتی نظام کا قلع قمع نہیں ہو جاتا، جب تک ہم شریعت کے عدل و انصاف کے سائے میں پناہ نہیں لے لیتے، تب تک ہمیں اپنی یہ جدوجہد جاری رکھنی ہوگی۔ بظاہر کتنا ہی مشکل کیوں نہ لگے، اس سیکولرازم اور ظالمانہ نظام کو ایک ناقابلِ تغیر مقدر کے طور پر ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ذرا سوچیے، کیا ہم نے جولائی سے پہلے اپریل کے مہینے میں بھی یہ تصور کیا تھا کہ حسینہ کا اتنی جلدی زوال ہو جائے گا؟ لیکن کیا اللہ تعالیٰ کا وہ اٹل فرمان ایک بار پھر ہماری زندگیوں میں روزِ روشن کی طرح سچ ثابت نہیں ہوا: وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (اور یہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری پھیرتے رہتے ہیں۔)

حسینہ نے بظاہر اپنی طاقت کو اس قدر مضبوط کر لیا تھا کہ بعض لوگ مایوسی کے اندھیروں میں ڈوب چکے تھے۔ اگر ان کی طرح باقی سب بھی مایوس ہو جاتے، اور حسینہ ہی کی آمریت کو اپنا مستقل مقدر مان لیتے، تو کیا آج ہم یہ خوبصورت دن دیکھ پاتے؟ کیا بنگال کے مسلمان یہ نسبتاً آزادی محسوس کر پاتے؟

تاریخ گواہ ہے کہ ایک وقت وہ بھی تھا جب انگریزوں کو بھی ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ لیکن کچھ تاخیر سے ہی سہی، دو سو سال بعد ہی سہی، کیا ان کا سورج غروب نہیں ہوا؟

لہٰذا، آج کا یہ استحصالی عالمی نظام بظاہر کتنا ہی مستحکم اور ناگزیر کیوں نہ لگے، سیکولرازم، برطانوی کالے قوانین اور نوآبادیاتی نظام سے نجات پانا بظاہر کتنا ہی مشکل اور ناممکن کیوں نہ محسوس ہو، حقیقت میں ان کا زوال ایک دن ہو کر رہے گا، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہمیشہ کی طرح سچ ثابت ہو کر رہے گا۔ چنانچہ کفر اور ظلم کے اس کچرے کو مستقل مقدر کے طور پر قبول کرنے کی کوئی ادنیٰ سی گنجائش بھی نہیں ہے۔ بلکہ مکمل اتحاد، ٹھوس منصوبہ بندی، پیہم کوششوں اور ان تھک جدوجہد کے ذریعے، بنگال کے مسلمانوں کو مستقل آزادی کی جانب یونہی مسلسل آگے بڑھتے رہنا ہوگا!

☆☆☆☆☆

بنگلہ دیش کا قانون خواتین کو تحفظ فراہم کرنے میں کیوں ناکام ہے؟

شاکر احمد فرائضی

سترہ کروڑ نفوس پر مشتمل کوئی بھی قوم ایسے نظامِ انصاف کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی، جہاں ایک درندہ محض پندرہ دن میں آزادانہ دندناتا پھرے، جبکہ ایک مظلوم پندرہ سال تک انصاف کی دہلیز پر آنکھیں بچھائے بیٹھی رہے۔

۲۵ ستمبر ۲۰۲۰ء کی وہ سیاہ رات تھی۔ ایک خاتون اپنے شوہر کے ہمراہ سلہٹ کے مراری چند کالج کے ہاسٹل کیمپس گئی، مگر جب وہ گھر لوٹی، تو وہ پہلے جیسی انسان نہیں رہی تھی۔ اس حکمرانِ وقت جماعت کے طلبہ ونگ کے غنڈوں نے اس کے شوہر کو رسیوں سے باندھ دیا، اور اسے گھسیٹ کر ہاسٹل کے ایک تاریک کمرے میں لے جا کر اجتماعی اجتماعی زیادتی (گینگ ریپ) کا نشانہ بنایا۔ آٹھ وحشی درندے! بعد ازاں، ڈی این اے کی شہادتوں نے ان میں سے چھ کے جرم پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

آج اس دلخراش سانحے کو قریباً چھ برس بیت چکے ہیں۔ جولائی ۲۰۲۶ء کے اوائل تک، بمشکل اس مقدمے کے فیصلے کی تاریخ طے پا سکی ہے، اور وہ بھی ٹریبونلز کی غلام گردشوں میں دھکے کھانے، ریاستی اپیلوں کے ذریعے پیدا کردہ رکاوٹوں، اور عین اس حکومت کی جانب سے روا رکھی گئی دانستہ تاخیر کے بعد، جس کے کاندھوں پر انصاف فراہم کرنے کی بھاری ذمہ داری عائد تھی۔ ملزمان برسوں تک حراست میں آنے اور ضمانتوں پر رہا ہونے کا مکروہ کھیل کھیلتے رہے۔ اور وہ مظلوم خاتون، ہر روز اپنے اس رستے ہوئے زخم کی کسک سہتی رہی۔

یہ کوئی انوکھا یا استثنائی واقعہ نہیں ہے، بلکہ بنگلہ دیش میں، اب یہی ایک بھیانک معمول بن چکا ہے۔

وہ اعداد و شمار جو ہمارے لیے باعثِ ننگ و عار ہیں

اس سے قبل کہ ہم کسی تفصیلی بحث کا آغاز کریں، ذرا حقائق اور اعداد و شمار کو اپنی زبانِ حال سے گواہی دینے دیجیے۔

۲۰۲۰ء سے لے کر جون ۲۰۲۵ء کے درمیانی عرصے میں، پورے بنگلہ دیش کے اندر اجتماعی زیادتی کے اکتیس ہزار سے زائد مقدمات سرکاری سطح پر درج کیے گئے، اور یاد رہے، یہ محض وہ واقعات ہیں جو باقاعدہ رپورٹ ہو سکے۔ سپریم کورٹ کے معروف وکیل اور ’آئین او سالش کیندر‘ (ASK) کے چیئرمین زیڈ آئی خان پنا نے بھی بعینہٖ اسی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا: ’’میرا ماننا ہے کہ اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم تو محض اخبارات کے فراہم کردہ اعداد و شمار پر انحصار کرتے ہیں، اور بوقتِ ضرورت پولیس سے مقدمات کی تصدیق کروا لیتے ہیں۔ یہ ایک فطری سی بات ہے کہ اگر مظلومین پولیس کے پاس فریاد لے کر ہی نہ جائیں، تو یہ تعداد بظاہر کم ہی نظر آئے گی‘‘۔

پولیس ہیڈ کوارٹرز نے خود اس امر کی تصدیق کی ہے کہ سال ۲۰۲۵ء میں اجتماعی زیادتی کے ۷،۰۶۸ مقدمات درج ہوئے، جبکہ ۲۰۲۴ء میں یہ تعداد ۵،۵۶۶ تھی۔ محض نو دنوں کے مختصر دورانیے میں، یعنی ۲۰ جون سے ۲۹ جون ۲۰۲۵ء کے درمیان، ملک بھر سے اجتماعی زیادتی کے ۲۴ اندوہناک مقدمات رپورٹ ہوئے۔ سول سوسائٹی کے مختلف حلقے اب بجا طور پر اسے ایک ’’وبائی مرض‘‘ قرار دے رہے ہیں۔

اور اس پوری سنگین صورتِ حال پر ہمارے نظامِ انصاف کا ردعمل کیا ہے؟

مجرموں کو قرار واقعی سزا ملنے کی شرح ۰٫۶۶ء۳ فیصد سے بھی کم ہے۔

ہیومن رائٹس واچ کی چشم کشا رپورٹ کے مطابق، درحقیقت یہ شرح اس سے بھی کہیں کم ہے، یعنی ۱ فیصد سے بھی نیچے۔ ’براک‘ (BRAC) کی ایک تفصیلی تحقیق، جس میں عدالت سے نمٹائے گئے ۳۸۵ مقدمات کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا، یہ ہولناک انکشاف کرتی ہے کہ باقاعدہ فردِ جرم عائد کیے گئے ۷۹۴ ملزمان میں سے محض ۳۶ مجرموں کو سزا سنائی جا سکی۔ اندازاً گیارہ ہزار خواتین، جنہوں نے حکومتی اور ریاستی ذرائع ابلاغ سے باقاعدہ قانونی دعوے کیے، ان میں سے صرف ۱۶۰ بدنصیب خواتین ہی اپنے حملہ آوروں کو کیفرِ کردار تک پہنچتے دیکھ سکیں۔ خدارا بتائیے، کیا یہ کوئی نظامِ انصاف ہے؟ یہ تو محض منظم مایوسی اور استحصال کا ایک سفاک نظام ہے۔

وہ لرزہ خیز مقدمات جنہیں سب کچھ بدل دینا چاہیے تھا، مگر کچھ نہ بدلا

سوہاگی جہان تنو کا قتل

۲۰ مارچ ۲۰۱۶ء کو کومیلا وکٹوریہ گورنمنٹ کالج کی ہونہار طالبہ سوہاگی جہان تنو کی لاش، انتہائی سخت سیکیورٹی والے مینامتی آرمی کنٹونمنٹ کی جھاڑیوں سے برآمد ہوئی۔ اسے وحشیانہ تشدد اور اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنا کر وہاں پھینک دیا گیا تھا۔ بعد ازاں، ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ نے بھی اس اندوہناک اجتماعی زیادتی کی تصدیق کر دی۔ ’’خواتین اور بچوں پر انسدادِ جبر کے قانون‘‘ کے تحت، تفتیشی افسران کو یہ واضح ہدایت دی گئی ہے کہ وہ ۱۸۰ دنوں کے اندر اپنی تفتیش ہر صورت مکمل کریں، اگرچہ عدالتیں اس مقررہ مدت میں توسیع کا اختیار رکھتی ہیں، اور اس سے تجاوز کر جانے کی صورت میں کوئی مقدمہ خود بخود خارج یا داخلِ دفتر نہیں ہو جاتا۔ قانون کی وہ واضح ہدایات جو اپنے زور پر نافذ نہ ہو سکیں،

انہیں کم از کم کڑے ادارہ جاتی احتساب کے ذریعے تو یقینی بنایا ہی جانا چاہیے تھا۔ مگر افسوس صد افسوس! ایسا کچھ نہ ہو سکا۔

قریباً ایک دہائی گزرنے تک، عدالت میں ایک بھی چارج شیٹ داخل نہ کی جا سکی۔ یہ مظلوم مقدمہ پولیس سے جاسوسی برانچ (DB)، پھر کرمنل انویسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ (CID)، اور وہاں سے پولیس بیورو آف انویسٹی گیشن (PBI) کی راہداریوں میں بے بسی سے گھومتا رہا، اس دوران چھ مختلف تفتیشی افسران تبدیل کیے گئے، مگر احتساب کا حاصل صفر ہی رہا۔ تنو کا نام تو بنگلہ دیش میں 'استثنیٰ اور قانون سے بالا بے لگام مجرموں' کی گویا ایک لغوی تعریف بن کر رہ گیا۔ کنٹونمنٹ کی وہ اونچی دیواریں جو اس معصوم کی جان کی حفاظت کرنے میں تو ناکام رہیں، ایک طویل عرصے تک اسی کے درندہ صفت قاتلوں کے لیے ایک مضبوط ڈھال ضرور بنی رہیں۔ اس کے مقدمے میں ہونے والی یہ لامتناہی تاخیر کسی آئینی یا قانونی مجبوری کی عکاس نہیں، بلکہ سیدھے لفظوں میں ان ذمہ دار اداروں کی دانستہ غفلت اور احتساب کے مکمل فقدان کا منہ بولتا ثبوت ہے، جنہیں اس خونِ ناحق کی تفتیش سونپی گئی تھی۔

پھر، مسلط کردہ خاموشی اور جبر کی ایک طویل دہائی کے بعد، کارروائی کی پہلی ہلکی سی لہر پیدا ہوئی۔ اپریل اور جون ۲۰۲۶ء کے دوران، پولیس بیورو آف انویسٹی گیشن کو تین مخصوص مشتبہ افراد، جو سب کے سب فوج کے سابق اہلکار تھے، کے ڈی این اے میچنگ کے باقاعدہ عدالتی احکامات موصول ہوئے۔ چنانچہ سابق سینئر وارنٹ افسر حفیظ الرحمٰن کو گرفتار کر کے جسمانی ریمانڈ پر لے لیا گیا۔ جبکہ باقی دو مفرور ملزمان، سابق سارجنٹ زاہد اور سابق فوجی شاہین، کی گرفتاری کے لیے عدالت نے انٹرپول کے ذریعے ریڈ نوٹس جاری کرنے کا حکم صادر کیا۔ ایک ایسا سلگتا ہوا مقدمہ، جسے خود ریاست نے پورے دس سال تک سرد خانے میں دفن کیے رکھا تھا، بالآخر جزوی طور پر ہی سہی، اب کھلنا شروع ہو گیا۔

مگر ذرا رُک کر دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ اس ساری کارروائی کا اصل مطلب کیا ہے؟ محض ڈی این اے ٹیسٹنگ کے ابتدائی مرحلے تک پہنچنے اور ایک مشتبہ شخص کی گرفتاری عمل میں لانے کے لیے بھی پورے دس سال کا طویل عرصہ، ایک حکومت کا خاتمہ، اور مسلسل عوامی دباؤ درکار تھا۔ آج تک کوئی چارج شیٹ عدالت میں داخل نہیں کی جا سکی، کسی باقاعدہ ٹرائل کا آغاز نہیں ہوا، کسی ایک مجرم کو بھی سزا نہیں مل سکی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تنو کو آج بھی انصاف نہیں مل سکا۔ سال ۲۰۲۶ء کی یہ حالیہ پیش رفت گزشتہ ایک دہائی کی مجرمانہ اور دانستہ غفلت کے داغ کو ہرگز دھو نہیں سکتی، بلکہ یہ تو محض اس تلخ حقیقت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہے کہ یہ غفلت دراصل ہمیشہ سے ایک شعوری انتخاب تھا، کوئی ناگزیر قانونی مجبوری نہیں۔

بیگم گنج، نوا کھالی کی خاتون کے ساتھ اجتماعی زیادتی جسے براہ راست نشر کیا گیا

۲ ستمبر ۲۰۲۰ء کی بات ہے، بیگم گنج کے ذیلی ضلعے کے ایک گاؤں جوئے کرشنا پور میں، ایک نہتی گھریلو خاتون کو سرِعام برہنہ کیا گیا، لاٹھیوں سے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا، اور پھر جرائم پیشہ گروہ "دلاور باہنی" کے وحشی غنڈوں نے اس کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی اور انتہا تو یہ ہے کہ اس مجرمانہ فعل کے دوران وہ اس کی ویڈیو بھی بناتے رہے۔ ایک درندے کو باقاعدہ چلاتے ہوئے سنا گیا: "یہ فیس بک پر جائے گی"۔ تو دوسرے نے شیطانی ہنسی کے ساتھ جواب دیا: "نہیں، چلو لائیو (براہِ راست) چلتے ہیں"۔

جب اس مظلوم خاتون کی عصمت تار تار کی جا رہی تھی، تو وہ درد سے چیخ رہی تھی: "میں تمہیں اپنا باپ، اپنا بھائی کہہ کر پکار رہی ہوں، خدا را، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے واسطے، مجھے جانے دو!" مگر ان ظالموں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ تاہم، مظلومہ کی ان تڑپتی ہوئی سسکیوں اور الفاظ میں، ہمارے اس معاشرتی بحران کا سب سے گہرا المیہ چھپا ہوا ہے، اس نے عین اس وقت اس واحد اور سچے ضابطۂ حیات کا واسطہ دے کر پکارا، جس کے بے لوث اصول، اگر نافذ ہوتے، تو ان درندوں کو اس تاریک کمرے میں قدم رکھنے سے قبل ہی خوفِ خدا سے لرزا دیتے۔

یہ شرمناک ویڈیو ۴ اکتوبر ۲۰۲۰ء کو وائرل ہوئی، یعنی اس گھناؤنے جرم کے ارتکاب کے پورے ۳۳ دن بعد، اور آپ حیران ہوں گے کہ پولیس کو اس ہولناک واقعے کی اس وقت تک کانوں کان خبر نہ تھی، جب تک کہ انٹرنیٹ کے طوفان نے انہیں حرکت میں آنے پر مجبور نہ کر دیا۔ گرفتاریاں بھی تب ہی عمل میں لائی گئیں جب شدید عوامی غیظ و غضب نے اس واقعے کو قالین کے نیچے دھکیلنا اور نظر انداز کرنا یکسر ناممکن بنا دیا۔ بالآخر طویل کارروائی کے بعد، ۱۳ ملزمان کو ۱۰ سال قید کی سزا سنا دی گئی۔

'مانوشیر جونو فاؤنڈیشن' کی جانب سے، پورے بنگلہ دیش میں رونما ہونے والے اجتماعی زیادتی کے ۲۵ مختلف مقدمات پر کی گئی ایک جامع تحقیق سے یہ لرزہ خیز انکشاف سامنے آیا ہے کہ، اگرچہ بنگلہ دیشی قانون کے تحت اجتماعی زیادتی ایک ناقابلِ ضمانت جرم ہے، اس کے باوجود زیرِ جائزہ ان تمام مقدمات میں ملزمان کو گرفتاری کے محض ۱۵ دنوں کے اندر اندر انتہائی باقاعدگی کے ساتھ ضمانتیں مل گئیں، دراصل، یہ ادارہ جاتی ناکامی اور ملی بھگت کا ایک ایسا منظم تسلسل ہے جس کی لپیٹ سے بیگم گنج کا مقدمہ بھی، اتنے شدید ترین عوامی ردعمل کے باوجود، بالآخر اپنے آپ کو بچا نہ سکا۔

ایم سی کالج، سلہٹ: جہاں ریاست نے خود اپنے ہاتھوں سے انصاف کا راستہ روک دیا

ستمبر ۲۰۲۰ء میں پیش آنے والا ایم سی کالج کا مشہورِ زمانہ مقدمہ اپنے اندر ایک انتہائی انوکھا اور شرمناک پہلو رکھتا ہے: دسمبر ۲۰۲۲ء میں جب ہائی کورٹ نے یہ واضح حکم صادر کیا کہ مقدمے کو جلد از جلد منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے اسے 'اسپیڈی ٹرائل ٹربیونل' (فوری سماعت کے ٹربیونل) میں منتقل کیا جائے، تو عوامی لیگ کی حکومت نے نہایت ڈھٹائی سے

اس منتقلی کو رکوانے کے لیے باقاعدہ اپیل دائر کر دی، یاد رہے، یہ وہی بر سر اقتدار جماعت تھی جس کے اپنے ہی طلبہ ونگ کے غنڈوں نے اس اجتماعی زیادتی کا ارتکاب کیا تھا، اور اب وہی جماعت اپنے کارکنوں کے خلاف ہونے والی تیز تر قانونی کارروائی کو التوا کا شکار کرنے کے لیے مختلف قانونی ہتھکنڈے استعمال کر رہی تھی۔

شدید کشمکش کے بعد، یہ منتقلی بالآخر مئی ۲۰۲۵ء میں جا کر عمل میں آئی، یعنی جرم کے ارتکاب کے تقریباً پانچ سال بعد۔ فیصلے کی تاریخ ۱۴ جولائی ۲۰۲۶ء مقرر کی گئی۔ سوچیے، پانچ سال اور دس مہینے کا طویل عرصہ! اور وہ بھی ایک ایسے مقدمے کے لیے جس میں آٹھ گرفتار مشتبہ افراد موجود تھے، ڈی این اے کے ٹھوس شواہد ان میں سے چھ کے جرم کی کھلی تصدیق کر رہے تھے، اور متعدد ملزمان کے باضابطہ اعترافی بیانات بھی ریکارڈ پر موجود تھے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ بنگلہ دیش میں انصاف اندھا نہیں ہے، بلکہ یہ ظالمانہ حد تک امتیازی اور جانبدار رہا ہے۔

یہ نظام کس طرح محض مایوس کرنے کے لیے ہی تشکیل دیا گیا ہے؟

اجتماعی زیادتی کے سنگین مقدمات میں بنگلہ دیش کے مروجہ قانونی نظام کی ناکامی کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ ایک ساختی اور سیاسی نوعیت کا المیہ ہے۔

التوا کا سنگین بحران: مقدمات کے لامتناہی انبار

سال ۲۰۲۵ء کے اوائل تک، ملک بھر میں قائم ۱۰۱ ''خواتین اور بچوں پر انسدادِ جبر کے ٹریبونلز'' میں تقریباً ڈیڑھ سے دو لاکھ مقدمات زیرِ التوا پڑے ہیں۔ ان میں سے پینتیس ہزار سے زائد مقدمات تو ایسے ہیں جو پانچ برس سے بھی زیادہ عرصے سے لٹکے ہوئے ہیں۔ کسی ایک مقدمے کو نمٹانے کا اوسط وقت ۱۳۷۰ دن، یعنی تقریباً چار سال بنتا ہے۔ غور کیجیے کہ ۲۰۲۴ء میں، ان عدالتوں کے اندر موجود دو لاکھ سات ہزار سے زائد مقدمات کے انبار میں سے محض چھپن ہزار مقدمات کو ہی کسی انجام تک پہنچایا جا سکا۔

ضمانت کا شرمناک کھیل

''خواتین اور بچوں پر انسدادِ جبر کا قانون'' اجتماعی زیادتی کو صریحاً ایک ناقابلِ ضمانت جرم قرار دیتا ہے۔ لیکن تلخ حقیقت یہ ہے کہ قانونی سقم کے منظم استحصال کے ذریعے، اس شق کو بالکل بے معنی اور کھوکھلا بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ دفاعی وکلاء انتہائی باقاعدگی کے ساتھ ہائی کورٹ سے حکمِ امتناعی (Stay Order) حاصل کر لیتے ہیں، بعینہٖ جیسا کہ ۲۰۲۲ء کے اترا ویسٹ اجتماعی زیادتی کیس میں دیکھا گیا، جہاں ہائی کورٹ کے ایک حکمِ امتناعی نے، فردِ جرم عائد ہونے کے تقریباً دو سال بعد تک کسی ایک گواہی کے سنے جانے کا راستہ بھی سختی سے روکے رکھا۔ ''مانوشیر جونو فاؤنڈیشن'' کے زیرِ مطالعہ تمام ۲۵ مقدمات کا حال یہ رہا کہ ان میں محض پندرہ دن کے اندر اندر ضمانت دے دی گئی۔ قانون تو پکار پکار کر کہتا ہے کہ یہ جرم ''ناقابلِ ضمانت'' ہے؛ مگر ہماری عدالتوں کا عملی رویہ اس کے بالکل برعکس اور متصادم ہے۔

شواہد کا المیہ

کسی بھی مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے ٹھوس شواہد درکار ہوتے ہیں، اور قابلِ قبول شواہد اکٹھے کرنے کے لیے اعلیٰ فرانزک صلاحیت ناگزیر ہے۔ مگر المیہ دیکھیے کہ بنگلہ دیش کے پاس نہ تو اس درجے کے تربیت یافتہ فرانزک اہلکار میسر ہیں، نہ ہی جدید آلات سے آراستہ لیبارٹریاں دستیاب ہیں، اور نہ ہی سرے سے وہ معیاری طریقہ کار موجود ہے جس کی بدولت وسیع پیمانے پر اجتماعی زیادتی کے ایسے مقدمات تیار کیے جا سکیں، جو ہر قسم کے قانونی جھول سے پاک ہوں۔ میڈیکل رپورٹس، جو دراصل اجتماعی زیادتی کے مقدمات میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں، انہیں خود ''بنگلہ دیش جوڈیشل سروس ایسوسی ایشن'' ایک ''بنیادی رکاوٹ'' گردانتی ہے، جو منظم تاخیر کا سب سے بڑا سبب بنتی ہیں۔ رہی سہی کسر یوں پوری ہوتی ہے کہ مقدمے کے عین بیچ میں ہی تفتیشی افسران تبدیل کر دیے جاتے ہیں، اور بعض اوقات تو ایک ہی مقدمے میں چھ چھ بار یہ تبادلے ہوتے ہیں، جیسا کہ مظلومہ تنو کی تفتیش کے دوران دیکھا گیا، جس کے نتیجے میں متعلقہ ادارے کی یادداشت اور شواہد کی تحویل کا سارا تسلسل مکمل طور پر تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

اسلامی عدل: ایک ایسا نظامِ عدل جو یقینی، فوری اور متناسب ہو

انصاف کا وہ عظیم اسلامی خاکہ، جس کی بنیاد اس تحریر میں بالخصوص فقہِ حنفی پر رکھی گئی ہے، اجتماعی زیادتی کے اس ناسور سے ایک ایسی بے داغ شفافیت، غیر معمولی اخلاقی قوت اور ساختی منطق کے ساتھ نمٹتا ہے، جس کی گرد کو بھی ہمارا یہ ورثے میں ملا ہوا بوسیدہ نوآبادیاتی نظام ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔

فقہِ حنفی کا خاکہ: سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان کیا ہے؟

فقہِ حنفی کے عظیم بانی، سیدنا امام ابو حنیفہ النعمان رحمۃ اللہ علیہ نے اس شنیع فعل کی تعریف باقاعدہ 'اجتماعی زیادتی'، یعنی زبردستی کی گئی غیر قانونی جنسی قربت، کی اصطلاح کے تحت بیان فرمائی ہے۔ یاد رہے کہ حنفی فقہ میں اسے باہمی رضامندی سے کیے گئے 'زنا' سے قطعی طور پر الگ اور ممتاز رکھا گیا ہے۔ یہ تفریق محض قانونی ہی نہیں، بلکہ گہری اخلاقی جہت بھی رکھتی ہے: ان میں سے ایک تو دو فریقین کے مابین ہونے والا صریح گناہ ہے، جبکہ دوسرا ایک معصوم و مجبور انسان پر مسلط کیا جانے والا انتہائی پر تشدد جرم ہے۔

اجتماعی زیادتی کے حوالے سے بنیادی حنفی مؤقف کو مندرجہ ذیل نکات میں سمجھا جا سکتا ہے:

- مظلوم کے لیے نہ تو کوئی سزا مقرر ہے اور نہ ہی اس کے لیے کسی قسم کی شرمندگی کی گنجائش ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا دو ٹوک اور غیر مبہم فیصلہ ہے، جو امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تصنیف 'المبسوط' اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب 'رد المحتار' جیسی بنیادی حنفی کتب میں پوری صراحت کے ساتھ درج ہے۔ جس مظلوم عورت کے ساتھ اجتماعی زیادتی کا ارتکاب کیا گیا ہو، وہ 'زنا' کے شرعی اور

قانونی الزام سے مکمل طور پر بری الذمہ ہے۔ اس نے ہر گز کوئی گناہ نہیں کیا، بلکہ وہ تو خالصتاً ایک مظلوم ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ یہ سنہرا اصول فقہِ حنفی کے اندر، ان نام نہاد جدید قانونی نظاموں کے 'مظلوم کو موردِ الزام ٹھہرانے' جیسی فضول بحثیں شروع کرنے سے پورے ہزار سال قبل ہی پوری قطعیت کے ساتھ طے کر دیا گیا تھا۔

- اگر کسی قانونی سقم کے باعث 'حد' ثابت نہ ہو سکے، تو اس صورت میں مجرم پر لازم ہے کہ وہ 'تعزیر' کی سخت سزا بھگتنے کے ساتھ ساتھ، مظلومہ کو 'مہر'، یعنی قرار واقعی مالی معاوضہ، بھی ادا کرے۔ جیسا کہ امام سرخسی رحمہ اللہ کی 'المبسوط' میں مرقوم ہے کہ جب 'حد' کے لیے درکار سخت شواہد کا مطلوبہ معیار پورا نہ ہو پا رہا ہو، تو مجرم پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ وہ مظلومہ کی معاشرتی تلافی کے طور پر اسے 'مہر المثل'، یعنی اس کے خاندان کی ہم پلہ خواتین کے مقررہ مہر کے برابر رقم، ادا کرے۔ یہاں اس مقام پر ایک انتہائی باریک فقہی نکتے کو سمجھنا ضروری ہے: حنفی فقہ میں، جب مجرم کے اپنے 'اقرار' یا شرعی 'شہادت' کے ذریعے 'حد' مکمل طور پر ثابت ہو جائے، تو پھر صرف حد ہی نافذ کی جاتی ہے، اور اس صورت میں مہر کو اس کے ساتھ شامل نہیں کیا جاتا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حق (حق اللہ) اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ نافذ ہو جائے، تو شرعاً وہی مکمل عدالتی کارروائی شمار ہوتا ہے۔ تاہم، یہ بالخصوص 'تعزیر' کا وہ راستہ ہے، جو عملی اور زمینی حقائق کے اعتبار سے تقریباً ہر حقیقی مقدمے میں لاگو ہوتا نظر آتا ہے، جہاں قاضی کی صوابدیدی سزا کے ساتھ ساتھ مہر ادا کرنا بھی مجرم پر واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا، اس حنفی خاکے کی روشنی میں، انصاف بیک وقت تادیبی (سزا دینے والا) بھی ہے اور تلافی کرنے والا بھی، جو ایک حد درجہ متوازن اور اندرونی طور پر ہم آہنگ نظام کے تحت اپنا کام کرتا ہے۔
- جب 'اقرار' (اعترافِ جرم) کے ذریعے جرم ثابت ہو جائے، تو اس کی حتمی فوجداری سزا 'زنا' کی شرعی 'حد' ہے۔ اگر درندہ خود اپنے منہ سے اعتراف کر لے، اور یاد رہے کہ حنفی مکتبِ فکر میں اعترافی بیانات فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، تو پھر ہر صورت میں 'حد' کی سزا لاگو ہوتی ہے: یعنی شادی شدہ مجرم (محصن) کے لیے سنگسار کرنے (رجم) کا حکم ہے، اور غیر شادی شدہ (غیر محصن) کے لیے ۱۰۰ کوڑے (جلد) مارنے کی سزا مقرر ہے۔ یہاں فقہ حنفی کے ایک انتہائی اہم امتیازی پہلو کو باریک بینی سے سمجھنا نہایت ضروری ہے: ائمہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک، غیر شادی شدہ مجرم کے لیے جلاوطنی یا قید کی سزا بذاتِ خود حد کا حصہ ہر گز نہیں ہے۔ یہ در حقیقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ بنیادی سزا کا جزو نہیں ہے۔ البتہ، اگر 'قاضی' حالات کے تقاضوں اور مقدمے کی سنگینی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ضروری خیال کرے، تو وہ اپنے صوابدیدی اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے مزید 'تعزیر' کے طور پر جلاوطنی یا قید کی اضافی سزا ضرور سنا سکتا ہے، لیکن بحیثیتِ مجموعی، یہ حد میں شامل نہیں ہے اور اسی حیثیت سے یہ واجب بھی نہیں کہلائے گی۔ دورِ حاضر کے ممتاز حنفی فقیہ، مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ، اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف 'The Case for the Hudood Ordinances' میں اس بات کی مدلل تصدیق کرتے ہیں کہ 'زنا' کی حد پوری قوت کے ساتھ 'اجتماعی زیادتی' پر بھی لاگو ہوتی ہے، اور شادی شدہ مجرم کے لیے 'رجم' کی ہولناک سزا قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ، دونوں سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ وہ نہایت صراحت کے ساتھ یہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی معقول شرعی عذر کے بغیر اس سزا کو معطل کرنا، سیدھے سیدھے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قطعی حکم کو ترک کر دینے کے مترادف ہے۔
- دوسری جانب، جب 'حد' ثابت نہ ہو سکے، تو 'تعزیر'، یعنی قاضی کی مقرر کردہ سخت صوابدیدی سزا، نافذ کرنا حکومت پر واجب ہو جاتا ہے، یہ کوئی محض اختیاری امر نہیں ہے۔ در حقیقت، حنفی فقہ کا یہ مؤقف ہمارے اس جدید دور میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز تصنیف 'رد المحتار' میں پوری صراحت کے ساتھ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اجتماعی زیادتی کے سنگین مقدمات میں تعزیر کے تحت مجرم کو سزائے موت تک بھی دی جا سکتی ہے، اور یاد رہے کہ یہ کوئی کم تر یا ثانوی درجے کا متبادل نہیں ہے، بلکہ یہ تو حکومت کے کندھوں پر عائد ایک لازمی فریضہ ہے۔ عہدِ حاضر میں تقابلی اسلامی قانون کے سب سے بڑے انسائیکلوپیڈسٹ، پروفیسر ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمہ اللہ، اپنی مشہورِ زمانہ کتاب 'الفقہ الاسلامی و ادلتہ' میں رقم طراز ہیں:

> "کسی بھی جرم کے مظلوم کو کبھی بھی حقیقی انصاف سے محروم نہیں چھوڑا جاتا؛ کیونکہ اگر ملزم کا جرم سخت ترین حد کی سزا کے نفاذ کے لیے درکار کڑی شرائط کے علاوہ دیگر دستیاب شواہد سے بھی ثابت ہو جائے، تو تمام فقہائے کرام کے متفقہ فیصلے (اجماع) کے تحت اسے عبرت ناک سزا دی جا سکتی ہے۔"

وہ مزید اس امر کی تصدیق فرماتے ہیں کہ عدالت کو اس طرح ثابت ہونے والے جرم پر تعزیر کا درست تعین کرنے اور اسے پوری قوت سے نافذ کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس مقام پر سب سے اہم بات یہ ہے کہ سیاسۃ شرعیہ کا تصور، یعنی معاشرے میں انصاف کے بلا امتیاز نفاذ کے لیے سلطنت کا وسیع انتظامی اختیار، حنفی مکتبِ فکر کو جدید دور کے چیلنجز سے نمٹنے کا سب سے طاقتور ہتھیار فراہم کرتا ہے۔ 'ایس ایس آر این' (SSRN) پر "اجتماعی زیادتی کا جرم اور حنفی تصورِ سیاست" کے دقیق موضوع پر شائع ہونے والا ایک مفصل فقہی تجزیہ یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے:

> "خالصتاً ایک سیاسی جرم ہونے کی حیثیت سے، اس کے لیے اسلامی قانون میں حدود کے جرائم کے لیے مقرر کردہ اس مخصوص معیاری ثبوت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ انتہائی سنگین نوعیت کے مقدمات میں، عدالت بے دھڑک سزائے موت سنا سکتی ہے جسے معاف کرنے یا کم

کرنے کا اختیار صرف حکومت کے پاس ہے، مظلوم یا اس کے قانونی ورثاء کے پاس نہیں۔"

اس ساری بحث کا لبِ لباب یہ ہے کہ مرکزی حنفی تصور کے عین مطابق، اسلامی اصولوں پر گامزن بنگلہ دیش کو یہ مکمل عدالتی اختیار حاصل ہو گا کہ وہ چار چشم دید گواہوں کی کڑی شرط کے بغیر بھی، محض تعزیر اور سیاست کے وسیع طریقہ کار کے ذریعے، موجودہ دور کے فرانزک شواہد، مصدقہ میڈیکل رپورٹس اور حالات سے اخذ شدہ اعترافِ جرم کی بنیاد پر، اجتماعی زیادتی کے سفاک مجرم کو بلا تردد سزائے موت سنا سکے۔

- قرائنی شواہد (Circumstantial evidence) یعنی 'قرائن' بھی، تعزیر کے اثبات کے لیے مکمل طور پر معتبر اور حجت مانے گئے ہیں، اور اس اصول کی جڑیں روایتی حنفی فقہ میں انتہائی مضبوطی کے ساتھ پیوست ہیں۔ آج کے دور کے جدید فرانزک شواہد، طبی یا میڈیکل رپورٹس، ڈی این اے پروفائلنگ، جسم پر پائے جانے والے تشدد کے واضح نشانات، مادہ منویہ یا خون کے دھبوں کی موجودگی، یہ سب کے سب اسلامی قانونِ شہادت کے سنہرے اصولوں کے تحت 'قرائن' ہی میں شمار کیے جاتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ قرائن کی جامع تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے لیے بنیادی طور پر دو عناصر درکار ہوتے ہیں: اول، ایک بالکل واضح اور ثابت شدہ حقیقت، اور دوم، اس حقیقت اور زیرِ بحث متنازعہ معاملے کے درمیان پایا جانے والا ایک مضبوط منطقی تعلق۔ غور کیا جائے تو یہ ایک ایسا جامع معیار ہے جسے جدید ڈی این اے شواہد پوری حتمیت کے ساتھ پورا کرتے ہیں، کیونکہ وہ حیاتیاتی شناخت کو تقریباً سو فیصد یقین کے ساتھ ثابت کر دیتے ہیں۔ تعزیر کے باب میں قرائن کی اس وسیع قبولیت کی جڑیں روایتی حنفی کتب میں پوری صراحت کے ساتھ بکھری پڑی ہیں۔ امام کاسانیؒ اپنی بے مثال تصنیف "بدائع الصنائع" میں حنفی فقہ کا یہ کلیدی فرق یوں قائم فرماتے ہیں: حدود کے برعکس، "ایک تعزیری جرم کسی درجے کے شبہے کی موجودگی میں بھی پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے"، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ تعزیر کے جرائم، چونکہ وہ براہِ راست اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے مطلق حق کے بجائے بندے کے انفرادی حق سے متعلق ہوتے ہیں، اس لیے شریعت نے ان میں شواہد کے معیار کو نسبتاً زیادہ وسیع اور لچکدار رکھا ہے۔ درحقیقت، یہی وہ کشادہ فقہی دروازہ ہے جس کے راستے سے فرانزک اور جدید طبی شواہد، حنفی فوجداری قانون کے اندر مکمل قانونی جواز کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ بھی "المبسوط" میں اس موقف کی بھرپور تائید فرماتے ہیں، اور یہ آفاقی اصول طے کرتے ہیں کہ تعزیر کے مقدمات میں، قاضی ان انتہائی سخت شواہد کے اصولوں کا پابند نہیں ہے جو حدود پر لاگو ہوتے ہیں، بلکہ وہ اپنے سامنے پیش کیے گئے شواہد کے مجموعی وزن کی بنیاد پر، اپنا مکمل عدالتی صوابدیدی اختیار (یعنی اجتہاد) آزادی سے استعمال کر سکتا ہے۔ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ "الأشباه والنظائر" میں یہ نادر اصول درج فرماتے ہیں:

"الأصل أن للحال منزلة كمنزلة المقالة"، یعنی حالات و واقعات کو شریعت میں وہی ٹھوس قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے، جو ایک صریح اور واضح زبانی بیان کو حاصل ہے۔ یہ وہ فقید المثال حنفی اصول ہے جو جائے وقوعہ کی باریکیوں، فرانزک رپورٹ، ڈی این اے پروفائل، اور مظلوم کے جسم پر موجود تشدد کے لرزہ خیز نشانات کو نہ صرف مقدمے سے متعلق بناتا ہے، بلکہ تعزیر کی کارروائی میں انہیں قانونی طور پر گواہی کے بالکل ہم پلہ اور مساوی لا کھڑا کرتا ہے۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ملائیشیا (IIUM) کی جانب سے شائع ہونے والا ایک عصری تحقیقی اجماع بھی اس بات کی پرزور تصدیق کرتا ہے:

> "جب قرائنی شواہد کے نتیجے میں جرم پایہ ثبوت کو پہنچ جائے، تو اجتماعی زیادتی بلاشبہ تعزیر کی سخت سزا کا حقدار بن جاتا ہے، جیسے کہ شرمگاہ پر موجود تشدد کے نشانات، مظلوم یا ملزم کے جسم پر پائی جانے والی مزاحمت کی علامات، ان کے جسم یا کپڑوں پر مادہ منویہ یا خون کے دھبوں کی موجودگی، یا کوئی مستند میڈیکل رپورٹ، یہ سب شواہد تعزیر کے نفاذ کے لیے بالکل کافی سمجھے جائیں گے۔"

اسلامی قانون پر ہونے والی ایک اہم مرتبہ نظر ثانی شدہ (peer-reviewed) تحقیق بھی اسی امر کی مزید تصدیق کرتی ہے:

> "علمائے دین اس بات پر مکمل طور پر متفق ہیں کہ تعزیری جرائم کو ثابت کرنے کے لیے قرائن کا سہارا لینے پر شریعت میں کوئی ممانعت یا اعتراض نہیں ہے۔"

یہ فقہِ حنفی کا بالکل طے شدہ اور حتمی مؤقف ہے، اور اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ فرانزک شواہد کا ہر وہ چھوٹا بڑا ٹکڑا، جسے بنگلہ دیش کی موجودہ سیکولر عدالتیں پہلے ہی قبولیت بخش چکی ہیں، وہ اسلامی قانون کے شورائی نظام کے تحت نہ صرف پوری طرح قابلِ قبول ہے، بلکہ درندوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے ایک واجب اور ٹھوس بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

دیگر مکاتبِ فکر کیا گراں قدر اضافہ کرتے ہیں؟

اسلامی فقہ کے دیگر تینوں بڑے مکاتبِ فکر اگرچہ ان بنیادی اصولوں پر کلی طور پر متفق ہیں، تاہم وہ اس فقہی خاکے کو مزید وسعت اور فکری گہرائی عطا کرتے ہیں:

فقہ مالکی:

فقہ مالکی جس کے عظیم بانی سیدنا امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کا دوٹوک مؤقف ہے کہ اجتماعی زیادتی بلاشبہ شریعت کے سنگین ترین جرائم میں شمار ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک، مظلوم کی اپنی گواہی جب طبعی شواہد (physical evidence) کے ساتھ مل جائے، تو وہ سزا کے یقینی نفاذ کے لیے بالکل کافی سمجھی جائے گی، بالخصوص تعزیر کے باب میں، کیونکہ

اس نوعیت کے شواہد حد قائم کرنے کے لیے درکار چار گواہوں کے کڑے معیار کے بجائے شرعی قرائن کے زمرے میں آتے ہیں، اور یوں وہ قاضی کی سخت صوابدیدی سزا کے لیے ایک نہایت مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں، مہر کے مالی معاوضے کے حوالے سے امام مالک ﷫ کی آواز سب سے زیادہ مضبوط ہے، جو اسے ہر حال میں مظلوم کا ایک قطعی اور حتمی حق قرار دیتے ہیں۔

فقہِ شافعی:

فقہ شافعی جس کی بنیاد سیدنا امام محمد بن ادریس الشافعی ﷫ نے رکھی، بڑی صراحت کے ساتھ یہ مؤقف اختیار کرتا ہے کہ زنا کی حد اس درندہ صفت زانی پر پوری قوت کے ساتھ لاگو ہوتی ہے، جبکہ جس مجبور عورت کے ساتھ یہ زبردستی کی گئی ہو، وہ شرعی و اخلاقی لحاظ سے مکمل طور پر بری الذمہ ہے۔ یاد رہے کہ شافعی مکتبِ فکر بھی حالات و واقعات سے ثابت شدہ قرائن کی بنیاد پر مجرم کو سخت ترین تعزیر کی سزا دینے کی کھلی اجازت فراہم کرتا ہے۔

فقہ حنبلی:

فقہ حنبلی جس کے مؤسس سیدنا امام احمد بن حنبل ﷫ ہیں، اجتماعی زیادتی کے مقدمات میں اس وقت براہِ راست 'حرابہ' کا کڑا حکم لاگو کرتا ہے، جب اس گھناؤنے فعل کے ساتھ مسلح زبردستی، اغوا، یا مظلوم اور اس کے خاندان کو ہراساں و خوفزدہ کرنے کے عناصر بھی شامل ہو جائیں۔ اسلامی قانونِ تعزیرات میں حرابہ کی انتہائی سخت اور عبرت ناک سزائیں مقرر ہیں، جیسا کہ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳۳ میں ربِ ذوالجلال نے خود بیان فرمایا ہے کہ سولی چڑھانا، قتل کر دینا، جلاوطن کرنا، یا مخالف سمتوں سے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنا۔ اگر ہم بیگم گنج کے دلخراش واقعے پر غور کریں، جہاں ایک جرائم پیشہ اور مسلح گروہ نے ایک نہتی خاتون کو دبوچ کر، منظم دہشت گردی کے سائے میں اس کی عصمت تار تار کی، تو حنبلی فقہ کی رو سے یہ سفاکانہ عمل سیدھا 'حرابہ' کے دائرے میں آتا ہے۔

غرض چاروں جلیل القدر مکاتبِ فکر اور تیرہ صدیوں پر محیط علمی و تحقیقی ورثے کے اس پار سے اُبھرنے والا پیغام بالکل متفقہ اور یکساں ہے: درندے کو ہر حال میں سزا دی جاتی ہے، مظلوم کو مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا ہے، اور یہ سزا نہایت متناسب، سو فیصد یقینی اور بلا تاخیر ہوتی ہے۔

نظریہ انسداد (Deterrence Doctrine): اسلامی انصاف ہی کیوں واحد حقیقی حل ہے؟

در حقیقت، یہ وہ مقام عبرت ہے جہاں اسلامی فقہ محض ایک کتابی نظریے کے دائرے سے نکل کر، ایک زندہ اور ٹھوس عملی نظام کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور ساتھ ہی ہمارے موجودہ فرسودہ قانونی ڈھانچے کے اس بحران کو حل کرنے میں پائی جانے والی ساختی نااہلی کو مکمل طور پر بے نقاب کر کے رکھ دیتی ہے۔

شریعتِ مطہرہ میں حدود کا تصور، جو کہ اسلامی قانون کی جانب سے حتمی طور پر مقرر کردہ سزائیں ہیں، بنیادی طور پر محض انتقام یا بدلہ لینے کے جذبے سے عبارت نہیں ہے۔ اس کا اصل اور بنیادی مقصد معاشرے میں انسداد یا جرائم کی جڑ سے روک تھام (یعنی 'ردع') ہے۔ امام کاسانی ﷫ نے اپنی عظیم اور بے مثال حنفی تصنیف 'بدائع الصنائع' میں اس فلسفے کی بڑی خوبصورت وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کسی مجرم کو سخت سزا دینے کا مقصد محض ایک مخصوص فرد کو اذیت سے دوچار کرنا نہیں ہے، بلکہ معاشرے کے ہر اس فرد کو، جس کے دل میں جرم کرنے کا کوئی ارادہ مچل رہا ہو، یہ بات پوری صراحت کے ساتھ سمجھا دینا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا میزانِ عدل حرکت میں آنے سے نہ تو کبھی ہچکچاتا ہے، نہ کسی قسم کی تاخیر کا شکار ہوتا ہے، اور نہ ہی وہ کسی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرتا ہے۔

اس فلسفے کی منطق بالکل سادہ اور دوٹوک ہے۔ گویا یہ اخلاقیات کے میدان میں لاگو ہونے والا ریاضی کا کوئی اٹل اصول ہو۔

آج کے بنگلہ دیش میں بیٹھا کوئی بھی درندہ اپنے ذہن میں ایک بڑا عقلی اور منطقی حساب لگاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے سزا پانے کا امکان ۴ فیصد سے بھی کم ہے۔ اگر وہ بالفرض گرفتار ہو بھی جائے، تو دو ہفتوں کے اندر اندر ضمانت مل جانے کے قوی امکانات موجود ہوتے ہیں۔ سیاسی پشت پناہی، گواہوں کو ڈرانا دھمکانا، یا پھر کسی چرب زبان وکیل کی خدمات حاصل کر لینا، یہ سب وہ ہتھکنڈے ہیں جو کسی بھی مقدمے کو ایک دہائی تک التوا کی کھائی میں دھکیل سکتے ہیں۔ اور اگر اتفاق سے اسے سزائے موت سنا بھی دی جائے، جیسا کہ سرکاری اعداد و شمار خود گواہ ہیں، تو شاید اسے عملی طور پر کبھی تختہ دار پر نہ لٹکایا جائے۔ ذرا سوچیے، بنگلہ دیش کی پوری ۵۴ سالہ تاریخ میں صرف ۱۹ وحشی درندوں کو پھانسی کے پھندے تک پہنچایا گیا ہے۔ یہ پورا عدالتی نظام اس کے مکمل حق میں کام کرتا ہے، اور وہ یہ تلخ حقیقت بخوبی جانتا ہے۔ بات سیدھی سی ہے، جب سزا ملنے کا یقین صفر کے قریب پہنچ جائے، تو جرائم کی شرح از خود اپنی انتہا کو چھونے لگتی ہے۔ یہ کوئی خیالی نظریہ نہیں ہے، بلکہ یہ تو سبب اور اثر کا بالکل سیدھا سا فطری اصول ہے۔

دوسری جانب، اسلامی قانون کا خاکہ اس مجرمانہ حساب کتاب کو یکسر الٹ کر رکھ دیتا ہے۔ جب ایک شخص اپنے دل کی گہرائیوں سے، اور پورے یقین کے ساتھ، یہ جانتا ہو کہ محض اس کا اعترافِ جرم ہی حد کو نافذ کر دے گا، کہ مظلوم کے مہیا کردہ فرانزک شواہد اور میڈیکل رپورٹ مل کر ایسے ٹھوس قرائن تشکیل دیتے ہیں جو اسے سخت ترین تعزیر کا نشانہ بنانے کے لیے بالکل کافی ہیں، اور یہ کہ قاضی شرعی و مذہبی طور پر فوری کارروائی کرنے کا پابند ہے، تو یقین جانیے، جرم کے ارتکاب سے بہت پہلے ہی اس کا سارا حساب کتاب الٹ جاتا ہے۔ اسلامی عدالتوں میں فائدہ اٹھانے کے لیے کسی قانونی سقم کی گنجائش نہیں ہوتی۔

وہاں مقدمے کو لٹکانے کے لیے التوا کی کوئی درخواست دائر نہیں کی جاسکتی۔ اور روئے زمین پر ایسا کوئی سیاسی رسوخ موجود نہیں ہوتا، جو اسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اٹل فیصلے سے بچا سکے۔

تاہم، اس مقام پر ایک انتہائی باریک وضاحت پیش کرنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ اسلامی نظامِ عدل، بیک وقت انصاف اور دیانت دونوں کے مضبوط ستونوں پر استوار ہے۔ جہاں کہیں کسی الزام میں مضبوط قرائن کی کمی واقع ہو، یعنی جہاں شواہد کمزور، متنازعہ یا سرے سے غائب ہوں، وہاں ملزم کو "شک کا فائدہ" بدستور حاصل رہتا ہے۔ دراصل یہ اسلامی قانون میں شامل ایک بنیادی اور کلیدی تحفظ ہے، جسے خاص طور پر جھوٹے الزامات کی وبا سے نمٹنے کے لیے رکھا گیا ہے، کیونکہ بہتان تراشی کسی بھی معاشرے کے لیے ایک حقیقی اور انتہائی سنگین تشویش کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ، ایسے مشتبہ مقدمات میں، ملزم کو اس کی بنیادی بے گناہی کے مفروضے کے تحت ضمانت مل سکتی ہے۔ لیکن، جہاں کہیں ٹھوس اور مضبوط قرائن پوری طرح موجود ہوں، یعنی جہاں جائے وقوعہ کے فرانزک شواہد، میڈیکل رپورٹس، اعترافِ جرم، اور جسم پر پائے جانے والے تشدد کے نشانات آپس میں مل کر ناقابلِ تردید شواہد کی ایک مربوط تصویر پیش کر رہے ہوں، تو وہاں کسی بھی ملزم کو یہ چھوٹ نہیں دی جاسکتی کہ وہ ضمانت پر آزاد دندناتا پھرے، گواہوں کو ڈرائے دھمکائے، قانون کی گرفت سے فرار ہونے کی راہ تلاش کرے، یا کسی خستہ حال نظام کے صبر کا مزید امتحان لے۔ ایسے واضح مقدمات میں، شواہد کا بھاری وزن بذاتِ خود، باقاعدہ ٹرائل سے قبل کسی بھی قسم کی رہائی کو شرعاً ناقابلِ جواز بنا دیتا ہے۔ اسلامی فقہ کا خاکہ نہ تو شواہد کو نظر انداز کر کے ملزمان کو خود بخود ضمانتیں بانٹتا پھرتا ہے، اور نہ ہی شواہد کی مکمل عدم موجودگی کے باوجود ہٹ دھرمی سے ضمانت دینے سے انکار کرتا ہے۔ یہ تو دراصل حراست اور سزا کو، عدالت کے روبرو موجود قرائن کے اصل وزن کے عین مطابق پوری دیانتداری سے متوازن کرتا ہے، اور صد افسوس کہ یہی وہ بنیادی کام ہے جسے انجام دینے سے بنگلہ دیش کا مروجہ نظام مکمل طور پر انکاری ہے۔

سلطنتِ عثمانیہ کے دورِ زریں میں، حنفی قانون کو سب سے بہترین اور مرتب انداز میں مدون کرنے والے جلیل القدر فقیہ، علامہ ابن عابدین ؒ، اپنی شہرہ آفاق تصنیف 'رد المحتار' میں لکھتے ہیں کہ سنگین جنسی تشدد کے لرزہ خیز مقدمات میں 'تعزیر' کا نفاذ محض کوئی اختیاری امر نہیں ہے، بلکہ یہ تو سلطنت کی گردن پر واجب الادا ایک شرعی فریضہ ہے۔ وہ بڑی مضبوط دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انصاف کے مسند پر بیٹھا وہ امام یا حکمران، جو شواہد کے بالکل واضح ہونے کے باوجود کسی 'محارب' (یعنی حد سے گزر جانے والے مجرم) کو قرار واقعی سزا دینے میں ناکام رہتا ہے، درحقیقت وہ روزِ قیامت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور اس مجرمانہ ناکامی کے گناہ کا بھاری بوجھ اٹھائے گا۔ یاد رکھیے! یہ کوئی ایسا سست رو فلسفہ نہیں ہے جو مقدمات میں ۱۰ سالہ طویل التوا پیدا کرے، بلکہ یہ تو وہ بیدار مغز فلسفہ ہے جو انصاف کی فراہمی میں ہونے والی تاخیر کو، بذاتِ خود ایک ناقابلِ معافی جرم قرار دے دیتا ہے۔

کلاسیکی دور کے بعد پیدا ہونے والے انتہائی مستند اور صاحبِ بصیرت حنفی فقہاء میں سے ایک عظیم نام، علامہ ابن نجیم ؒ (وفات ۹۷۰ھ / ۱۵۶۳ء)، اپنی مایہ ناز کتاب 'البحر الرائق' میں اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ سلطانِ وقت اور اس کے مقرر کردہ نائبین پر شرعاً یہ امر واجب ہے کہ جب سزاؤں کے نفاذ کی تمام شرائط ثابت ہو جائیں، تو وہ ان کے عملی نفاذ میں ہرگز کوئی تاخیر نہ کریں، کیونکہ انصاف کی فراہمی میں تاخیر کرنا بذاتِ خود ظلم کی ہی ایک بدترین شکل ہے۔

یہ حوالہ 'البحر الرائق شرح کنز الدقائق' میں ملتا ہے، جو ایک ایسی حنفی فقہی شرح ہے جسے جنوبی ایشیا اور عرب دنیا میں وسیع پیمانے پر استعمال کیا جاتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ کے اصولوں کے تحت کام کرنے والا کوئی بھی فرض شناس قاضی، کسی حساس مقدمے کو ۱۳۷۰ دنوں کی طویل اور صبر آزما مدت کے لیے التوا میں لٹکا کر نہیں رکھتا۔ وہ کبھی اس بے ضابطگی کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک ہی مقدمے کی حساس فائل، چھ مختلف تفتیشی افسران کے ہاتھوں کی دھول بن کر اپنا سارا تسلسل ہی کھو بیٹھے۔ اور نہ ہی وہ اجتماعی زیادتی کے سنگین ٹرائل کو محض دو سال تک منجمد رکھنے کی خاطر، ہائی کورٹ سے لائے گئے کسی کاغذی حکمِ امتناعی کو بطور عذر یا جواز قبول کرتا ہے۔

اسلامی تصورِ انسداد (Deterrence) کس طرح معاشرے کی از سرِ نو تشکیل کرتا ہے؟

اسلامی ماڈل کے حق میں پیش کی جانے والی سب سے طاقتور دلیل یہ نہیں ہے کہ وہ ایک سزا یافتہ مجرم کے ساتھ کتنا کڑا سلوک روا رکھتا ہے۔ بلکہ اس کی اصل کامیابی تو یہ ہے کہ وہ معاشرے کے ہر اس شخص کی نفسیات کے ساتھ کیا کرتا ہے جسے کبھی کوئی سزا ملی ہی نہیں، محض اس لیے کہ اس کڑے نظام کے خوف نے اسے کبھی وہ جرم کرنے ہی نہیں دیا۔

اسلامی قانونِ تعزیرات میں انسداد (یعنی جرائم کی جڑ سے روک تھام) بیک وقت تین مختلف سطحوں پر اپنا گہرا اثر دکھاتا ہے: انفرادی سطح، اجتماعی (کمیونٹی) سطح، اور پورے معاشرے کی سطح پر اس کا بیدار اخلاقی ضمیر، اور سچ پوچھیے تو یہ وہ سہ جہتی اور تہہ در تہہ مرتب ہونے والا حیرت انگیز اثر ہے، جسے مغرب کا مسلط کردہ نوآبادیاتی قانونی ڈھانچہ لاکھ چاہنے کے باوجود کبھی نقل نہیں کر سکا۔

سب سے پہلے انفرادی سطح پر غور کیجیے۔ اسلامی سزا کا حتمی یقین اور اس کی ناقابلِ سمجھوتہ سختی، ہر ممکنہ مجرم کے ذہن میں موجود خطرے کے حساب کتاب کو یکسر بدل کر رکھ دیتی ہے۔ جب کوئی شخص یہ جانتا ہو کہ اجتماعی زیادتی، جو مجرم کے اعتراف، شرعی گواہی، یا پھر جدید فرانزک شواہد پر مبنی قرائن سے ثابت ہو چکا ہو، اس کی سزا کوئی دور دراز کا موہوم نظریاتی امکان نہیں، بلکہ ایک بالکل یقینی، فوری اور اعلانیہ حقیقت ہے، تو اس کے مجرمانہ رویے کا سارا نفع و نقصان کا شیطانی تجزیہ لمحوں میں زمین بوس ہو جاتا ہے۔ حیرت انگیز بات

یہ ہے کہ اس نظام کو اپنا اثر دکھانے کے لیے، اس شخص کا انتہائی متقی یا مذہبی ہونا قطعی ضروری نہیں ہے۔ اس کے لیے محض اس کا ایک عقلمند اور منطقی انسان ہونا ہی کافی ہے۔ آج بنگلہ دیش کی گلیوں میں دندناتا درندہ سزا پانے کے ۴ فیصد سے بھی کم امکان پر بے خوف ہو کر جوا کھیلتا ہے۔ اس کے بالکل برعکس، ایک فعال اور بیدار اسلامی نظامِ انصاف میں اس کا ہم منصب، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرر کردہ قاضی کے ذریعے نافذ ہونے والے قانونِ الٰہی کی یقینی اور فولادی گرفت کے خلاف جوا کھیلتا ہے۔ اور ظاہر ہے، یہ دونوں جوئے آپس میں کسی بھی طرح برابر نہیں ہو سکتے۔

دوسرا پہلو اجتماعی (یا کمیونٹی) سطح کا ہے۔ یاد رکھیے، سرِعام عبرت ناک سزا کا نفاذ یعنی ”عقوبہ علنیہ“، جیسا کہ روایتی فقہ حنفی اور وسیع تر اسلامی شریعت میں کھول کر بیان کیا گیا ہے، محض کوئی اندھا ظلم یا خونی بربریت نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ ایک انتہائی گہرا معاشرتی پیغام ہے۔ جب کوئی معاشرہ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھتا ہے کہ سلطنت اجتماعی زیادتی جیسے سنگین جرم کو محض دفتری فائلوں یا قانونی ضابطے کا ایسا عام سا مسئلہ نہیں سمجھتی، جسے پندرہ پندرہ سال کے ظالمانہ التوا کی بھینٹ چڑھا دیا جائے، بلکہ وہ اسے انسانی تکریم و حرمت کی ایک ایسی سنگین اور ناقابلِ برداشت پامالی گردانتی ہے، جو کسی بھی قسم کی تاخیر کے بغیر ایک فوری اور دوٹوک حکومتی ردعمل کا تقاضا کرتی ہے، تو اس وقت اس پوری کمیونٹی کی اخلاقی آب و ہوا ہی بدل جایا کرتی ہے۔ اجتماعی زیادتی کو پھر کبھی معمول کا واقعہ نہیں سمجھا جاتا۔ اسے چند بااثر شخصیات کے دباؤ میں آکر مقامی پنچایت (سالش) کے پردے میں خاموشی سے دبا دینے کی جرأت نہیں کی جاتی۔ یہ کوئی ایسی معمولی چیز نہیں رہتی جس سے سیاسی اثر ورسوخ رکھنے والا کوئی وڈیرا با آسانی دامن بچا کر نکل جائے۔ یہ سرِعام دی جانے والی سزا دراصل ہر عینی شاہد، ہر پڑوسی، ہر دردِ دل رکھنے والے باپ اور گلی کے ہر ممکنہ مجرم کے کانوں میں یہ گرج دار پیغام دیتی ہے: یہ معاشرہ اس درندگی کو ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کرتا، اور یاد رکھو! اس کے ہولناک نتائج بالکل حقیقی اور یقینی ہیں۔

بدقسمتی سے، آج کے بنگلہ دیش میں بالکل اسی بنیادی چیز کی شدید کمی ہے۔ قانون سے استثنیٰ اور بے لگام مجرموں کے اس عفریت نما کلچر نے، جو باقاعدہ دستاویزی، منظم اور گہری سیاسی نوعیت کا حامل ہے، گزشتہ کئی دہائیوں سے معاشرے کی رگوں میں اس کے بالکل الٹ پیغام اتارا ہے کہ اجتماعی زیادتی بالخصوص غریبوں، لاچاروں اور سیاسی رسوخ نہ رکھنے والے طبقے کے خلاف کیا جائے، تو اس کا کوئی معنی خیز اور خطرناک نتیجہ نہیں نکلتا۔ رپورٹ ہونے والے اندوہناک مقدمات میں سال بہ سال ہونے والا یہ ہوش ربا اضافہ، محض قانون نافذ کرنے والے اداروں کی روایتی ناکامی نہیں ہے۔ درحقیقت، یہ دہائیوں سے حکومت کی طرف سے دیے جانے والے اسی مجرمانہ استثنیٰ کے پیغام کا کڑوا معاشرتی پھل ہے۔ معاشرے نے اپنے تلخ مشاہدات کے ذریعے یہی سبق سیکھا ہے کہ اس گھناؤنے جرم کے مرتکب درندے بڑی آسانی سے قانون کی گرفت سے بچ نکلتے ہیں۔ اس کے برعکس، اسلامی قانون انہیں بالکل الٹ اور سبق آموز پیغام سکھاتا ہے، جو مستقل بنیادوں پر استوار ہے، ساختی طور پر اٹل ہے، اور کسی بھی قسم کے استثنیٰ یا رعایت سے یکسر پاک ہے۔

تیسرا اور سب سے لطیف پہلو، اجتماعی اخلاقی ضمیر کی سطح کا ہے۔ اس دائرے میں اسلام ایک ایسا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیتا ہے جس کی ادنیٰ سی نقل بھی دنیا کا کوئی جدید سیکولر قانونی نظام نہیں کر سکتا: یہ دراصل جرم پکڑے جانے کے مادی خوف کو، براہِ راست اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے خوف (یعنی تقویٰ) کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ گناہ اور سرکشی کا اسلامی تصور محض کوئی قانونی یا کاغذی شے نہیں ہے، بلکہ اس کی جڑیں گہری روحانیت میں پیوست ہیں۔ ایک شخص جو شاید دنیا کے خستہ حال عدالتی نظام سے بچ نکلنے کا ہزار ہا اندازہ لگا لے، وہ اس محکم اور لرزہ خیز علم کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ رات کے گھپ اندھیروں میں کیے گئے اس کے ہر ایک عمل کو دیکھ رہا ہے۔ وہ تقویٰ، یعنی اللہ عزوجل کا ہمہ وقت خوف اور اس کی حضوری کا احساس، جسے ایک سچا اسلامی معاشرہ اپنی عبادات، اجتماعیت، اور الٰہی احتساب کے مسلسل استحضار کے ذریعے پروان چڑھاتا ہے، انسان کے دل میں درحقیقت ایک ایسی مضبوط اور ناقابلِ تسخیر اندرونی رکاوٹ کھڑی کر دیتا ہے جسے دنیا کی کوئی جدید پولیس فورس، کوئی ہائی پروفائل ٹربیونل، اور کوئی نام نہاد قانونی اصلاحات ہرگز تیار نہیں کر سکتیں۔

رمیسا کا لرزہ خیز مقدمہ اس کے بالکل برعکس پائی جانے والی ہماری ملکی صورتحال کو، انتہائی ہولناک صراحت کے ساتھ بے نقاب کر دیتا ہے۔ جب سہیل رانا جیسے درندے کو محض ۱۹ دنوں کے اندر سزائے موت سنائی گئی، تو خوشی کے مارے پوری قوم نے جشن منایا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ نادانستگی میں جس شے کا اس قدر والہانہ جشن منا رہے تھے، وہ دراصل اسی بات کی ایک عارضی اور سرسری سی جھلک تھی، کہ ایک خالص اسلامی انصاف مستقل بنیادوں پر کیسا نظر آیا کرتا ہے۔ مظلوموں کو انصاف کے حصول کے لیے کسی سیاسی دباؤ کے بننے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے پاس تو ایک ایسا فولادی نظامِ عدل ہونا چاہیے جو اس فوری انصاف کو اپنے روزمرہ کے معمول اور معیار کے طور پر فراہم کرے، نہ کہ صدی میں ہونے والے کسی نایاب اور غیر معمولی استثنیٰ کے طور پر۔ اور سچ پوچھیے تو وہ ۱۹ دن کا طوفانی ٹرائل بھی ہنوز انصاف کی مکمل فراہمی پر ختم نہیں ہوا، وہ دونوں درندے آج بھی زندہ ہیں، ان کی سزائیں ایک نامعلوم اور غیر معینہ مدت کے لیے اپیل کے پیچیدہ عمل میں معطل پڑی ہیں، اور وہ بڑے آرام سے ہائی کورٹ اور پھر سپریم کورٹ کی نظرِ ثانی کے منتظر ہیں۔ یاد رہے، بنگلہ دیش نے اپنی طویل ۵۴ سالہ تاریخ میں صرف ۱۹ درندوں کو ہی پھانسی دی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ سہیل رانا کبھی تختہ دار پر لٹکے گا بھی یا نہیں!

الٰہی اور شرعی فریضے کے گہرے احساس کے تحت کام کرنے والے کسی عادل قاضی کو، حرکت میں آنے کے لیے کبھی کسی وزیرِ اعظم کے پریس اعلان کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسے متحرک اور بیدار ہونے کے لیے کسی قوم کے سڑکوں پر نکلنے یا ان کے بے قابو غم وغصے کی حاجت نہیں ہوتی۔ اسے فیصلہ سنانے کے لیے صرف اور صرف ٹھوس شواہد کی ضرورت

ہوتی ہے، اور اپنے دل میں اس بات کے استحضار کی، کہ اللہ رب العزت اسے انصاف میں ہونے والی تاخیر کے ایک ایک دن پر کڑی جوابدہی کے کٹہرے میں کھڑا کرے گا۔

جب کوئی بھی معاشرہ اپنی ہڈیوں کے گودے تک اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ اس ملک کا نظامِ عدل واقعی کام کرتا ہے، اور وہ بھی کبھی کبھار نہیں، کسی کے سیاسی دباؤ کے ماتحت نہیں، قومی سطح پر پھیلنے والے غم وغصے کے چند استثنائی مقدمات میں نہیں، بلکہ ہمیشہ، بلا تفریق سب کے لیے، اور ہر قسم کی سیاسی وابستگی و دباؤ سے مکمل طور پر بالاتر ہو کر، تو اس معاشرے میں محض اجتماعی زیادتی کے اکا دکا واقعات ہی میں کمی نہیں آتی، بلکہ اس قوم کا مجموعی اخلاقی کردار اور اس کا باطن ہی بدل جایا کرتا ہے۔ یہ نظام پھر ایسے باشعور اور ذمہ دار مرد پیدا کرتا ہے جو اجتماعی زیادتی کو کوئی ایسا آپشن ہی تسلیم نہیں کرتے، جس کا ارتکاب کر کے وہ کبھی بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ یہ ایسی روشن خیال اور ہمدرد کمیونٹیز کو جنم دیتا ہے جہاں مظلوم خاتون کو طعنے دے کر اور شرمندہ کر کے اسے ہمیشہ کے لیے خاموش نہیں کرایا جاتا، بلکہ حصولِ انصاف کی کٹھن راہ میں اس کا ہاتھ تھام کر اس کی بھرپور مدد کی جاتی ہے۔ یہ دراصل ایک ایسی بیدار حکومت کی بنیاد رکھتا ہے جس کے اعلیٰ افسران یہ بخوبی سمجھتے ہیں کہ خواتین کا تحفظ ان کی طرف سے کیا گیا کوئی سیاسی احسان ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ تو روزِ قیامت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور پوچھے جانے والا ایک عظیم فرض ہے۔

بس یہی وہ روحِ عدل ہے، جس کی آج بنگلہ دیش میں سب سے زیادہ کمی ہے۔ مسئلہ محض چند کاغذی اور بہتر قوانین بنا لینے کا نہیں ہے م بلکہ درحقیقت، ایک مستحکم اور بہتر بنیاد کی فراہمی کا ہے۔

بنگلہ دیش ایک دوراہے پر

بنگلہ دیش آج ایک ہولناک اور دستاویزی بحران کے دہانے پر کھڑا ہے۔ ذرا ان اعداد و شمار پر غور کیجیے: صرف ۲۰۲۵ء میں اجتماعی زیادتی کے ۷،۰۶۸ مقدمات درج کیے گئے۔ رپورٹ ہونے والے شرمناک واقعات میں سال بہ سال ۵۲ فیصد کا ہوش ربا اضافہ دیکھا گیا۔ معصوم بچوں کو درندگی کا نشانہ بنائے جانے کے واقعات میں ۴۸ فیصد اضافہ ہوا۔ مجرموں کو قرار واقعی سزا ملنے کی شرح اتنی پست ہے کہ وہ ۴ فیصد تک بھی نہیں پہنچ پاتی۔ گزشتہ ۵۴ سالوں کی طویل تاریخ میں اجتماعی زیادتی کے جرم پر محض ۱۹ درندوں کو پھانسی دی گئی۔ بے شمار مقدمات ایسے ہیں جو ایک دہائی تک عدالتوں کے چکر کاٹتے ہیں اور پھر بھی کوئی فیصلہ سامنے نہیں آتا۔ پلبی کے علاقے میں ایک آٹھ سالہ معصوم بچی کا بے دردی سے سر قلم کر دیا گیا، اور اندیشہ ہے کہ اس کے سفاک قاتل شاید ایک پوری نسل گزر جانے کے بعد بھی تختہ دار تک نہ پہنچ سکیں۔ سلہٹ کی وہ مظلوم خاتون، جس کی کالج کیمپس میں برسرِ اقتدار جماعت کے غنڈوں نے عصمت دری کی اور خود حکومت نے مسلسل پانچ سال تک ان مجرموں کی کھلی پشت پناہی کی۔ نوا کھالی کی وہ بے بس گھریلو خاتون، جس کے جسم پر ٹوٹنے والے درندوں نے اس کی دردناک اذیت کو کیمرے کی آنکھ میں ریکارڈ کیا اور فیس بک پر باقاعدہ براہِ راست (لائیو) نشر کیا، اور المیہ دیکھیے کہ جسے آج بھی حکومت کی طرف سے کوئی بامعنی تحفظ حاصل نہیں ہو سکا۔

لہٰذا، یہ بحث اب محض فروعی نہیں، بلکہ بنیادی ڈھانچے کی بقا کی بحث ہے۔ ضرورت ایک ایسے نظامِ عدل اور خاکے کی ہے، جو اس تعزیر پر استوار ہو جو حکومت پر لازمی ہے، نہ کہ محض اختیاری۔ جو ان قرائن پر کھڑا ہو، جو امام کاسانی، امام سرخسی، اور علامہ ابن نجیم رحمہم اللہ کی دی گئی براہِ راست حنفی سند کے ذریعے موجودہ دور کے جدید فرانزک شواہد کو مکمل طور پر شرعی و قانونی جواز بخشتے ہیں۔ جو قاضی کے اس مذہبی فریضے سے مزین ہو، جو اسے بغیر کسی التوا یا تاخیر کے فوری کارروائی کا پابند بناتا ہے، جو مہر کے اس مالی معاوضے کی ضمانت دیتا ہو، جو حد قائم نہ ہو سکنے کی صورت میں، تعزیر کی سخت سزا کے ساتھ ساتھ مظلومہ کو دنیاوی و مادی انصاف بھی فراہم کرتا ہے۔ جو شرعی حدود کی ان عبرت ناک سزاؤں پر مبنی ہو، جن کا حتمی یقین معاشرے میں جرائم کا ایک حقیقی انسداد پیدا کرتا ہے۔ اور جو دلوں میں جاگزیں اس تقویٰ پر استوار ہو، جو اندرونِ ذات سے اٹھ کر معاشرے کے پورے اخلاقی ڈھانچے کی از سرِ نو تشکیل کرتا ہے۔ یقین جانیے، اسلامی قانون کا یہ خاکہ محض کھوکھلی اصلاحات کا لفظی وعدہ نہیں کرتا، بلکہ یہ تو انسان کی ترغیب، اس کے فریضے، بیدار ضمیر اور حتمی انجام کی سطح پر، ایک ہمہ گیر اور ساختی تبدیلی کی ٹھوس ضمانت فراہم کرتا ہے۔

یاد رہے کہ بنگلہ دیش ۹۰ فیصد مسلم آبادی پر مشتمل ایک عظیم ملک ہے۔ اس کا اپنا تابناک فقہی ورثہ، یعنی فقہِ حنفی، جس پر برصغیر پاک و ہند کے طول و عرض میں مسلسل آٹھ صدیوں تک پوری شان و شوکت سے عمل ہوتا رہا، وہ پہلے ہی اپنے دامن میں ان تمام سلگتے سوالوں کے شافی و کافی جوابات سموئے ہوئے ہے، جن کی تلاش میں آج اس دھرتی کی بیٹیاں اپنی عصمتیں اور جانیں گنوا رہی ہیں۔ ہمیں ہر صورت اپنے اس شکستہ ترازو کو ٹھیک کرنا ہوگا۔ اور خوشخبری یہ ہے کہ اس کا بے عیب خاکہ ہمارے پاس پہلے سے موجود ہے۔ یہ خاکہ ان استعماری آقاؤں سے ورثے میں ملنے والے ان بوسیدہ نو آبادیاتی قوانین کی کتابوں میں ہرگز نہیں لکھا، جنھوں نے کبھی ہماری بیٹیوں کے نام تک جاننے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ بلکہ یہ تو ہماری اس شاندار اور روشن روایت کے اوراق میں سنہری حروف سے لکھا ہے، جو روزِ اول سے یہ جانتی اور سکھاتی ہے کہ کسی بھی ظلم کے پرانے ہو جانے یا اس کی میعادِ سماعت کی کوئی حد مقرر نہیں ہوتی، اس کی پکڑ سے بچ نکلنے کا کوئی چور دفتری راستہ نہیں ہوتا، اس میں ملزم کی ضمانت کی کوئی من پسند ساعت نہیں ہوتی، اور ظالم مجرم اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کڑے انصاف کے درمیان رکاوٹ بننے والی دنیا کی کوئی اپیل کورٹ حائل نہیں ہو سکتی۔

☆☆☆☆☆

غزوۂ ہند کی فکری بنیادیں

تاریخ کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان شہید مجاہدینِ پاکستان و برِّ صغیر کے درمیان کسی تعارف کے محتاج نہیں اور ان کے یہاں ڈاکٹر ابو خالد کے نام سے معروف ہیں۔ پیش تر ان کی کتاب 'عصرِ حاضر کے جہاد کی فکری بنیادیں' زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو کر عام و خاص قارئین تک آج سے گیارہ سال قبل پہنچ چکی ہے۔ ڈاکٹر ابو خالد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری کتاب 'غزوۂ ہند کی فکری بنیادیں تاریخ کے آئینے میں'، مؤلف شہید نے مارچ ۲۰۱۲ء میں مکمل کی، لیکن مختلف النوع وجوہات کی بنا پر اب تک شائع نہ ہو سکی۔ اس کتاب میں موجود حقائق اور اعداد و شمار کو ویسا ہی رکھا گیا ہے جیسا کہ بوقتِ تالیف مؤلف شہید نے تحریر کیا تھا۔

'نوائے غزوۂ ہند' ڈاکٹر ابو خالد شہید کی اس کتاب کو قارئین کی سہولت اور تدوین و ادارت میں آسانی کی خاطر، قسط وار مجلّے میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ (ادارہ)

باب چہارم: ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ (۳)

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام

مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت تو شہاب الدین غوری ہی کے زمانے سے شروع ہوتی ہے مگر اسلام کی آمد اس سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ جنوبی ہند جہاں پر مسلمان تاجر بحری راستے سے پہنچ چکے تھے، ان کی تبلیغ سے بہت سے مقامی لوگ مسلمان ہو چکے تھے، محمد بن قاسم کے حملے سے سندھ میں مسلمانون کی آبادیاں اور شہر آباد ہو چکے تھے، شمالی ہند میں مسلمانوں کا داخلہ محمود غزنوی کے حملوں سے شروع ہو چکا تھا۔ محمود غزنوی کے زمانے میں لاہور غزنی کا باقاعدہ صوبہ تھا۔ شہاب الدین غوری کے بعد قطب الدین ایبک کے زمانے میں باقاعدہ حکومت قائم ہوئی، یہ حکومت ۱۸۵۷ء تک قائم رہی۔ اس آٹھ سو سال کے دور میں ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے دنیا کی ایک منظم ترقی یافتہ اور دنیا کی سب سے بڑی معاشی طاقت بن گیا۔ ہماری کوشش ہے کہ ہم یہاں پر ہندوستان کے اس نظام، اس کے اصولوں اور اثرات کا ایک مختصر جائزہ پیش کریں۔ اس جائزے کو ہم پانچ مضامین میں درج کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱. مسلمانوں کے دور کا ہندوستانی معاشرہ
۲. ہندوستان میں مسلمانوں کا حکومتی نظام
۳. ہندوستان میں مسلمانوں کا عدالتی نظام
۴. ہندوستان میں مسلمانوں کا انتظامی نظام
۵. ہندوستان میں مسلمانوں کا معاشی نظام

۱. مسلمانوں کے دور کا ہندوستانی معاشرہ

مسلمان جب ہندوستان میں آئے تو اس وقت یہاں صدیوں سے جو نظام چل رہا تھا وہ یہ تھا کہ انسان کی مکتی یا نجات اس بنیاد پر ہے کہ انسان کی آتما برہمن کی ذات میں ضم ہو جائے۔ اس کام کے لیے اسے دنیا میں نیکیاں کرنا ہوں گی۔ ورنہ اسے بار بار دنیا میں عذاب جھیلنے کے لیے واپس پیدا ہونا ہو گا۔ اس عقیدے نے برہمن کو خدا کا درجہ دے دیا۔ اب پورا معاشرہ اس بنیاد پر تشکیل دیا گیا کہ اس معاشرے کا ہر فرد برہمن کی خدمت کے لیے مخصوص تھا۔ کھتری برہمن کی حفاظت پر مامور تھے تو ویش اس کی سماجی خدمت کے لیے اور شودر تو ویسے ہی غلام تھے۔ اس نظام نے انسانوں کی اکثریت کو انسان ہی کے درجے سے گرا دیا تھا۔ اسی بنیاد پر ہندو دھرم کا نظام وجود میں آیا۔ جس میں برہمن کو تمام مراعات حاصل تھیں۔ اسی کے لیے معاشرے کے تمام اجزاء حرکت میں آتے تھے۔ اسی نظریے تحت ہندو قانون وجود میں آیا۔ جس میں برہمن ہر جرم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ جب کے باقی ذاتوں کے لیے معمولی سے جرم کی بھی بڑی سزا تھی اور اگر یہ جرم برہمن کے خلاف کر دیا جاتا تو پھر تو سزا کی کوئی انتہا نہ تھی۔ عورت کا کوئی مقام نہ تھا، وہ اپنے خاوند کی غلام تھی اگر اس کا خاوند مر جاتا تو اس کے لیے اس اپنے خاوند کی چتا کے ساتھ جل کر مر نا زندہ رہنے سے بہتر تھا کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ زندہ رہ کر اس کی حالت ایک جانور سے بھی کمتر ہو گی۔

جب مسلمان ہندوستان میں آئے تو یہی معاشرہ ان کے سامنے موجود تھا۔ ہندو معاشرے کے لیے مسلمانوں میں توحید کا عقیدہ، رسالت اور علم وحی کا مساوات کا اصول، اللہ کی بغیر کسی واسطے کے عبادت کرنا، بت پرستی نہ کرنا، عورت کو برابری کا درجہ دینا، اس کو وراثت میں حصہ دار بنانا، یہ سب کچھ نیا تھا۔ مسلمانوں کی اخلاقی تعلیمات ہندو مذہب کی تعلیمات سے مختلف اور بہتر تھیں۔ ہندوؤں کے مکتی کے پیچیدہ عقیدے کے مقابلے میں مسلمانوں کا آخرت کا عقیدہ مکمل اور صحیح تھا۔ ان تمام عقائد نے ہندوستان کے معاشرے پر اپنے اثرات مرتب کیے۔

مسلمان سب سے پہلے چونکہ جنوبی ہند میں تاجر کی حیثیت سے آئے تھے، اس لیے یہاں پر دعوت و تبلیغ کی، اس لیے سب سے پہلے جنوبی ہند میں مسلمانوں کی بستیاں بننا شروع ہوئیں۔ ان مسلمان بستیوں کی وجہ سے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ جنوبی ہند کے راجاؤں نے بھی اس نئے مذہب کو پسند کیا اور اس سے متاثر ہوئے۔ سندھ میں اسلام کی دعوت محمد بن قاسم کے حملے کے بعد پہنچی۔ اس حملے کے دوران بھی بہت سے ہندو مسلمان ہوئے۔ ان میں سے بہت سے بغداد گئے جہاں انہوں نے حدیث اور تفسیر کا علم حاصل کیا۔ ان کا نام آج بھی امت کے بڑے علماء کی فہرست میں شامل ہوتا ہے۔ سندھ میں مسلمانوں کے مختلف شہر آباد ہونا شروع ہو گئے جن میں ملتان، منصورہ وغیرہ مشہور ہیں۔ مغربی اور شمالی ہند میں اسلام محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے حملوں کے نتیجے میں پہنچا۔ اس طرح ان علاقوں میں مسلمانوں کی آبادیاں قائم ہونا شروع ہو گئیں۔ پوٹھوہار میں موجود گکھڑ قوم شہاب الدین

غوری کے زمانے میں مسلمان ہوئی۔ کشمیر اور لاہور سیالکوٹ میں بھی لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔

سلاطین دہلی کے زمانے میں امت مسلمہ پر تاتاریوں کے حملے شروع ہو چکے تھے۔ اس دور میں اگر کوئی ممالک محفوظ تھے تو وہ مصر اور ہندوستان تھے۔ اس لیے اس دور میں بہت سے علماء اور صوفیاء اپنے علاقوں سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے۔ یہاں سے ہندوستان میں دعوت اور تبلیغ کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ صوفیاء میں چار بڑے طریقے مقبول تھے یعنی چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ۔ شروع شروع میں جو سلسلے زیادہ ہندوستان میں آئے وہ چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ ہیں۔ چشتیہ میں حضرت معین الدین اجمیری، نظام الدین اولیاء، بابا فرید اور خواجہ بختیار کاکی شامل ہیں، قادریہ زیادہ تر سندھ اور ملتان میں تھے ان میں شاہ عبداللطیف بھٹائی، بلھے شاہ وغیرہ شامل تھے۔ سہروردی سلسلہ ملتان کے بہاؤالدین زکریا کی وجہ سے مشہور ہوا۔ ان صوفیہ کی آمد سے ہندوستان میں ایک انقلابی رفتار سے دعوت کا کام شروع ہو گیا۔ صوفیاء کا طریقہ یہ تھا کہ انہوں نے معاشرے میں کام کو انسانیت کی فلاح کی بنیاد پر شروع کیا۔ ان کے نقطہ نظر یہ تھا کہ صوفیاء کو تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے کام کرنا چاہیے۔ اس لیے ان کے دروازے ہر ہندو اور مسلمان کے لیے کھلے تھے۔ صوفیاء کی کامیابی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے صرف دعوت ہی کا کام نہیں کیا بلکہ لوگوں کے مسائل کے ساتھ بھی دلچسپی رکھی، صدقہ خیرات اور لنگر کا سلسلہ جاری کیا جس کی وجہ سے عام خلق خدا کو بہت فائدہ پہنچا۔ اس لنگر میں ہندو مسلم کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ پھر ان صوفیاء نے اپنے اثر رسوخ کو بادشاہوں سے خلق خدا کے کاموں میں استعمال کر کے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ ان تمام باتوں سے صوفیاء کے تمام سلسلوں کو ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی اور اسلام کی دعوت ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئی۔

صوفیاء کی اس دعوت کے جہاں بہت سے فوائد ہوئے وہاں ہی بہت سے شرعی مسائل بھی پیدا ہونے لگے۔ ان میں چند ایک کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔ ایک تو صوفیاء کے ہر سلسلے کی اصطلاحات اور ان کی شرح شریعت کی مقبول اصطلاحات سے مختلف تھیں اور اگر ملتی بھی تھیں تو ان کی تشریح مختلف کی جانے لگی۔ ان میں سلوک، احسان، اخلاص وغیرہ شامل ہیں۔ کچھ صوفیاء کے سلسلوں نے ایسے طریقے نکال لیے جو کہ واضح طور پر شریعت کے خلاف تھے جن میں سماع، شطحات، رویت، وحدت الوجود کے مسئلے وغیرہ شامل تھے۔ تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ صوفیاء ہندو اور مسلمانوں میں یکساں مقبول تھے، ان کے مرید ہندو بھی تھے، جو کہ بعد میں اپنی گدی شروع کر دیتے۔ اس طرح یہ ہندو پیر بھی مسلمانوں اور ہندوؤں میں یکساں مقبول ہوتے۔ مسلمان ان کی تعلیمات پر عمل کرتے، اس سے مسلمانوں کے دین میں نئی نئی بدعات شامل ہونا شروع ہو گئیں۔

ان تمام مسائل کے رد عمل میں نقشبندی سلسلہ کے حضرت عبدالحق محدثؒ اور ان کے شاگرد حضرت مجدد الف ثانیؒ کی قیادت میں تحریک شروع کی۔ اس تحریک میں شریعت اور طریقت میں سے شریعت کی فضیلت کے بارے میں فیصلہ کن مباحث کیے گئے، شرک اور بدعات کے خلاف دعوت کا کام کیا گیا، وحدت الوجود کے رد میں وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا گیا۔ حضرت مجددؒ کی زیادہ شہرت جہانگیر کے زمانے میں اکبر کے دین الٰہی کی وجہ سے دین میں شامل بدعات کے خلاف تحریک چلانے کی وجہ سے ہوئی۔

صوفیاء کے کاموں سے پیدا ہونے والی صورت حال کے علاوہ ایک اور مسئلہ برصغیر میں یہ پیدا ہو گیا تھا کہ تاتاریوں کے حملوں سے بچ کے نکلنے والے علماء زیادہ تر وہ تھے جو اپنے اپنے علاقے میں قاضی رہے تھے۔ اس لیے ان کے پاس فقہ کا عملی تجربہ تھا۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ تاتاریوں کے حملوں کی وجہ سے علماء کی کتابیں ضائع ہو گئیں یا وہ نکلتے ہوئے اپنے ساتھ نہ لا سکے۔ اس طرح ہندوستان میں عملی تجربہ تو منتقل ہو گیا مگر تفسیر اور حدیث کے علم میں کمزوری رہ گئی۔ یہ حالت کافی دیر تک رہی۔ اس کے نتیجے میں فقہ تو ترقی کر گئی مگر عوام کا قرآن اور حدیث کے ساتھ تعلق کمزور ہو گیا۔ اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ تفسیر اور حدیث ہندوستان میں بالکل ہی نہیں تھی بلکہ دین میں جو ان کا مقام تھا وہ حاصل نہ ہو سکا۔ اس کام کا بیڑا گو قدرے دیر سے حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے پانچ بیٹوں نے اٹھایا جس کا ہم آگے ان شاءاللہ ذکر کریں گے۔

جہاں مسلمانوں نے اسلام کی دعوت اور دین کا کام کیا وہاں ہندوؤں میں اپنے دین کو بچانے کے لیے بہت سی تحریکیں اٹھیں۔ ان تحریکوں نے اپنی کتابوں کی اہمیت اور ان کی تعلیمات پر زور دیا۔ اس طرح ہندوؤں میں اپنی اپنی کتابیں پڑھنے کا رواج ہوا۔ ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد ان میں ایک اچھا خاصہ طبقہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان کی اپنی کتابوں میں کہیں بھی بت پرستی کی تعلیمات موجود نہیں خاص طور پر ویدوں میں جسے ہندو الہامی کتابیں تصور کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوؤں میں جدید دور میں بت پرستی کے خلاف بہت سی تحریکیں برپا ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے ساتھ رہنے سے ہندوؤں کے اندر ذات پات کے نظام کے خلاف رد عمل پیدا ہو گیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا حکومتی نظام

مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کا آغاز شہاب الدین غوری سے شروع ہوا اور بہادر شاہ ظفر پر ختم ہوا۔ اس دور میں مسلمانوں کے حکمرانوں کے سامنے نمونہ وہی تھا جو کہ پوری امت مسلمہ میں موجود تھا۔ جب شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک اور التمش کے زمانے میں خلافت عباسیہ بغداد میں موجود تھی تو یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا آغاز تھا۔ یہ تمام حکمران اپنے آپ کو خلافت عباسیہ کا حصہ تصور کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہا جب تک ہلاکو خان نے بغداد کو فتح کر کے تباہ نہ کر دیا۔ اس سے خلافت عباسیہ بغداد میں ختم ہو گئی۔ عباسی خلافت کا دوسرا دور مصر میں شروع ہوا۔ محمد تغلق کے زمانے میں اس کی سند بادشاہت مصر سے آئی تھی۔

مسلمانوں کے بادشاہوں میں یہ تصور عام تھا کہ بادشاہت دینے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ نے ان کو بادشاہی اس لیے دی ہے کہ وہ اس کے دین کی حفاظت کریں اور اپنی رعایا کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلہ کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ رعایا کی جان اور مال کی ذمہ داری اور ان کی معاشی خوشحالی کی ذمہ داری ان کی ہے۔ اس تصورِ بادشاہی کے ساتھ ہی تمام مسلمان بادشاہ تخت پر بیٹھتے تھے۔ اگر ہم ہندوستان کے بادشاہوں کے اقوال، ان کے خطوط اور ان کی وصیتوں کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے بادشاہت کے بارے میں کیا نظریات تھے۔

جہاں تک ہندوستان کی عوام کی صورت حال تھی وہ بادشاہ پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ اس کو اپنا والی اور سرپرست سمجھتے تھے۔ بادشاہ اور عوام کا رشتہ اعتماد پر قائم تھا۔ اگر ہم مسلمانوں کے نظام کے زوال کے دور کا مطالعہ کریں تو ہمیں مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں میں تب بھی یہ بات مشترک نظر آتی تھی کہ وہ باشاہ پر اعتماد کرتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی مثال یہ تھی کہ مرہٹے جو کہ مغلیہ حکومت کے زوال کے بعد بے حد طاقت وار ہو گئے تھے دہلی پر قبضہ کرنے کے باوجود بھی کبھی انہوں نے بادشاہ کو ہٹانے کی کوشش نہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے وقت بھی بہادر شاہ ظفر جو کہ انتہائی کمزور بادشاہ تھا اور بوڑھا ہو چکا تھا، باغی اسی کے پاس گئے اور اس سے قیادت سنبھالنے کے لیے کہا۔

ہندوستان کی ریاست کوئی وطنی ریاست نہ تھی اس کی بنیاد ایک دار الاسلام کی تھی۔ جس میں ریاست میں رہنے والے لوگ دو طرح کے تھے ایک مسلمان اور دوسرے غیر مسلم۔ غیر مسلموں کو شریعت کے مطابق ذمی کے طور پر وہ تمام حقوق حاصل تھے جو کہ اسلام ان کو دیتا ہے۔ ذمی کے طور پر ان کو جزیہ ادا کرنا ہوتا تھا۔ ہندوستان میں کئی دور آئے، کسی دور میں یہ ایک منظم مملکت کے طور کام کرتا رہا اور کبھی یہ بے شمار ریاستوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ مگر کبھی بھی یہاں پر بند سرحد کا تصور نہیں تھا۔ ریاستوں کے درمیان سرحدیں ضرور قائم تھیں مگر ان کے شہری بغیر کسی رکاوٹ کے ایک دوسرے کی ریاستوں میں آتے جاتے رہتے تھے۔ یہ نظام پوری امت مسلمہ میں نافذ تھا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا عدالتی نظام

ہندوستان میں مسلمانوں میں دو طرح کا عدالتی نظام تھا۔ ایک مقامی نظام جسے جرگہ یا پنچائیت کہا جاتا تھا، اس پنچائیت میں علاقے کے بااثر لوگ اور علماء شامل تھے۔ اس جرگے یا پنچائیت کو بادشاہ کی مکمل حمایت حاصل ہوتی تھی۔ یہ جرگہ اپنے علاقے میں ہونے والے تمام امور پر مقدمے سنتا تھا اور فیصلے کرتا تھا۔ یہ مقدمات فوجداری اور سول دونوں طرح کے ہوتے تھے۔ یہ سب مقامی لوگ ہوتے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ یہاں تک کہ گواہوں کے کردار کے بارے میں بھی ان کو علم ہوتا۔ کوئی بڑی بڑی جیلیں نہیں تھیں۔ ضمانت شخصی ہوا کرتی تھی۔ اس کے لیے کسی پولیس کے چھاپوں کی ضرورت نہ تھی۔ ملزم کا باپ یا قبیلہ اس کو پیش کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اس شخص کو کسی سرکاری وکیل کی ضرورت ہی نہ تھی بلکہ اس پنچائیت اور جرگے میں موجود اس کے قبیلے کے افراد ہی اس کے وکیل ہوا کرتے تھے۔ مقدمے کا فیصلہ چند پیشیوں میں ہو جایا کرتا تھا۔

دوسری طرح کا عدالتی نظام وہ تھا جو کہ بڑے شہروں میں موجود تھا۔ یہ بادشاہ کے مقرر کردہ قاضی ہوا کرتے تھے۔ یہاں پر فیصلے شریعت کے مطابق ہوا کرتے اور ہندوؤں کے ان کے مذہب کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ پنچائیت سے کوئی فیصلہ نہ ہو پاتا یا کوئی شخص فیصلے سے مطمئن نہ ہوتا تو وہ قاضیوں کی عدالت سے رجوع کرتا۔ ان عدالتوں میں بادشاہ کا کوئی عمل دخل نہ ہوتا۔ اگر کوشخص مطمئن نہ ہوتا تو وہ بادشاہ کے پاس اپیل کر سکتا تھا۔ مگر بادشاہ کے پاس یہ اختیار نہ تھا کہ وہ شریعت کے خلاف کوئی فیصلہ دے سکے۔ تاریخ ایسی کئی مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ جہاں قاضیوں نے شریعت کے مطابق فیصلہ دیا اور بادشاہ باوجود خواہش کے اس فیصلے کو تبدیل نہ کرا سکا۔

اس نظام میں بڑے بڑے جیل خانوں کا تصور نہ تھا۔ عام طور پر ملزم کو اس کے باپ اور قبیلے کی ضمانت پر رہا کر دیا جاتا۔ پیشی پر اس کو پیش کرنا ضامنوں کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ اگر کسی کو قید کرنا مقصود ہوتا تو اس کو مخصوص گھروں میں نظر بند کر دیا جاتا اور فیصلے کے بعد سزا کی تطبیق ہو جاتی تھی اور ملزم واپس چلا جاتا۔ بڑے جیل خانے بادشاہوں اور والیوں کے پاس ہوتے جہاں عام طور پر عادی مجرموں کو رکھا جاتا یا باغیوں کو رکھا جاتا۔

پولیس کا تصور آج کی پولیس سے یک سر مختلف تھا۔ پولیس کا کام انتہائی محدود ہوتا تھا۔ معاشرے سے جرائم کی روک تھام کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا محکمہ ہوا کرتا تھا۔ جس کی ذمہ داری علماء اور علاقے کے بااثر طبقے کے حوالے تھی۔ اس محکمے کے لوگ عوام کی تعلیم و تربیت بھی کرتے اور منکرات کو مٹاتے۔ حسبہ کا محکمہ بھی موجود تھا جو بازار کے نظام کو دیکھتا تھا اور اس کی اصلاح کیا کرتا۔ پولیس بھی دو طرح کی ہوتی تھی۔ ایک جس کا تعلق مقامی علاقے سے ہوتا تھا۔ اس کا کام پنچائیت کی مدد کرنا ہوتا تھا۔ ملزم کو حاضر کرنے کے لیے اس کو اطلاع دینا، نظر بند افراد کو دیکھنا یا سزا کی تطبیق میں مدد دینا۔ دوسری قسم کی پولیس وہ تھی جو بادشاہ یا علاقے کے والی کے تحت کام کرتی تھی اس کا کام شاہراہوں کو راہزنوں سے محفوظ بنانا یا ضرورت پڑنے پر والی اور بادشاہ کی مدد کرنا ہوتا تھا۔ سزا کی تطبیق کے اختیار بھی مقامی طور پر یا تو پنچائیت یا والیوں کے پاس ہوتے تھے اور پولیس کے نظام کا اس سے کوئی خاص تعلق نہ ہوتا تھا۔

ہندوستان کا انتظامی نظام

ہندوستان کا انتظامی نظام چار ادوار سے گزر کر اکبر کے دور میں اپنے عروج پر پہنچا۔ خاندان غلاماں کے دور میں ہندوستان مکمل طور پر فتح نہیں ہوا تھا اس لیے یہ نظام بنیادی سطح پر تھا مگر اس نظام کو اصل عروج سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں ملا۔ سلطان ہر کام کو بہت منظم طریقے سے کرنے کا عادی تھا۔ اس کی حکومت کی سب سے خاص بات یہ تھی کہ وہ حکومت کا ہر عہدہ بہت دیکھ بھال کر اہل افراد ہی کو دیتا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ

وہ کسی غیر سنجیدہ فرد کو اپنے قریب بھی نہ آنے دیتا تھا۔ بلبن کی دوسری اہم بات یہ تھی کہ وہ اپنے عمال پر گہری نظر رکھتا تھا اور ان کی غلطی پر انہیں سزائیں دیتا تھا۔ اس کے دور کا انتظامی نظام مثالی تھا۔

بلبن کے بعد علاؤالدین خلجی ہندوستان کے ان بادشاہوں میں شامل ہے جس نے ہندوستان کو عروج کی منزل کی طرف گامزن کیا۔ علاؤلدین خلجی کے زمانے میں منگول ہندوستان پر مسلسل حملے کر رہے تھے۔ اس کے دور میں چھ بڑے حملے ہوئے جن کو علاؤالدین نے عبرت ناک شکست دی۔ ان حملوں کی وجہ سے علاؤالدین خلجی کو بہت سے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک طرف تو جب تاتاری حملے کرتے تو وہ بہت تباہی مچاتے، اس سے عوام بھی خوف زدہ ہوتے اور دوسری طرف فصلیں تباہ ہو جاتیں جس سے ملک میں قحط کی سی صورت پیدا ہو جاتی۔ ان حملوں کی وجہ سے علاؤالدین کو ہر وقت چار لاکھ کی فوج رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس ساری صورت حال میں علاؤالدین خلجی نے ملک کے انتظام کے لیے انتہائی مؤثر اقدامات اٹھائے جس میں اس نے ایسے معاشی اقدام لیے کہ اس کے دور میں ارزانی ہی ارزانی ہو گئی، قحط ہو یا جنگ۔ نہ ہی غلہ کم ہوتا نہ ہی اس کی قیمت زیادہ ہوتی۔ اس نے ملک میں بہت مؤثر جاسوسی نظام قائم کیا جو اس کو پل پل کی خبریں دیتا تھا۔ اس نے اپنے عمال پر بھی کڑی نظر رکھیں اس کی وجہ سے ان میں سازشی عنصر کا خاتمہ ہوا۔ علاؤالدین کا ایک اور اہم انتظامی کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ان طبقوں کے زور کو ختم کر دیا جنہوں نے عام کاشتکاروں کو غلام بنا رکھا تھا۔

ہندوستان کے نظام کا تیسرا اہم دور فیروز شاہ تغلق سے سلطان سکندر لودھی کے دور تک تھا۔ اس دور میں تیمور لنگ کے حملوں سے ہندوستان تباہ و برباد ہو گیا۔ صدیوں کا کام ایک دفعہ پھر صفر پر کھڑا تھا۔ بہلول لودھی نے ہندوستان کو ایک دفعہ پھر منظم کیا، اس کے انتظام کو بہتر بنایا۔ سلطان سکندر لودھی کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ لودھیوں کے نظام کا بنیادی مرکز پیداوار میں اضافہ کرنا تھا۔ انہوں نے سڑکیں اور نہریں بنائیں اور مواصلات کا نظام درست کیا۔

ہندوستان میں انتظامی لحاظ سے ہندوستان کے عروج کا زمانہ شیر شاہ سوری کا زمانہ تھا۔ شیر شاہ سوری نے پانچ سال کے کم عرصے میں ہندوستان میں نہروں، سڑکوں اور سرائیوں کا جال بچھا دیا۔ اس نے پورے ہندوستان کی زمینوں کی پیمائش کروائی، روپے کی کرنسی نافذ کی اور عدل انصاف کا بول بالا ہوا۔ شیر شاہ سوری کے بنائے ہوئے نظام کو اکبر نے مزید ترقی دی۔ اس نے منصب داری کا نظام بنایا جس میں ملک میں اہم عہدوں پر کام کرنے والے لوگوں کی تربیت کرنا تھا۔ اس نے شیر شاہ کے زمینی نظام کو جاری رکھا اور اس میں مزید توسیع کی۔ پیداوار کے لحاظ سے اس کی اقسام متعین کیں اور ان پر ٹیکس کے نظام کو منظم کیا۔ شیر شاہ اور اکبر کا یہی نظام آج بھی پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ اسی نظام کے ٹیکس کے حصے کو انگریزوں نے بدل دیا تو اس سے ہندوستان کا پورا معاشرہ ہی بدل گیا اس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے ان شاءاللہ۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا معاشی نظام

ہندوستان میں مسلمانوں کے دور حکومت میں جو معاشی نظام بنایا گیا اس نے ہندوستان کو پوری دنیا کا امیر ترین ملک بنا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ یورپ کے تمام ممالک ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کے لیے اس طرح ہندوستان کی طرف رخ کرنے لگے جیسے مکھیاں شہد کی طرف لپکتی ہیں۔ مسلمانوں کے معاشی نظام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ عوام الناس کی قوت خرید میں اتنا اضافہ کر دیا جائے کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کو بآسانی خرید سکیں۔ پھر اس عمل کو بھی یقینی بنایا جائے کہ یہ اشیاء ہر صورت میں ارزاں قیمتوں میں بازار میں دستیاب ہو۔ یہ مقصد انہیں مندرجہ ذیل اقدامات سے حاصل ہوا:

- مسلمانوں کا نظام سود سے پاک تھا، کوئی حکومت بھی سود کی سرپرستی نہیں کرتی تھی اس لیے دولت کا چند ہاتھوں میں مرکوز ہونا ممکن نہ رہا۔
- زراعت کی ترقی پر بہت زور دیا گیا۔ اس کے لیے نہریں بنائی گئیں، غلے کی رسد کے لیے سڑکیں تعمیر کی گئیں، زمیندارا کا نظام بنا کر زمینوں کو چار اقسام میں تقسیم کیا گیا۔ پہلی قسم جو سارا سال فصل دیتی تھی دوسری قسم کی زمین جو کہ اس سے کم فصل دیتی تھی۔ تیسری قسم کی زمیں جو کہ تین سالوں سے کاشت نہیں کی گئی تھی اس کو قابل کاشت بنانے کے لیے سرمائے کی فراہمی کی گئی اور اس پر ٹیکس کا نظام علیحدہ سے بنایا گیا۔ چوتھی قسیم کی زمیں جو کہ پانچ سال سے بنجر تھی اس کو بھی انتہائی مناسب قیمتوں پر کاشتکاروں کو دیا گیا اور اس پر ٹیکس بہت ہی کم رکھا گیا۔ اس انتظام کے نتیجے میں ہندوستان کی قابل کاشت زمینوں کی پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ لوگوں کو روزگار ملا جب کہ غلے کی فراوانی ہو گئی۔
- لوگوں کی قوت خرید میں اضافے کے لیے زکوٰۃ صدقات کا نظام بنایا گیا۔ اس کے علاوہ بادشاہ کی طرف سے زمینوں کے عطیات اور وظائف مقرر کیے گئے۔
- پیداوار میں اضافے سے ملک میں صنعت میں خود بخود اضافہ ہوتا چلا گیا۔ کپڑے کی صنعت نے اس قدر ترقی کی کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے بعض اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ پوری دنیا کو اس دور میں اسّی سے نوّے فیصد کپڑا ہندوستان فراہم کرتا تھا۔

ہندوستان کی معیشت کی سب سے بڑی مضبوطی یہ تھی کہ اس کی برآمدات بہت زیادہ اور درآمدات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مصر، عرب، ایران، وسط ایشیا، یورپ کے تاجر یہاں آتے اور سونے اور چاندی کے عوض ہندوستان کی مصنوعات لے کر جاتے۔ اس دور میں ہندوستان میں سونے اور چاندی کی اتنی بہتات تھی کہ بادشاہ ہر سال دو دفعہ اپنے وزن کے برابر سونا، چاندی غرباء اور مساکین میں تقسیم کرتا تھا۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

سمارٹ فون
ہماری جیب میں موجود
جاسوس

نعمان حجازی

پیش لفظ

عصرِ حاضر میں ٹیکنالوجی کی دنیا میں عام صارفین کے لیے سمارٹ فون کو بجا طور پر سب سے زیادہ انقلابی ایجاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ ابتدا میں "موبائل فون" صرف ایک پورٹیبل کمیونیکیشن ڈیوائس(Portable Communication Device) تھا، مگر وقت کے ساتھ یہ ایک نہایت ترقی یافتہ اور ہر وقت نیٹ ورک سے جڑا ہوا کمپیوٹر بن چکا ہے۔ جو روزمرہ زندگی کے ہر شعبے میں ہمارے ساتھ موجود رہتا ہے۔

آج سمارٹ فون صرف رابطہ کاری کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ یہ مواصلاتی مراکز (Communication Hubs)، ڈیجیٹل والٹس(Digital Wallets)، سمت کی جانب رہنمائی کرنے والا نظام(Navigation System)، صحت کی نگرانی کرنے والا آلہ(Health Monitor)، پروفیشنل کیمرہ اور اسی طرح بے شمار دیگر کاموں کے ساتھ ساتھ ان گنت آن لائن سروسز تک رسائی کا دروازہ بھی بن چکا ہے۔ اس کی سہولت، ہمہ گیری اور کثیر الجہت صلاحیتوں نے اسے دنیا بھر کے اربوں انسانوں کی زندگی کا ناگزیر جزو بنا دیا ہے۔

ہم روزانہ اپنے سمارٹ فونز کا کئی گھنٹے تک فعال استعمال کرتے ہیں، لیکن فعال سکرین ٹائم کسی بھی سمارٹ فون کے مجموعی عملی دورانیے کا نسبتاً مختصر حصہ ہوتا ہے۔ جب یہ آلہ ہماری جیب میں رکھا ہو یا میز پر پڑا ہو یا رات بھر چارجنگ پر لگا ہو، تب بھی یہ بیک گراؤنڈ میں مسلسل متعدد سرگرمیاں انجام دیتا رہتا ہے۔ مثلاً کلاؤڈ سنکرونائزیشن (Cloud Synchronization) نیٹ ورک کے ساتھ جڑا رہنا، نوٹیفکیشن دینا، ایپس اپ ڈیٹ کرنا، فون کی تشخیصی (Diagnostic) معلومات جمع کرنا، محل وقوع (Location) کا تعین کرنا، ایپس اور آپریٹنگ سسٹم کی کمپنیوں کے ساتھ میٹا ڈیٹا کا تبادلہ کرنا وغیرہ۔ اس طرح سمارٹ فون صرف اس وقت ڈیٹا پیدا(generate) نہیں کر رہا ہوتا جب ہم اسے استعمال کر رہے ہوتے ہیں بلکہ ایسا یہ مسلسل کرتا رہتا ہے۔

جدید سمارٹ فونز پرانے موبائل فونز سے اس لحاظ سے بھی مختلف ہوتے ہیں کہ ان میں متعدد جدید سینسرز(Sensors) نصب ہوتے ہیں، جو انہیں اپنے ماحول کا ادراک رکھنے والا انتہائی مؤثر آلہ بنا دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر سینسر انفرادی طور پر مخصوص افعال انجام دیتا ہے لیکن اجتماعی طور پر یہ ہماری نقل و حرکت، ماحول، عادات، رویے اور ڈیجیٹل دنیا کے ساتھ تعامل کی ایک نہایت تفصیلی تصویر تشکیل دیتے ہیں۔

پھر مشین لرننگ (Machine Learning) اور مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) میں ترقی نے سمارٹ فونز کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ ہمارے طرزِ عمل، معمولات، سفر کا ریکارڈ، تعلقات اور جسمانی سرگرمیوں وغیرہ کے ذریعے سے ہمارے رویے کا ایک جامع خاکہ تیار کریں۔ اس لیے سمارٹ فون صرف ایک مواصلاتی آلہ نہیں بلکہ مسلسل ادراک کرنے والا پلیٹ فارم(sensing platform) ہے جو ہمارے بارے میں انتہائی دقیق معلومات پیدا(generate) کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

پھر یہ معلومات اپنے بنانے والی کمپنی کو، فون میں انسٹال شدہ ایپس کی کمپنی کو، اور اس کے ساتھ ساتھ اشتہاری کمپنیوں کو بھی بھیجی جاتی ہے جبکہ مختلف طریقوں سے، کبھی براہ راست اور کبھی بالواسطہ ان معلومات سے ریاستی اور خفیہ ادارے بھی استفادہ کرتے ہیں، اور ان کے ذریعے وہ اپنے شہریوں اور اپنے دشمنوں کی لمحہ بہ لمحہ معلومات کی بنیاد پر انتہائی دقیق پروفائل تیار کرتے ہیں۔

اس صورت حال کے پیشِ نظر سمارٹ فونز کے ذریعے جاسوسی اور نگرانی کو ممکن بنانے والے تکنیکی طریقۂ کار کو سمجھنا آج سب کے لیے یکساں اہم ہو چکا ہے اور اسی لیے جاسوسی و نگرانی کے اس جدید نظام کے بارے میں سازشی نظریوں(conspiracy theories) کی بجائے سنجیدہ اور تکنیکی بنیادوں پر مبنی فہم آج کی ڈیجیٹل دنیا کے لیے ناگزیر ہے۔

اس تحریر میں ہم تکنیکی شواہد کی بنیاد پر درج ذیل سوالات کا جواب دینے کی کوشش کریں گے:

۱. سمارٹ فونز مسلسل کن اقسام کا ڈیٹا پیدا(generate) کرتے ہیں؟
۲. سمارٹ فون میں نصب ہارڈ ویئر سینسر کس طرح ہمارے رویے اور ہمارے ارد گرد کے ماحول کی نگرانی میں معاون بنتے ہیں؟
۳. سمارٹ فون کا آپریٹنگ سسٹم (Android/iOS) کس قسم کی معلومات جمع کرتا ہے؟
۴. فون میں انسٹال ایپس، سروسز اور آن لائن سروسز جاسوسی میں کس طرح مددگار بنتی ہیں؟
۵. ریاستی و خفیہ ادارے سمارٹ فون کے ذریعے جاسوسی کیسے کرتے ہیں؟
۶. ہمارے کچھ کیے بغیر ہی زیرو کلک حملے کیسے ہمارے فون پر مکمل کنٹرول حاصل کرتے ہیں۔

۷. رابطہ کاری اور دیگر کاموں کے لیے وسیع پیمانے پر انکرپشن کے استعمال کے باوجود جاسوسی کیسے ممکن ہو پاتی ہے؟

۸. ایسے کیا عملی اقدامات ہیں جو سمارٹ فون کے ذریعے جاسوسی کے خطرے کو کم کر سکتے ہیں؟

ان سوالوں کے جواب ہمیں یہ سمجھنے میں مدد فراہم کریں گے کہ وہ کیا تکنیکی بنیادیں ہیں جو سمارٹ فون کو مسلسل ہمارے متعلق ڈیٹا جمع کرنے والے پلیٹ فارم کے طور پر کام کرنے میں مدد دیتی ہیں اور اس طرح حقیقی معنوں میں اسے "ہماری جیب میں موجود جاسوس" بنا دیتی ہیں۔

سمارٹ فون میں نصب سینسر (Sensors)

ایک عام سمارٹ فون میں ایک درجن سے زائد سینسر اور کمیونی کیشن انٹر فیس (Communication Interfaces) نصب ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک انفرادی طور پر مخصوص ذمہ داریاں انجام دیتا ہے، تاہم اجتماعی طور پر یہی اجزا ہمارے اور ہمارے ارد گرد کے ماحول سے متعلق معلومات جمع کرتے رہتے ہیں۔

روایتی کمپیوٹرز کے برعکس سمارٹ فونز تقریباً پورا دن ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور مسلسل ہمارے جسم، ہمارے ارد گرد کے ماحول اور ہماری ڈیجیٹل زندگی کے ساتھ تعامل کرتے رہتے ہیں۔ یہ کام کے دوران، سفر میں، تفریح کے مواقع پر خریداری کرتے وقت، لوگوں سے میل جول کے دوران، حتیٰ کہ نیند کے وقت بھی ہمارے قریب موجود رہتے ہیں، یہی مستقل قربت اور ساتھ میں ان سینسرز کی موجودگی سمارٹ فون کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ براہ راست ہماری سرگرمیوں کا مشاہدہ کریں نتیجتاً ہمارے طرزِ عمل، عادات، نقل و حرکت، ماحول اور تعلقات کے بارے میں نہایت دقیق معلومات جمع ہو جاتی ہیں۔[1]

سمارٹ فونز کی اس خصوصیت کی وجہ سے انٹیلی جنس اداروں کو اب روایتی جاسوسی نظاموں کی ضرورت نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے اور انہیں اب کوئی اضافی آلے نصب کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہی سمارٹ فونز ہر وقت ہمارے ساتھ موجود رہتے ہیں اور ہمارے متعلق انتہائی تفصیلی معلومات جمع کرتے رہتے ہیں جنہیں انٹیلی جنس ادارے مختلف طریقوں سے حاصل کر لیتے ہیں۔

ذیل میں ہم جائزہ لیں گے کہ سمارٹ فون میں موجود مختلف سینسر کس قسم کا ڈیٹا جمع کرتے ہیں اور آپریٹنگ سسٹم ان سب کو ملا کر ہمارے متعلق کیا معلومات حاصل کرتا ہے۔

جی پی ایس (Global Positioning System – GPS)

جی پی ایس (Global Positioning System) سمارٹ فون میں موجود سب سے معروف سینسر ہے۔ اس سینسر کی مدد سے سمارٹ فون اپنے جغرافیائی مقام (geographic position) کا تعین زمین کے گرد گردش کرنے والے متعدد سیٹلائٹس سے موصول ہونے والے سگنلز کی مدد سے کرتا ہے۔ ان سیٹلائٹس سے بھیجے گئے سگنلز کو جی پی ایس سینسر تک پہنچنے میں لگنے والے وقت کا حساب لگا کر سمارٹ فون پوزیشن کا اندازہ لگاتا ہے۔ جدید سمارٹ فونز عموماً امریکہ، روس، یورپی یونین اور چین کے سیٹلائٹس سے بیک وقت سگنلز وصول کر رہے ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان میں مقام کے تعین (positioning) کی درستگی زیادہ ہوتی ہے اور مطلوبہ مقام نسبتاً تیزی سے معلوم ہو جاتا ہے۔

موزوں بیرونی ماحول (favorable outdoor conditions) میں جدید سمارٹ فونز تقریباً ایک سے پانچ میٹر کی درستگی (accuracy) کے ساتھ ہمارے مقام کا تعین کر سکتے ہیں۔ جبکہ سمارٹ فونز میں موجود "اے جی پی ایس" (Assisted GPS – A-GPS) اس عمل کو انٹرنیٹ کی مدد سے لوکیشن ڈیٹا ڈاؤنلوڈ کر کے مزید تیز اور درست بنا دیتا ہے۔[2]

اس بات سے انکار نہیں کہ جی پی ایس ہماری روزمرہ زندگی کے بے شمار معاملات میں سہولت فراہم کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ ہمارے استعمال کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے۔ تاہم جاسوسی کے نقطۂ نظر سے جی پی ایس کا ڈیٹا ذاتی معلومات کی سب سے زیادہ حساس اقسام میں بھی شمار ہوتا ہے۔ اگر کسی فرد کی لوکیشن ہسٹری (Location History) دستیاب ہو جائے تو اس سے درج ذیل معلومات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

- گھر اور دفتر کا مقام
- روزانہ سفر کے معمول کے راستے
- کسی مسجد میں روزانہ نماز کے لیے جانے کی بنیاد پر مذہبی وابستگی
- کسی ہسپتال یا کلینک میں بار بار جانے کی بنیاد پر ممکنہ بیماری
- جلسوں، احتجاجی مظاہروں یا ریلیوں میں شرکت کی بنیاد پر سیاسی رجحان
- تعلیمی ادارہ
- خریداری کی ترجیحات
- ورزش کے معمول
- چھٹیوں اور سیر پر جانے کا ریکارڈ
- دیگر افراد کے ساتھ بار بار ایک ہی مقام پر موجودگی (co-location) کی بنیاد پر تعلقات کا اندازہ

[1] A Survey of Mobile Phone Sensing – IEEE Communications Magazine Volume 48, Issue 9

[2] A Sensor-Centric Survey on the Development of Smartphone Measurement and Sensing System by Marco Grossi

تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ انسانی کی نقل و حرکت کا انداز (human mobility pattern) ہر فرد کے لیے خاصہ منفرد ہوتا ہے حتیٰ کہ لوکیشن کے حوالے سے نسبتاً کم معلومات بھی کسی بڑی آبادی میں ایک مخصوص فرد کی شناخت کے لیے کافی ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوکیشن ہسٹری انسانی رویوں کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات کا اہم ذریعہ ہے۔[۳]

لیکن یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صرف جی پی ایس کو بند (disable) کر دینے سے لوکیشن ٹریکنگ (location tracking) ختم نہیں ہو جاتی۔ سمارٹ فونز اس کے بعد بھی بلیوٹوتھ، وائی فائی، موبائل نیٹ ورک ٹاور اور انٹرنیٹ آئی پی کی مدد سے مستقل ہمارے مقام کا اندازہ لگاتے رہتے ہیں۔ ان تمام طریقوں کے بارے میں آئندہ تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

حرکت پیما/ایکسیلرومیٹر (Accelerometer)

حرکت پیما یا ایکسیلرومیٹر ایک ایسا سینسر ہے جو تینوں باہم عمودی سمتوں (X, Y & Z axis) میں ہونے والی حرکت کی پیمائش کرتا ہے۔ تقریباً تمام ہی جدید سمارٹ فونز میں یہ ایکسیلرومیٹر نصب ہوتا ہے۔ سمارٹ فونز کے کاموں میں ایکسیلرومیٹر بہت سے ضروری کام سرانجام دے رہا ہوتا ہے جیسے:

- سکرین کا خودکار رخ بدلنا (Automatic Screen Rotation)
- قدموں کی گنتی (Step Counting)
- جسمانی سرگرمیوں کی نگرانی (Fitness Tracking)
- جسمانی حرکت کے ذریعے کنٹرول ہونے والی موبائل گیمز (Motion-controlled gaming)
- تصویر کھینچتے وقت ارتعاش کا اثر ختم کرنا (Image Stabilization)
- اشاروں کی شناخت (Gesture Recognition)

چونکہ ایکسیلرومیٹر ہر طرح کی حرکت مسلسل ریکارڈ کرتا رہتا ہے اس لیے یہ اس بات کی انتہائی تفصیلی تصویر فراہم کرتا ہے کہ ہم دن بھر کس انداز میں حرکت کرتے رہے اس طرح اس سے حاصل ہونے والا ڈیٹا ہمارے رویوں کے بارے میں متعدد مفصل معلومات فراہم کرتا ہے۔ سمارٹ فون میں نصب کوئی بھی ایکسیلرومیٹر درج ذیل سرگرمیوں کو شناخت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے[4]:

- پیدل چلنا
- دوڑنا
- سائیکل چلانا
- گاڑی چلانا
- سیڑھیاں چڑھنا اور اترنا
- کھڑا ہونا
- بیٹھنا
- لیٹنا

اس سینسر کے ساتھ سمارٹ فون کے آپریٹنگ سسٹم میں موجود مشین لرننگ ماڈلز (Machine Learning Models) مزید درج ذیل معلومات کا بھی اندازہ لگا لیتے ہیں۔

- کس رفتار سے چل رہے ہیں۔
- ورزش کس شدت سے کر رہے ہیں۔
- سمارٹ فون ہاتھ میں ہے، جیب میں ہے، بیگ میں ہے یا میز پر پڑا ہے۔
- گاڑی میں سفر کیا جا رہا ہے۔
- جس سڑک پر سفر کر رہے ہیں اس کی حالت کیسی ہے۔
- ہمارے چلنے کا مخصوص انداز

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ کسی ایک فرد کے چلنے کا انداز اس حد تک منفرد ہوتا ہے کہ اسے ایک بائیومیٹرک شناخت کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہر فرد کے چلنے کے انداز میں ایسی مستقل اور منفرد خصوصیات ہوتی ہیں جن کی بنیاد پر مشین لرننگ ماڈلز حیرت انگیز حد تک درستگی کے ساتھ مختلف افراد کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔[۵]

ایسی جگہوں پر جہاں جی پی ایس صحیح طرح کام نہیں کر پاتے جیسے کسی عمارت کے اندر یا زیر زمین وہاں بھی ایکسیلرومیٹر کی مدد سے سمارٹ فون ہماری لوکیشن کا درست اندازہ ہماری حرکت سے لگاتے رہتے ہیں۔[۶]

ماضی قریب تک موبائل آپریٹنگ سسٹمز کسی ایپ کو ایکسیلرومیٹر کا استعمال کے لیے صارف کی اجازت طلب نہیں کرتے تھے، اب بھی سمارٹ فونز صارفین کی اکثریت تمام ایپس کو ایکسیلرومیٹر کی اجازت دیے رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایکسیلرومیٹر سے حاصل ہونے والا ڈیٹا جاسوسی اور نگرانی کے مقصد کے تحت ہمارے رویوں سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا ایک نہایت اہم ذریعہ ہے۔

---

۳ Unique in the Crowd: The privacy bounds of human mobility – Article # 1376 – Scientific Reports – Nature.com

4 Activity Recognition using Cell Phone Accelerometers by Jennifer R. Kwapisz, Gary M. Weiss, Samuel A. Moore – Fordham University NY, USA

۵ Unobtrusive User-Authentication on Mobile Phones Using Biometric Gait Recognition - IEEE

۶ A Survey of Indoor Inertial Positioning Systems for Pedestrians by Robert Harle – IEEE Communications Surveys and Tutorials: Volume 15, Issue 3

گردش پیما / جائروسکوپ (Gyroscope)

جہاں ایکسیلرومیٹر ایک خط پر حرکت (linear motion) کی پیمائش کرتا ہے، وہاں گردش پیما یا جائروسکوپ (Gyroscope) کسی زاویے پر ہونے والی حرکت (angular motion) یعنی تینوں محوری سمتوں (x, y, z axis) کے گرد ہونے والی گردشی حرکت (rotational movement) کی پیمائش کرتا ہے۔[7]

تنہا جائروسکوپ صرف اتنی معلومات فراہم کرتا ہے کہ سمارٹ فون کس انداز سے گردش کر رہا ہے، لیکن جب اس کے ڈیٹا کو ایکسیلرومیٹر کے ڈیٹا کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے تو اس سے سمارٹ فون کی سمت (orientation) اور ہماری حرکت کا نہایت درست اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جاسوسی کے نقطۂ نظر سے جائروسکوپ کا ڈیٹا ایکسلرومیٹر کے ڈیٹا کے ساتھ مل کر درج ذیل معلومات فراہم کر کے ہمارے رویوں کے تجزیے میں مدد دیتا ہے۔

- ہم سمارٹ فون استعمال کرتے وقت اسے کس زاویے پر پکڑتے ہیں (Device Handling Patterns)
- گیم کھیلنے کا طریقہ (Gaming Interactions)
- گاڑی کے مڑنے کی حرکات (Vehicle Turning Movements)
- ورزش کے معمولات (Exercise Routines)
- فون استعمال کرتے وقت جسم کی کیفیت (Phone Usage Posture)

اس کے علاوہ یہ ایکسیلرومیٹر کے ساتھ مل کر کسی عمارت کے اندر یا زیر زمین ہمارے درست مقام اور ہم جس سمت میں جا رہے ہیں اس کا ریکارڈ رکھتا ہے اور جب جی پی ایس دوبارہ کنیکٹ ہوتا ہے تو آپریٹنگ سسٹم مشین لرننگ نظام کے ذریعے سے یہ اندازہ قائم کر لیتا ہے کہ زیر زمین یا عمارت کے اندر ہم کہاں کہاں سے گزرے اور کہاں رکے۔[8]

تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جائروسکوپ میں پیدا ہونے والے معمولی ارتعاشات (vibrations) صوتی معلومات (acoustic information) بھی محفوظ کر سکتے ہیں۔ چونکہ آواز کی لہریں سمارٹ فون کے اندر ارتعاش پیدا کرتی ہیں جسے جائروسکوپ ریکارڈ کر لیتا ہے اور اس ڈیٹا کو بولنے والے فرد کی شناخت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اگرچہ سمارٹ فون میں مائیکروفون کی غیر موجودگی میں جائروسکوپ کے ریکارڈ کردہ صوتی ارتعاش سے یہ اندازہ لگانا تو ممکن نہیں کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں لیکن بولنے والے فرد کی شناخت پھر بھی ممکن ہے۔ جائروسکوپ کی مدد سے ریکارڈ کیا گیا صوتی ارتعاش کا ڈیٹا درج ذیل معلومات فراہم کر سکتا ہے:

- بولنے والے فرد کی آواز کی بنیادی فریکیونسی / پچ (fundamental voice frequency / pitch)
- گفتگو کی رفتار اور ردھم (speaking speed and rhythm)
- گفتگو کی روانی یا آہنگ (cadence)
- آواز کا اتار چڑھاؤ اور زیر و بم (prosody)
- بولنے والے کی بعض منفرد خصوصیات (speaker-specific traits)

یہ سب معلومات مل کر سمارٹ فون کے قریب موجود فرد کی آواز کی بائیومیٹرک شناخت پیدا کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے مائیکروفون کی غیر موجودگی میں بھی جاسوسی کے نقطۂ نظر سے سمارٹ فون کے قریب موجود افراد کی باتوں کو اگرچہ نہیں سمجھا جا سکتا لیکن بات کرنے والے افراد کی شناخت انتہائی درست انداز میں ممکن ہے۔[9]

ڈیجیٹل قطب نما / میگنٹومیٹر (Magnetometer / Digital Compass)

سمارٹ فون میں موجود میگنٹومیٹر (Magnetometer) اپنے ارد گرد موجود مقناطیسی میدان (magnetic field) کی شدت اور سمت کی پیمائش کرتا ہے۔ سمارٹ فونز ان معلومات کو بنیادی طور پر ڈیجیٹل قطب نما (Digital Compass) کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

جدید میگنیٹومیٹر نہایت حساس مقناطیسی میدان کے سینسر استعمال کرتے ہیں جو ارد گرد کے ماحول میں مقناطیسی فیلڈ میں آنے والی معمولی تبدیلیوں کو بھی محسوس کر سکتے ہیں۔[10]

میگنیٹومیٹر بھی ایکسیلرومیٹر اور جائروسکوپ کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے اور درج ذیل معلومات کی درستگی میں اضافہ کرتا ہے:

- جی پی ایس سگنلز کی غیر موجودگی میں سفر کی سمت (travel direction) کا تعین کر کے، جی پی ایس سگنلز کے دوبارہ بحال ہونے کے بعد، جی پی ایس بند ہونے اور دوبارہ چلنے کے نقطوں کے درمیان ہونے والی حرکت کا تعین۔[11]
- عمارتوں کے اندر فولادی انفراسٹرکچر، برقی تاروں، لفٹوں اور بڑی دھاتی اشیاء کی وجہ سے منفرد مقناطیسی خصوصیات (magnetic signatures) پیدا ہوتی ہیں۔ تحقیقی مطالعات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ مقناطیسی فنگرپرنٹس کسی بلڈنگ کے اندر یا زیر زمین سمارٹ فون کے مقام کا تعین کرنے میں معاونت کرتے ہیں جس سے سمارٹ

[7] Handbook of Modern Sensors – Fifth Edition by Jacob Fraden

[8] Activity Identification using body-mounted sensors – Physiological Measurements, Volume 30, Number 4

[9] Gyrophone: Recognizing Speech from Gyroscope Signals – 23rd USENIX Security Symposium, San Diego, CA, USA

[10] Handbook of Modern Sensors – Fifth Edition by Jacob Fraden

[11] Indoor Location Sensing Using Geo-Magnetism by Jaewoo Chung – MIT

فون ایسی جگہوں پر بھی اپنے مقام کا تعین کر لیتے ہیں جہاں جی پی ایس کے سگنل نہیں پہنچتے۔

- مقناطیسی میدان میں پیدا ہونے والی غیر معمولی تبدیلیاں (magnetic field disturbance) بالواسطہ طور پر قریبی برقی آلات، ٹرانسپورٹ کے نظام یا صنعتی ماحول کی موجودگی کا بھی پتا دے سکتے ہیں۔ جب ان معلومات کو آپریٹنگ سسٹم دیگر سینسرز کے ڈیٹا کے ساتھ ملا کر دیکھتا ہے تو اس سے ہمارے ارد گرد کے ماحول کے بارے میں درست معلومات جمع ہوتی ہیں۔[12]

روشنی پیما (Ambient Light Sensor)

ایمبئنٹ لائٹ سینسر (ALS) ایک روشنی کی پیائش کا سینسر ہے جسے سمارٹ فون کے ارد گرد موجود روشنی کی شدت ناپنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سمارٹ فون کے دیگر سینسرز کے مقابلے میں خاصہ سادہ ہے، لیکن پاور مینجمنٹ اور ڈسپلے کی بہتری میں اس کا اہم کردار ہے۔ جدید سمارٹ فونز اردگرد کی روشنی پر مسلسل نظر رکھتے ہیں تاکہ سکرین کی روشنی (brightness) خودکار طور پر ایڈجسٹ ہوتی رہے۔

جدید سمارٹ فونز کے لائٹ سینسرز روشنی کی مختلف wave lengths میں بھی فرق کر سکتے ہیں جس کی بدولت کیمروں میں وائٹ بیلنس (Adaptive White Balance) اور کلر ٹمپریچر کریکشن (Color Temperature Correction) جیسی سہولیات ممکن ہوتی ہیں۔ اعلیٰ درجے کے مہنگے سمارٹ فونز میں رنگوں کے سینسرز (Color Sensors) بھی لائٹ سینسر کے ساتھ ہوتے ہیں جو اردگرد کی روشنی کی ساخت (Spectral Composition) کا تعین کر سکتے ہیں۔

بظاہر روشنی کا سینسر پرائیویسی کے اعتبار سے زیادہ خطرناک محسوس نہیں ہوتا، کیونکہ یہ براہ راست کسی شخص کی شناخت کرنے والی معلومات کو ریکارڈ نہیں کرتا۔ لیکن اس سینسر سے حاصل ہونے والے ڈیٹا کو دیگر ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کے ساتھ ملا کر اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو جاسوسی کے لیے نہایت اہم معلومات دستیاب ہو جاتی ہیں۔

لائٹ سینسر کے ڈیٹا کو دیگر ڈیٹا سے ملا کر درج ذیل معلومات حاصل ہوتی ہیں:

- ہم اس وقت کسی عمارت کے اندر (Indoor) ہیں یا کھلی فضا (outdoor) میں۔
- دن کے مختلف اوقات میں ہماری عمومی سرگرمیوں کا معمول
- ہم روزانہ مصنوعی روشنی میں کتنا وقت گزارتے ہیں۔
- ہم اس وقت دفتر میں ہیں، سفر کر رہے ہیں، گھر میں ہیں یا سونے کے لیے لیٹے ہوئے ہیں۔

اگرچہ صرف روشنی کا سینسر جاسوسی کے لیے محدود اہمیت رکھتا ہے، لیکن اس کی مسلسل دستیابی اور نہایت کم توانائی خرچ کرنے کی خصوصیت اسے تمام سینسرز کو ملا کر معلومات پیدا کرنے کے لیے ایک مفید معاون بنا دیتی ہے۔

ہواپیما/بیرومیٹر (Barometer)

بہت سے جدید سمارٹ فونز میں انتہائی چھوٹے بیرومیٹر سینسر نصب ہوتے ہیں جو ہوا کے دباؤ کو غیر معمولی درستگی کے ساتھ ناپ سکتے ہیں۔ ہوا کا دباؤ بلندی میں اضافے کے ساتھ کم ہوتا جاتا ہے، بیرومیٹر کی مدد سے ان تبدیلیوں کو ناپ کر سمارٹ فون موزوں حالات میں ایک میٹر سے بھی کم بلندی کے فرق کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جب بیرومیٹر کی پیائشوں کو دیگر سینسرز کے ڈیٹا کے ساتھ ملایا جاتا ہے تو عمودی محل وقوع (vertical positioning) بہت درست انداز میں معلوم ہو جاتی ہے۔ سمارٹ فون میں یہ سینسر بلندی کا اندازہ لگانے، ہائیکنگ، موسمیاتی پیشین گوئی، عمارت میں منزل کا تعین کرنے، ورزش، اور ہنگامی حالات میں جگہ معلوم کرنے کی معاونت میں استعمال ہوتا ہے۔

جاسوسی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بیرومیٹر ایسی معلومات فراہم کرتا ہے جو صرف جی پی ایس کی مدد سے قابل اعتماد انداز میں حاصل نہیں کی جا سکتیں یعنی عمودی حرکت (Vertical Movement)۔

اس صلاحیت کے سبب سمارٹ فون یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ہم:

- سیڑھیاں چڑھ رہے ہیں یا اتر رہے ہیں
- لفٹ استعمال کر رہے ہیں
- برقی زینہ یعنی ایسکیلیٹر (escalator) استعمال کر رہے ہیں
- کثیر المنزلہ عمارت میں ایک منزل سے دوسری منزل پر جا رہے ہیں۔
- ہوائی جہاز میں موجود ہیں
- پہاڑی علاقے میں سفر کر رہے ہیں
- زیر زمین موجود ہیں۔

بیرومیٹر سے حاصل ہونے والے ڈیٹا کو اگر دیگر دستیاب موسمی معلومات اور عمارتوں کے نقشوں کے ساتھ ملا دیا جائے تو اس سے بالکل درست اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی عمارت میں سمارٹ فون کس منزل پر موجود ہے۔ یہ ڈیٹا جب دیگر سینسرز کے ڈیٹا کے ساتھ ملتا ہے تو کسی عمارت کے اندر یا زیر زمین ہماری نقل و حرکت اور مقام کا نہایت دقیق اندازہ بتا دیتا ہے کیونکہ دیگر سینسرز بلندی کا اندازہ نہیں کر سکتے، ان میں ایکسلرومیٹر یہ تو بتا سکتا ہے کہ ہم اوپر کی جانب جا رہے ہیں یا نیچے کی جانب جا رہے ہیں لیکن وہ بلندی یا پستی کا درست اندازہ نہیں بتا سکتا کہ کتنا اوپر چلے گئے ہیں یا کتنا نیچے چلے گئے ہیں اس کے لیے بیرومیٹر کام آتا ہے۔ اس

12 A global self-localization technique utilizing local anomalies of the ambient magnetic field – 2009 IEEE International Conference on Robotics and Automation

طرح ایکسیلرومیٹر، جائروسکوپ، میگنیٹومیٹر اور بیرومیٹر سب مل کر زیر زمین بنکرز، تہہ خانوں میں یا بڑی بڑی عمارتوں کے اندر جہاں جی پی ایس کے سگنلز کام نہیں کرتے ہماری بالکل درست لوکیشن کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔[۱۳]

مائیکروفون (Microphone)

سمارٹ فون کے تمام سینسرز میں مائیکروفون ذاتی معلومات کے سب سے زیادہ حساس ذرائع میں شمار ہوتا ہے۔ تقریباً ہر سمارٹ فون میں ایک سے زیادہ اعلیٰ معیار کے مائیکروفون نصب ہوتے ہیں، جنہیں آواز کی بہتری، شور کم کرنے، سٹیریو ریکارڈنگ اور آڈیو پراسیسنگ کے لیے مخصوص مقامات پر نصب کیا جاتا ہے۔

عام سمارٹ فونز میں عموماً دو سے تین مائیکروفون ہوتے ہیں جب کہ اعلیٰ درجے کے فونز میں اضافی مائیکروفون بھی شامل ہو سکتے ہیں، جو جدید Beamforming اور شور کی کمی (Noise Reduction) جیسی سہولیات کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

صوتی ریکارڈنگ میں اکثر نہایت حساس ذاتی معلومات شامل ہونے کے سبب دیگر بہت سے سینسرز کی نسبت مائیکروفون تک رسائی (access) کے لیے عموماً آپریٹنگ سسٹم کی واضح اجازتوں (permissions) کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم جب مائیکروفون تک رسائی حاصل ہو جائے، چاہے وہ صارف کی طرف سے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر دی گئی ہو یا کسی سپائی ویئر (Spyware: جاسوسی کے وائرس) نے خود سے حاصل کر لی ہو، تو جاسوسی کے امکانات بہت وسیع ہو جاتے ہیں۔

مائیکروفون تک رسائی جو معلومات ظاہر کر سکتی ہے ان میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- حساس یا نجی گفتگو
- کمپنی، جماعت یا تنظیم کے اجلاس
- مالی معاملات سے متعلق گفتگو
- طبی مشاورت
- دینی سرگرمیاں
- قریب موجود دیگر افراد کی گفتگو

اس کے علاوہ مائیکروفون تک رسائی پس منظر اور ہمارے ارد گرد کے ماحول کے بارے میں بھی تفصیلی معلومات ظاہر کر سکتی ہے، مثلاً:

- ہم اس وقت کس جگہ موجود ہیں، کسی ریستوران میں، ہوائی اڈے کے ٹرمینل پر، ریلوے سٹیشن میں، کسی شاپنگ مال میں، کھیلوں کی کسی تقریب میں، کسی مذہبی اجتماع میں، یا اپنے گھر میں۔
- ہم گاڑی پر، بس میں، ٹرین پر، جہاز پر یا پیدل سفر کر رہے ہیں۔
- گھر میں موجود افراد کی تعداد کیا ہے اور ان میں کتنے مرد، خواتین اور بچے ہیں۔
- گھر میں پالتو جانوروں کی موجودگی

مائیکروفون کے ذریعے حاصل شدہ ڈیٹا کی مدد سے جدید مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کے نظام آوازوں کی شناخت بڑی درستگی سے کر سکتے ہیں اس کے علاوہ مشین لرننگ ماڈلز بھی مختلف صوتی آوازوں میں آسانی اور انتہائی درستگی سے فرق کر سکتے ہیں۔

خود بولے گئے الفاظ کے علاوہ آواز میں وسیع پیمانے پر بائیومیٹرک معلومات موجود ہوتی ہیں۔ آواز کی شناخت کے نظام (Voice Recognition Systems) صوتی خصوصیات کا تجزیہ کر کے افراد کی شناخت، عمر کا اندازہ، جذباتی کیفیت کا تعین، ذہنی دباؤ کی سطح کا اندازہ، اور زبان یا علاقائی لہجے کی شناخت کر سکتے ہیں۔

گوگل بالخصوص اور سوشل میڈیا ایپس بالعموم مستقل مائیکروفون کو سنتے رہتے ہیں اور سمارٹ فون کے قریب موجود لوگوں کی گفتگو سے صارف کے لیے اپنی سروس اور اشتہارات کو کسٹمائز کرتے ہیں۔ یہ ایک عمومی مشاہدہ ہے کہ اگر سمارٹ فون کے قریب بیٹھے افراد کسی خاص موضوع پر گفتگو کر رہے ہوں تو کچھ وقت بعد سوشل میڈیا ایپس اور گوگل پر اسی سے متعلقہ اشتہارات آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

انٹیلی جنس اداروں کی جانب سے جاسوسی کے لیے استعمال ہونے والے سپائی ویئرز انتہائی خفیہ انداز میں اور اس حد تک خاموشی سے مائیکروفون کو استعمال کرتے ہیں کہ صارف کو اس کا بالکل علم نہیں ہو پاتا یہاں تک کے سیٹنگز میں مائیکروفون کے آن ہونے کا بھی کوئی نشان نہیں آتا۔ اسی طرح ایسے سپائی ویئرز کی موجودگی میں انکرپٹڈ صوتی رابطہ کاری بھی بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ آواز کی ریکارڈنگ اور پراسیسنگ انکرپشن سے پہلے ہو رہی ہوتی ہے اس لیے سگنل، واٹس ایپ یا دیگر انکرپٹڈ رابطہ کاری کے ایپس میں آواز کے استعمال کے دوران ساری معلومات سپائی ویئرز چرا رہے ہوتے ہیں۔

کیمرہ (Camera)

جدید سمارٹ فونز میں موجود کیمروں کی صلاحیتیں اب گزشتہ دہائی کے پروفیشنل ڈیجیٹل کیمروں کے برابر ہو چکی ہیں۔

بصری معلومات (Visual Information) ڈیجیٹل ڈیٹا کی سب سے بھرپور اقسام میں سے ایک ہے، کیونکہ ایک تصویر بیک وقت بے شمار سیاقی تفصیلات (Contextual Details) محفوظ کر سکتی ہے۔ مثلاً جغرافیائی مقام، ذاتی تعلقات، گھر کے اندرونی حالات،

---

[۱۳] A Sensor-Centric Survey on the Development of Smartphone Measurement and Sensing System by Marco Grossi

مالی حیثیت، کام کی جگہ کا ماحول، ملکیت میں موجود گاڑی، شناختی دستاویزات، کمپیوٹر سکرین یا طبی معلومات وغیرہ۔

اس کے علاوہ تصاویر کی فائلز میں محفوظ میٹاڈیٹا (Metadata) میں اکثر یہ معلومات شامل ہوتی ہیں:

- جہاں تصویر کھینچی گئی اس کا جی پی ایس نقطہ
- وقت اور تاریخ
- سمارٹ فون کا ماڈل
- کیمرے کی سیٹنگز
- تصویر کا رخ (Orientation)
- لینز کی معلومات

کیمرہ سے حاصل شدہ ڈیٹا کی مدد سے مصنوعی ذہانت کے ماڈل (AI Models) اب معمول کے مطابق درج ذیل کام انجام دیتے ہیں:

- چہرے کی شناخت (Facial Recognition)
- اشیاء کی شناخت (Object detection)
- مناظر کی درجہ بندی (Scene Classification)
- تصویری حروف کی شناخت (Optical Character Recognition)
- گاڑیوں کی نمبر پلیٹ کی شناخت (License Plate Recognition)
- شناختی مطابقت (Identity Matching)
- جذبات کا اندازہ (Emotion Estimation)
- ہجوم کا تجزیہ (Crowd Analysis)

انٹیلی جنس ادارے ان صلاحیتوں کو خفیہ معلومات جمع کرنے اور اپنے ہدف کی شناخت کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جاسوسی کے لیے بنائے گئے مخصوص سپائی ویئر انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ کیمرہ پر دسترس (access) حاصل کر لیتے ہیں یہاں تک کہ نہ تو کیمرہ چلنے کی لائٹ (Indication Light) جلتی ہے اور نہ ہی سیٹنگز میں کیمرہ Enable نظر آتا ہے۔ مائیکروفون کی طرح کیمرے کے معاملے میں بھی اگر ایسے سپائی ویئر فون میں موجود ہوں تو سگنل، وٹس ایپ یا دیگر ایپلیکیشنز کی انکرپشن بے معنی ہو جاتی ہے اور دشمن کو معلومات انکرپٹ ہونے سے قبل ہی فراہم ہو جاتی ہے۔

بلیوٹوتھ (Bluetooth)

بلیوٹوتھ ایک مختصر فاصلے تک کام کرنے والا وائرلیس کمیونیکیشن پروٹوکول (Wireless communication protocol) ہے، جسے قریبی آلات کے درمیان کم توانائی کے ساتھ رابطے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اواخر میں متعارف ہونے کے بعد بلیوٹوتھ سمارٹ فونز کا ایک لازمی جزو بن چکا ہے۔

بلیوٹوتھ وقتاً فوقتاً اپنی شناخت سے متعلق معلومات نشر (broadcast) کرتا رہتا ہے تاکہ دوسرے آلات اسے دریافت کر سکیں اور ان کے درمیان رابطہ قائم ہو سکے۔ اگرچہ جدید سسٹمز پرائیویسی کی حفاظت کے لیے بلیوٹوتھ کے ایڈریس کو مسلسل تبدیل (Randomize) کرتے رہتے ہیں، پھر بھی ان کے ذریعے صارف کی نقل و حرکت کا سراغ لگانے کے متعدد امکانات موجود رہتے ہیں۔

بلیوٹوتھ مختلف طریقوں سے جاسوسی میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ سب سے پہلے، آس پاس موجود بلیوٹوتھ آلات خود بہت سی اہم معلومات فراہم کرتے ہیں، مخصوص پہننے والے آلات (Wearables)، گاڑیوں کے نظام یا گھریلو الیکٹرانک آلات کی بار بار موجودگی سے تعلقات، روزمرہ سفر کی عادات یا رہائش گاہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح شاپنگ مالز، ایئر پورٹس، اور دیگر عوامی مقامات پر نصب بلیوٹوتھ بیکنز (Bluetooth Beacons) عمارتوں کے اندر نہایت درست مقام معلوم کرنے کی سہولت فراہم کرتے ہیں۔ یہ کم قیمت ٹرانسمیٹر منفرد شناختی اشارات (Unique Identification Signals) نشر کرتے ہیں، جنہیں سمارٹ فون خودکار طور پر وصول کرتے ہیں۔ اس طرح کسی عمارت کے اندر مقام کا تعین جی پی ایس کے مقابلے میں کہیں زیادہ درستگی سے ممکن ہو جاتا ہے۔

اسی طرح Proximity Analysis مختلف آلات کی بار بار ایک ہی مقام پر موجود ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر دو سمارٹ فونز طویل عرصے تک مسلسل ایک دوسرے کی موجودگی ریکارڈ کرتے رہیں، تو مشین لرننگ نظام اس سے ذاتی تعلقات، کام کی جگہ پر روابط یا ایک ہی گھر میں رہائش پذیر افراد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بلیوٹوتھ سگنلز کی طاقت (Signal Strength) کی پیمائش سے آلات کے درمیان فاصلے کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے، جس کی مدد سے رابطوں کا سراغ لگانا (Contact Tracing)، کسی جگہ موجود افراد کی تعداد کی نگرانی (Occupancy Monitoring) اور گزشتہ نقل و حرکت کا ریکارڈ بنانا ممکن ہو جاتا ہے۔

انٹیلی جنس اداروں کی جانب سے سمارٹ فون میں ڈالے گئے سپائی ویئرز کو بلیوٹوتھ کا ڈیٹا لینے کے لیے کسی اضافی صلاحیت کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اسے متاثرہ فون پر مکمل کنٹرول حاصل ہوتا ہے۔ حملہ آور قریبی آلات کی فہرست تیار کر سکتے ہیں، ان سے منسلک لوازمات (Accessories) کی شناخت کر سکتے ہیں یا بلوٹوتھ مواصلات کو مجموعی صورتحال کے ادراک (Situational Awareness) کے ایک جزو کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔

لیکن ان سب سے بڑھ کر بلیوٹوتھ سمارٹ فون کو ہیک کرنے کے لیے ایک Attack Surface بھی ہے۔ دیگر وائرلیس کمیونیکیشن پروٹوکولز کی طرح بلیوٹوتھ بھی ایک پیچیدہ سافٹ ویئر سیٹ کے ذریعے کام کرتا ہے، جو آلات کی دریافت (Device Discovery)، شناخت کی تصدیق (Authentication)، انکرپشن، پیئرنگ اور ڈیٹا

کے تبادلے جیسے امور ہینڈل کرتا ہے۔ ان اجزاء میں موجود کمزوریاں (Vulnerabilities) کسی حملہ آور کو یہ موقع دے سکتی ہے کہ وہ سمارٹ فون کو ہیک کر سکے۔

ماضی میں سکیورٹی محققین نے موبائل آپریٹنگ سسٹمز میں بلیوٹوتھ سے متعلق بہت سی کمزوریاں دریافت کی ہیں جن کی وجہ سے کسی حملہ آور کے لیے شناخت کی تصدیق کو نظر انداز کرنا (Authentication Bypass)، سروس سے محروم کرنے والے حملہ کرنا (Denial-of-Service Attacks)، اختیارات میں اضافہ کرنا (Privilege Escalation)، اور دور بیٹھ کر سمارٹ فون میں کوئی کوڈ چلانا (Remote Code Execution)، ممکن ہو جاتا ہے۔

اس کی ایک نمایاں مثال BlueBorne نامی کمزوری (Vulnerability) تھی جس کا انکشاف ۲۰۱۷ء میں ہوا۔ BlueBorne نے یہ ثابت کیا کہ اگر کوئی اینڈرائڈ سمارٹ فون اس خامی سے محفوظ نہ کیا گیا ہو تو بلیوٹوتھ کی رینج میں موجود حملہ آور فون کو پیئر کیے بغیر اور صارف کی کسی قسم کی مداخلت کے بغیر اسے ہیک کر سکتا ہے۔ اگرچہ بعد ازاں اس خامی کو دور کرنے کے لیے سکیورٹی اپ ڈیٹس جاری کر دیے گئے تھے لیکن اس واقعے نے یہ واضح کر دیا کہ بلیوٹوتھ کسی سمارٹ فون میں در اندازی کا ابتدائی ذریعہ بن سکتا ہے۔[۱۴]

تاہم ایسے زیادہ تر صارفین جو سمارٹ فون کو مکمل طور پر تازہ ترین سکیورٹی اپ ڈیٹس کے ساتھ استعمال کر رہے ہوں، ان کے لیے بلیوٹوتھ کے ذریعے آلہ متاثر ہونے کے امکانات ان حملوں کے مقابلے میں کہیں کم ہیں جو انٹرنیٹ سے منسلک ایپس جیسے میسجنگ ایپس اور ویب براؤزرز کے ذریعے کیے جاتے ہیں۔ بلیوٹوتھ پر مبنی حملوں کے لیے حملہ آور کا زمینی طور پر قریب ہونا ضروری ہوتا ہے، عموماً چند درجن میٹر کے فاصلے کے اندر، اور اس کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ سمارٹ فون کے بلیوٹوتھ نظام میں کوئی قابلِ استحصال (Exploitable) کمزوری موجود ہو۔ تب بھی یہ اسی صورت میں خطرناک ہو سکتا ہے جب سمارٹ فون میں انٹرنیٹ استعمال نہ ہوتا ہو، وائی فائی موجود نہ ہو اور نہ ہی سیلولر ماڈم موجود ہو جو کہ حملے کے نسبتاً زیادہ اہم ذرائع ہیں۔

وائی فائی (Wi-Fi)

وائی فائی جدید سمارٹ فونز میں استعمال ہونے والی بنیادی کمیونیکیشن ٹیکنالوجیز میں سے ایک ہے۔ انٹرنیٹ سے رابطہ فراہم کرنے کے علاوہ، وائی فائی مقام معلوم کرنے اور ارد گرد کے ماحول سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا بھی ایک اہم ذریعہ بن چکا ہے۔ سمارٹ فونز مسلسل اپنے ارد گرد موجود وائرلیس نیٹ ورکس کی تلاش کرتے رہتے ہیں، خواہ وہ اس وقت کسی نیٹ ورک سے منسلک نہ بھی ہوں۔ اس عمل کے دوران درج ذیل معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔

- نیٹ ورک کے نام (SSIDs)
- ہارڈویئر کے شناختی سگنلز (BSSIDs)
- سگنل کی طاقت (Signal Strength)
- وائرلیس چینل کی معلومات
- سکیورٹی کنفیگریشنز (Security Configurations)

سمارٹ فونز گنجان آباد شہری علاقوں میں وائی فائی کے ذریعے مقام کا تعین اکثر جی پی ایس جتنی درستگی سے کر لیتے ہیں، جبکہ عمارتوں کے اندر یہ سیٹلائٹ نیویگیشن سے کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔[۱۵]

جاسوسی کے نقطۂ نظر سے وائی فائی کے مشاہدات درج ذیل معلومات فراہم کر سکتے ہیں:

- وہ مقامات جہاں ہمارا اکثر آنا جانا ہوتا ہے۔
- گھر کا وائی فائی نیٹ ورک
- کام کی جگہ کا وائی فائی نیٹ ورک
- سفر کے معمولات
- عمارت میں موجودگی اور اس کا مقام
- عمارت کے اندر نقل و حرکت

وائی فائی سے حاصل ہونے والا میٹا ڈیٹا نیٹ ورک ٹریفک کے تجزیے (Traffic Analysis) میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس کی مدد سے سروس فراہم کرنے والے (Service Providers) رابطے کا دورانیہ، بینڈوڈتھ کا استعمال، مواصلات کے اوقات اور ان بنیادی نیٹ ورک انفراسٹرکچرز کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جن سے رابطہ کیا جا رہا ہوتا ہے، چاہے ایپلی کیشن کا اصل مواد انکرپٹڈ ہی کیوں نہ ہو۔

وائی فائی جدید سمارٹ فونز میں حملوں کے لیے سب سے بڑے Attack Surfaces میں سے ایک بھی ہے۔ وائی فائی کا نظام ہارڈویئر، فرم ویئر، ڈرائیورز اور آپریٹنگ سسٹم کے ان اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے جو وائرلیس نیٹ ورکس کی تلاش، شناخت کی تصدیق (Authentication)، کمیونیکیشن انکرپشن، اور نیٹ ورک ٹریفک کے تبادلے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان تمام اجزاء کی پیچیدگی کے باعث وقتاً فوقتاً ایسی سکیورٹی کمزوریاں (Vulnerabilities) سامنے آتی رہتی ہیں جن سے حملہ آور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

---

[۱۴] The dangers of Bluetooth implementations: Unveiling zero day vulnerabilities and security flaws in modern Bluetooth stacks by Ben Seri & Gregory Vishnepolsky - ARMIS

[۱۵] Smartphone Sensor Based Indoor Positioning: Current Status, Opportunities, and Future Challenges by Imran Ashraf, Soojung Hur and Yongwan Park – Electronics Journal Special Issue "Recent Advancements in Indoor Positioning and Localization"

بلیوٹوتھ کے مقابلے میں وائی فائی کہیں زیادہ فاصلے تک کمیونیکیشن اور کہیں زیادہ بینڈوڈتھ فراہم کرتا ہے۔ عام حالات میں سمارٹ فون وائرلیس ایکسیس پوائنٹ (Wireless AP) کے ذریعے کئی درجن میٹر تک رابطہ قائم کرسکتے ہیں، جبکہ مخصوص سمت میں کام کرنے والے انٹینا (Directional Antennas) اور زیادہ طاقت والے ریڈیو آلات (High-Gain Radio Equipment) سازگار حالات اور براہ راست Line-of-Sight میسر ہونے پر اس فاصلے کو نمایاں حد تک بڑھا سکتے ہیں۔ اس لیے حملہ آور کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اپنے ہدف کے بالکل قریب موجود ہو تاکہ اس کے وائی فائی سے تعامل کرسکے۔

اس کی ایک نمایاں مثال KRACK (Key Reinstallation Attack) ہے، جس کا انکشاف ۲۰۱۷ء میں ہوا۔ اس حملے میں وائی فائی کی پاسورڈ انکرپشن نظام WPA2 میں موجود کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا گیا۔ KPACK نے خود WPA2 کی انکرپشن کو نہیں توڑا، بلکہ Key کے تبادلے اور Key Negotiation کے عمل میں ردوبدل کرکے حملہ آور کو وائی فائی کی حدود کے اندر رہتے ہوئے سیکیور کمیونیکیشن میں مداخلت کا موقع فراہم کر دیا۔ اگرچہ بعد میں آنے والی اپ ڈیٹس نے اس کمزوری کا تدارک کر دیا، لیکن KPACK نے یہ واضح کر دیا کہ معیاری وائرلیس سیکیورٹی پروٹوکول بھی اپنے عملی نفاذ میں ایسی خامیاں رکھ سکتے ہیں جو سمارٹ فون کے ہیک ہونے کا سبب بن جائیں۔[۱۶]

وائی فائی نظام کو کامیابی سے متاثر کر لینے کے بعد اگر حملہ آور سمارٹ فون پر اپنی مرضی کا کوڈ (Arbitrary Code) چلانے اور بعد ازاں دیگر کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اعلیٰ اختیارات (Elevated Privileges) حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے، تو حملہ آور وائرلیس انٹرفیس سے کہیں آگے بڑھ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں پورا سمارٹ فون ہیک ہو جاتا ہے اور حملہ آور کو اس میں موجود فائلز، کمیونیکیشنز، کیمرہ، مائیکروفون اور دیگر تمام سینسرز تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وائی فائی کی کمزوریاں صرف اس لیے اہم نہیں کہ وہ وائرلیس کمیونیکیشن کو متاثر کرتی ہیں بلکہ اس لیے بھی اہم ہیں کہ وہ سمارٹ فون پر زیادہ وسیع پیمانے پر دراندازی (Device Compromise) کا دروازہ بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔

سیلولر موڈیم (Cellular Modem)

سیلولر موڈیم موبائل نیٹ ورک کے بنیادی انفراسٹرکچر کے ساتھ مسلسل رابطہ برقرار رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہی نظام وائس کالز، ایس ایم ایس، ایمرجنسی سروسز اور موبائل ڈیٹا کنیکشن کو ممکن بناتا ہے۔ سمارٹ فون اور موبائل نیٹ ورک کے درمیان ہونا والا ہر تعامل اسی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

جدید سمارٹ فونز موبائل ٹیکنالوجی کی متعدد جنریشنز کو سپورٹ کرتے ہیں جن میں 2G (GSM)، 3G(UMTS)، 4G LTE، اور جدید ترین (NR) 5G شامل ہیں۔ یہ موڈیم قریبی سیلولر بیس سٹیشنز (Cellular Base Stations) کے ساتھ مسلسل سگنلنگ پیغامات کا تبادلہ کرتا رہتا ہے تاکہ رابطہ برقرار رکھا جا سکے، صارف کی تصدیق (Authentication) کی جا سکے، انکرپشن کے پیرامیٹر طے کیے جا سکیں، سگنل کے معیار کی پیمائش کی جا سکے وغیرہ۔

یہاں تک کہ جب ہم کال نہیں بھی کر رہے ہوتے یا انٹرنیٹ استعمال نہیں کر رہے ہوتے، تب بھی یہ موڈیم فعال رہتا ہے۔ یہ وقفے وقفے سے قریبی بیس سٹیشن سے رابطہ کرتا ہے تاکہ اپنی موجودگی اور فعالیت بتا سکے۔ یہ مسلسل سگنلنگ سیلولر نیٹ ورکس کے کام کرنے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، لیکن اسی کے نتیجے میں ایسا میٹا ڈیٹا بھی پیدا ہوتا ہے جو ہمارے بارے میں قیمتی معلومات ظاہر کر سکتا ہے۔

جاسوسی کے نقطۂ نظر سے سیلولر کمیونیکیشن وسیع پیمانے پر جو میٹاڈیٹا پیدا کرتے ہیں ان میں درج ذیل چیزیں شامل ہو سکتی ہیں:

- صارف کی شناخت (Subscriber Identity)
- موبائل ڈیوائس کی شناخت (Device Identity)
- جس سیل ٹاور سے موڈیم منسلک ہے۔
- قریب میں موجود تمام سیل ٹاورز
- سگنل کی طاقت (Signal Strength)
- وقت سے متعلق پیمائش (Timing Measurements)
- کنکشن کا دورانیہ
- کال ریکارڈز
- ڈیٹا سیشن ریکارڈز
- رومنگ/roaming کی معلومات

موبائل نیٹ ورک سروس پرووائیڈرز (Cellular Network Service Providers) چاہے انکرپٹڈ کمیونیکیشن کو نہ بھی دیکھ سکیں لیکن میٹا ڈیٹا کو وہ لازمی پراسیس کرتے ہیں۔ اس میٹا ڈیٹا سے صارف کا جغرافیائی مقام پتہ چلتا ہے، یہ بنیادی طور پر جس سیل ٹاور سے موڈیم کنیکٹ ہے اس کے ذریعے پتہ چلتا ہے لیکن مزید درستگی کے لیے سمارٹ فون کے گرد ایک مثلث کی شکل میں بیس سٹیشنز کے ساتھ سگنل کے تبادلہ کیا جاتا ہے جسے Triangulation کہتے ہیں۔

[۱۶] Key Reinstallation Attacks: Breaking WPA2 by forcing nonce reuse – KrackAttacks.com

مختلف ٹاورز کے ساتھ ہونے والے مسلسل رابطے شہروں، شاہراہوں اور دیہی علاقوں میں صارف کی نقل و حرکت کا پتہ دیتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ ریکارڈ آنے جانے کے معمولات، سفر کا ریکارڈ، وہ جگہیں جہاں صارف بار بار جاتا ہے اور مصروفیت اور فراغت کے اوقات کو ظاہر کر سکتے ہیں۔

سیلولر موڈیم سمارٹ فون میں موجود سے زیادہ حساس سکیورٹی انٹرفیس میں سے بھی ایک ہے۔ اس کا بیس بینڈ فرم ویئر پروپرائیٹری (Proprietary) ہوتا ہے اور چپ سیٹ بنانے والی کمپنیاں اسے الگ سے تیار کرتی ہیں۔ نتیجتاً اسے اوپن سورس سافٹ ویئرز سے برعکس عوامی آڈٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ماضی میں سکیورٹی محققین نے سیلولر پروٹوکولز میں متعدد کمزوریاں دریافت کی ہیں جو کسی حملہ آور کو سمارٹ فون میں دور سے کوڈ چلانے (Remote Code Execution)، سروس معطل کرنے (Denial-of-Service) یا غیر مجاز رسائی تک کی اجازت دے دیتی ہیں۔

اسی طرح ریاستی سطح کی جدید جاسوسی کی کارروائیوں میں بعض اوقات سیلولر انفراسٹرکچر کی کمزوریوں سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ مثلاً:

- جعلی بیس سٹیشن کا استعمال (جنہیں عام طور پر IMSI Catcher یا Stingrays کہا جاتا ہے۔)
- پروٹوکولز کو نشانہ بنانے والے سگنلنگ سسٹم حملے۔
- ریاستی سرپرستی میں ٹیلی کمیونیکیشن کے اداروں کی جانب سے کی جانے والی ''قانونی مداخلت'' (Lawful Interception) کی صلاحیتیں۔

ان نقاط کے حوالے سے آنے والے ابواب میں بات ہو گی۔

اس طرح سیلولر موڈم ایک اہم فرق کو واضح کرتا ہے۔ جاسوسی کے لیے لازمی طور پر کسی سپائی ویئر یا وائرس کی ضرورت نہیں ہوتی، نگرانی کی بعض اقسام کمیونیکیشن انفراسٹرکچر سے خود بخود پیدا ہوتی ہیں۔

سینسر فیوژن (Sensor Fusion): متعدد سینسرز کا امتزاج

اگر سمارٹ فون کے ہر سینسر کو الگ الگ دیکھا جائے تو وہ ہماری سرگرمیوں کے بارے میں صرف محدود معلومات فراہم کرتا ہے لیکن جدید سمارٹ فونز میں نگرانی و جاسوسی کی اصل صلاحیت اس وقت سامنے آتی ہے جب ڈیٹا کے ان مختلف ذرائع کا اجتماعی تجزیہ ایک ایسے عمل سے کیا جائے جسے سینسر فیوژن (Sensor Fusion) کہتے ہیں۔

سینسر فیوژن سے مراد متعدد سینسرز سے علیحدہ علیحدہ موصول ہونے والے ڈیٹا کو یکجا کرنا تا کہ حقیقی دنیا کی ایسی تصویر تیار کی جا سکے جو کسی ایک سینسر کی فراہم کردہ معلومات کے مقابلے میں زیادہ درست، زیادہ قابلِ اعتماد اور زیادہ جامع ہو۔[۱۷]

Android اور iOS دونوں مسلسل تمام سینسرز اور کمیونیکیشن انٹرفیسز سے حاصل ہونے والی معلومات کو یکجا کرتے رہتے ہیں۔ ریاستی سرپرستی میں تیار کیے جانے والے سپائی ویئرز کسی سمارٹ فون کو ہیک کر لینے کے بعد سمارٹ فون کا مشین لرننگ نظام ان سینسرز کے ڈیٹا کو استعمال کر کے جو تجزیہ اور نتائج اخذ کر رہا ہوتا ہے اسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

سمارٹ فون آپریٹنگ سسٹم سینسر فیوژن کے ذریعے جو نتائج اخذ کرتا ہے اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

صارف کے رویے کا استنباط (Inferring User Behavior)

سینسر فیوژن کے اہم ترین نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے ذریعے ایسی معلومات اخذ کی جا سکتی ہیں جو ہم نے کبھی براہ راست ظاہر ہی نہیں کی ہوتیں۔

یہ استنباط بنیادی طور پر براہ راست مشاہدے سے مختلف ہوتا ہے، مثلاً سمارٹ فون کہیں یہ جملہ ریکارڈ نہیں کرتا کہ ''صارف اپنے دفتر پہنچ گیا ہے۔'' اس کی بجائے مشین لرننگ نظام مختلف اشاروں (Indicator) کا تجزیہ کرتے ہیں جو مجموعی طور پر اس نتیجے کی تائید کرتے ہیں۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل سادہ مثال پر غور کریں:

- جی پی ایس ظاہر کرتا ہے کہ ہم ہر روز صبح ایک ہی مقام پر پہنچتے ہیں۔
- اس مقام پر پہنچنے کے بعد وائی فائی خودکار طور پر پہلے سے معلوم وائی فائی نیٹ ورک سے جڑ جاتا ہے۔
- ایکسیلرومیٹر کا ڈیٹا ظاہر کرتا ہے کہ ہم پیدل چل رہے تھے پھر ایک مقام پر ساکن ہو گئے۔
- روشنی کی پیمائش کا سینسر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہم پہلے کھلی فضا میں اور دھوپ میں تھے پھر مصنوعی روشنی کے ماحول میں داخل ہو گئے۔

اس طرح کے دیگر سینسرز کا ڈیٹا بھی شامل کر لیں، لیکن ان میں سے کوئی ایک مشاہدہ تنہا اس مقام کا دفتر ہونا ثابت نہیں کرتا، لیکن جب یہ سب معلومات اکٹھی کی جائیں تو یہ اس نتیجے کے حق میں نہایت مضبوط شواہد فراہم کرتی ہیں۔

اس طرح یہ تکنیک درج ذیل امور کا اندازہ بھی لگا سکتی ہے:

- ہمارے سونے جاگنے کا معمول کیا ہے
- ہماری ورزش کی عادات کیا ہیں

---

[۱۷] A Survey of Mobile Phone Sensing – IEEE Communications Magazine Volume 48, Issue 9

- ہمارا ڈرائیونگ کا انداز کیا ہے
- ہماری خریداری کی ترجیحات کیا ہیں اور ہم کن شاپنگ مالز میں خریداری کرنا پسند کرتے ہیں۔
- ہمارا کن ریستورانوں میں آنا جانا ہوتا ہے
- ہمارے مذہبی رجحانات کیا ہیں
- ہمارے سیاسی رجحانات کیا ہیں
- ہم کس تعلیمی ادارے سے منسلک ہیں
- ہمارا طبی معائنے کا معمول کیا ہے اور کس ڈاکٹر سے طبی معائنہ کرواتے ہیں
- معاشرے میں ہمارے تعلقات کن افراد سے کس نوعیت کے ہیں۔

یہ سب نتائج سمارٹ فون خودکار طور پر مشین لرننگ کے ذریعے خاموشی سے اخذ کر رہا ہوتا ہے۔ جب ہم اپنی رضامندی سے اپنا لوکیشن ڈیٹا اور اس طرح کی دیگر چیزیں شیئر کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ بظاہر بے ضرر نظر آنے والے اس عمل پر کیا جانے والا تجزیہ طویل المدت میں ہماری نجی زندگی کے انتہائی ذاتی پہلوؤں کو بھی آشکار کر رہا ہوتا ہے۔[۱۸]

سرگرمیوں کی شناخت (Activity Recognition)

سرگرمیوں کی شناخت (Activity Recognition) سمارٹ فون میں سینسر فیوژن کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ استعمال ہے۔ جسمانی سرگرمیوں کا اندازہ لگانے والے سینسرز سے ڈیٹا وصول کر کے مشین لرننگ الگورتھمز حرکت کے مخصوص نمونوں (Movement Patterns) کو پہچان کر ان کی مختلف سرگرمیوں میں درجہ بندی کرتے ہیں۔

اس طریقے سے حاصل ہونے والا روزمرہ کے معمولات کا علم مستقبل کی پیش گوئی کی صلاحیت کو نمایاں حد تک بڑھا دیتا ہے۔ اگر کوئی سمارٹ فون کئی ہفتوں تک ایک ہی قسم کے سفری معمولات کا مشاہدہ کرے تو مستقبل کے ممکنہ مقامات پر سفر کی پیش گوئی نسبتاً آسان ہو جاتی ہے۔ اس طرح معمول سے ہٹ کر کی جانے والے سرگرمی خود بھی ایسی اہم معلومات بن سکتی ہے جس پر مزید تجزیہ کیا جائے۔[۱۹]

ماحول کا تجزیہ (Environmental Analysis)

سمارٹ فون کا سینسر فیوژن نظام سینسرز سے حرکت، جغرافیائی مقام اور روشنی کا ڈیٹا لے کر، مائیکروفون سے اردگرد کے ماحول کی آوازوں کا تجزیہ کر کے، جس جگہ موجود ہیں وہاں حال یا ماضی میں کھینچی گئی تصاویر کا تجزیہ کر کے اور وائی فائی اور بلیوٹوتھ کے ذریعے اردگرد کے ڈیجیٹل آلات کی نشاندہی کرتے ہوئے ہمارے اردگرد کے ماحول کی ایک مکمل ڈیجیٹل تصویر تشکیل دیتے ہیں۔ جب ریاستی سرپرستی میں چلنے والا سپائی ویئر کسی فون میں داخل ہو جائے تو وہ اس سینسر فیوژن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہایت درستگی کے ساتھ انٹیلی جنس جمع کر سکتا ہے، جس کے نتیجے میں ان سپائی ویئرز کے آپریٹرز نہ صرف اپنے ہدف کے مقام کا تعین کر سکتے ہیں بلکہ اس کی سرگرمیوں، تعلقات، روزمرہ معمولات اور اس کے اردگرد کے ماحول کو بھی پوری طرح سمجھ سکتے ہیں۔[۲۰]

اس طرح یہ سینسر فیوژن سمارٹ فون کو ایک ایسا فعال، سیاق و سباق سے آگاہ سینسنگ پلیٹ فارم (Context-Aware Sensing Platform) بنا دیتا ہے جو اپنے ماحول کو مسلسل محسوس کرتا اور اس کا تجزیہ کرتا رہتا ہے۔ ہر سینسر اپنی جگہ ایک عملی مقصد تو پورا کر رہا ہوتا ہے لیکن ان سب کی مشترکہ معلومات انسانی رویوں کے بارے میں ایسی غیر معمولی بصیرت فراہم کرتی ہیں جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ سینسنگ (Sensing)، کمپیوٹنگ (Computing)، کنیکٹیوٹی (Connectivity) اور مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کا یہی امتزاج وہ تکنیکی بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر ہمارے رویوں کی پروفائلنگ (Behavioral Profiling) اور جدید ریاستی جاسوسی کے نظام قائم ہیں۔

☆☆☆☆☆

طریق کار

دین کے جتنے حصے ہیں عقیدے، عبادتیں، معاملات، خصلتیں، اور رہنے سہنے کے طریقے سب کی اصلاح کریں اور جو معلوم نہ ہو پوچھتے رہیں۔ (وعظ علم کی طلب ص:۱۵)

جو کام کریں پہلے شریعت سے تحقیق کر لیں۔ مگر تحقیق ایسوں سے کریں جو سچی بات بتلا دیں اور جو خود ہی اپنی خواہش نفسانی کو شریعت کے اندر ٹھونسیں اور زبردستی غیر دین کو مصلحتوں اور پالیسی کی وجہ سے دین بنا دیں، وہ واقع میں عالم نہیں وہ تو جاہل ہیں۔ ان سے مت پوچھیں۔ ورنہ وہ اپنے ساتھ تمہیں بھی گمراہ کر دیں گے۔ اگر یہ کہیں کہ اس زمانہ میں سچے عالم کہاں ملتے ہیں؟ تو یہ غلط ہے۔ بلکہ ڈھونڈنے سے مل جاتے ہیں۔ (وعظ الشریعت: ص ۴۳)

بحوالہ: بصائر حکیم الامت از ڈاکٹر عبد الحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ

---

۱۸ From Data Acquisition to Data Fusion: A Comprehensive Review and a Roadmap for the Identification of Activities of Daily Living Using Mobile Devices by Ivan Miguel Pires - MDPI

۱۹ A Survey of online activity recognition using mobile phones – PubMed, National Library of Medicine

۲۰ People-Centric Urban Sensing by Andrew T. Campbell – Research Gate

سوشل میڈیا کے جاسوس

ابو عمر عبد الرحمٰن

واضح باطل کوئی کم ہی قبول کرتا ہے، باطل کو قبول کروانے کے لیے اس میں کچھ حق کی پیوند کاری لازم ہوتی ہے، اور یہی اہلِ باطل کا طریقۂ واردات رہا ہے۔ طواغیت کے جواسیس کا بھی یہی طریقۂ جرم رہا ہے۔ جو کام کبھی قید خانوں میں ہوتے تھے، یا عصرِ حاضر میں ابنِ سبا کے پیروکار چوری چھپے سرگوشیوں اور خفیہ مجلسوں کے ذریعے کرتے تھے، آج سوشل میڈیا کا میدان بھی ایسے سیاہ کاروں کا اکھاڑا بنا ہوا ہے۔

ان کا ایک بڑا مقصد جہادی تحریک میں فکری نقب لگانا ہے۔ مجاہدین کی فکر اگر اغوا ہو جائے، انہیں دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست باور کروا دیا جائے، تباہی کا راستہ کامیابی اور کامیابی کا راستہ انہیں بربادی دکھا دیا جائے تو پھر جہادی تحریک کو ختم کرنے کے لیے کسی فوج یا گولی اور بم کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ایسے مجاہدین یا تو خود ہی آپس میں لڑ جھگڑ کر مر کھپ جائیں گے، یا ایسے راستے پر آگے بڑھیں گے جس کا فائدہ دین و امت کو نہیں، بلکہ ان کے دشمنوں کو ہو گا اور نتیجے میں جہادی تحریک تباہ ہو گی۔

ایسا فکری نقب یہ صرف اُس وقت ہی لگا سکتے ہیں جب یہ جہادی ہونے کا بہروپ اپنے اوپر چڑھا لیں۔ اس کے لیے یہ چند جہادی پوسٹیں کر کے اور کسی ایک جہادی جماعت کی تعریف لکھ کر جہاد میں فتنہ و فساد برپا کرنے کی کھلی چھوٹ حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ اپنی ''دعوت'' میں نرے جذبات تو ابھارتے ہیں تاکہ ان کا استحصال آسان ہو، مگر جذبات کے ساتھ ساتھ ہوش اور مطلوبِ شریعت جہادی شعور پیدا کرنے کی سعی کی یہ شدید مخالفت کریں گے، یہ ہر اُس بحث اور کوشش کے دشمن ہوتے ہیں جو جہادی تحریک کو با معنی رکھے اور اسے دشمنانِ امت کی سازشوں سے محفوظ بنائے۔ ایسے افراد لاکھ اپنی اصلیت چھپائیں، مگر قرآن کہتا ہے کہ یہ چھپ نہیں سکتے:

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ (سورۃ محمد: ۳۰)

''اور تم انہیں ان کے لہجے سے پہچان لوگے۔''

یہ جہاد کی صفوں میں منکرات پر تنقید نہیں کریں گے، بلکہ منکرات پر تنقید کرنے والوں کو ہی اپنا نشانہ بنائیں گے۔ برائی کی مخالفت یہ کم کریں گے، جبکہ کسی ایک جہادی جماعت کا نام لے کر اس پر برائی کی تہمتیں زیادہ لگائیں گے۔ مجاہدین کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کرنا ان کی کوششوں کا حاصل نظر آئے گا۔

گو یہ بات بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ آپ چاہے جتنے بھی مخلص ہوں، آپ کا ہر مخالف منافق اور جاسوس ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اگر آپ اپنے ہر مخالف کو اسی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیں تو یہ آپ کی اپنی کج فہمی اور برائی کی علامت کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ مگر ضروری نہیں کہ جہادی تحریک و مجاہدین کو صرف جواسیس ہی سے نقصان پہنچتا ہے، منافقین کی جو صفات اللہ کے دین نے بیان کی ہیں، وہ ہماری نظروں سے کبھی اوجھل بھی نہیں ہونی چاہییں۔ پہلے خود ان صفات سے بچنے کے لیے اور دوسرا اس لیے کہ یہ صفات آج بھی واضح کرتی ہیں کہ کون کس طرف کھڑا ہے۔ دعوتِ جہاد کے نام پر گالی گلوچ و بدزبانی، طعن و تشنیع، جھوٹ و تہمتیں، مجاہدین کے خلاف مہم سازی، ان کی اصلاح کی کوشش کے برعکس انہیں گرانے اور ان سے بدگمانی پیدا کرنے کا کوئی موقع ضائع نہ کرنا اور ان کے حوصلوں کو پست کرنے کی سعی کرنا، یہ وہ صفاتِ مذمومہ ہیں جو واضح کرتی ہیں کہ کون مخلص، مصلح اور مجاہد ہیں، اور کون جہاد کے نام پر وہ فتنہ گر فسادی ہیں جنہیں قرآن میں ''مرجفین و معوقین'' کا نام دیا گیا ہے، جن کی بات نہ سننے، ان پر یقین نہ کرنے، انہیں کسی جہادی کام میں ساتھ نہ لینے، اور ان کے ساتھ سختی کرنے کا حکم ہے۔

ایسے بدنصیب ہر دور میں رہے ہیں، خیر القرون بھی ان سے خالی نہیں تھا، بلکہ جس قدر اہلِ باطل کو اہلِ اسلام سے خطرہ بڑھتا ہے، اہلِ خیر جس قدر قوی ہو جاتے ہیں، اُتنا ہی شیاطینِ جن و انس ایسے راہزنوں کو راہِ حق سے لوگوں کو روکنے کے لیے پہلے سے زیادہ محنت کے ساتھ اتارتے ہیں۔ یہ بزدل ہوتے ہیں۔ دس پردوں میں چھپ کر اور اپنے دس نام رکھ کر وار کرنا ان کا طریقہ ہوتا ہے، یہ ہر بدلتی حالت اور مخاطب کی سوچ کے مطابق اپنے مواقف تبدیل کرتے ہیں، چال بازی اور جھوٹ ان کے خمیر میں ہوتا ہے اور ان کی باتوں و عمل میں حق کے خلاف نفرت اور اہلِ حق سے ان کا تعصب ہر حالت میں قائم رہتا ہے۔

ان کی تمام تر سازشوں کے باوجود اللہ کا اعلان ہے کہ یہ بالآخر ناکام و نامراد ہوں گے اور حق ہی بالآخر غالب ہو گا، بس اللہ ہمیں حق پر خود عمل کرنے والے، خاص اسی کی نصرت کرنے والے اور اسی کی خاطر قربانی دینے والے بنائے۔ اللہ کا فرمان ہے:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (سورۃ التوبہ: ۳۲)

''یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کا نور بجھا دیں، حالانکہ اللہ ضرور اپنے نور کو مکمل کرے گا، اگرچہ کافر ناپسند کریں۔''

اور اللہ کا فرمان ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ المنافقون: ۸)

''اور عزت تو بس اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے، مگر منافقین نہیں جانتے۔''

ایسے فتنوں میں مومنین کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ ایمان و جہاد کا حق ادا کرتے ہیں، دشمنان دین اور خواہشات نفس اور تعصبات کے مارے ہوؤں کے مقابل اللہ کی خاطر کھڑے رہتے ہیں یا خدا نخواستہ کمزوری دکھا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اصل امتحان صبر کا ہوتا ہے، ایمان و عمل صالح پر صبر، دعوت و جہاد کا سفر بہر صورت جاری رکھنے اور اس کے اعلیٰ مقاصد ہی پر نظر مرکوز رکھنے پر صبر، اخلاص و اخلاق کا دامن تھامے رکھنے پر صبر اور جس ذلت و ضلالت میں اتر کر یہ سازشیں کر رہے ہوتے ہیں اُس سے اپنا آپ اوپر رکھ کر اپنے پاکیزہ پیغام اور اصول کے ساتھ چمٹے رہنے پر صبر، یہ صبر اگر ہم کریں تو پھر اللہ خوش خبری دیتا ہے کہ ان کے جھوٹ، تہمتوں اور فتنہ و فساد کو دیکھ کر غم زدہ نہ ہوں اور نہ ہی اس لحاظ سے پریشان کہ ان کی سازشیں تمہاری تحریک کو کوئی نقصان پہنچا پائیں گی۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ○ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ○ (سورۃ النحل: ۱۲۷، ۱۲۸)

”اور صبر کیجیے، اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ ان کے حال پر غم نہ کیجیے اور جو مکر و فریب وہ کر رہے ہیں اس سے آپ کا دل تنگ نہ ہوں۔ بیشک اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو محسنین ہیں۔“

اللہ ہمیں تقوی و صبر عطا فرمائے اور خالق و مخلوق دونوں کے معاملے میں احسان کرنے والا بنائے۔ گویا طواغیت کی ایسی سازشوں کا علاج و تدارک جہادی صفوں میں:

۱. اخلاص و اخلاق پیدا کرنے،
۲. شعور و آگہی بڑھانے،
۳. اور بامقصد جہاد کی تقویت کے لیے متحدہ کوشش کرنے اور اس پر صبر و ثبات میں ہے۔

ضروری ہے کہ جنہیں دعوتِ جہاد دی جاتی ہے، انہیں وہ صفات بھی ساتھ ساتھ سمجھائی جائیں جن کے ذریعے مومن و منافق، مجاہد و جاسوس اور داعی و راہزن میں فرق کیا جاتا ہے۔ ایسا اگر کریں گے تو آپ کو پھر کسی مفسد کا نام لینا نہیں پڑے گا۔ اخلاص و فہم رکھنے والے مخاطبین خود ہی ایسے افراد سے اسی طرح پھر بچیں گے اور انہیں دور پھینکیں گے، جس طرح گندگی سے انسان بچتا ہے یا اسے ٹھکانے لگاتا ہے۔

آخر میں یہاں بھی عرض کروں کہ اس دجل کے دور میں اللہ سے دو دعائیں زیادہ مانگنی چاہئیں۔

اول یہ کہ اللہ ہمیں حق کو حق دکھادے اور اس پر عمل کی توفیق دے، اور باطل کو باطل دکھادے اور اس سے اجتناب کی استطاعت دے، آمین۔

اور دوسری یہ کہ اللہ ہمیں اہل صدق و حق کے ساتھ ملائے، ان کی تائید و نصرت کی توفیق عطا فرمائے اور جو راہِ حق سے دور ہوں، اس کے خلاف ہوں ان سے ہمیں دور رکھے، آمین ثم آمین۔ سچ تو یہ ہے کہ حق اگر ہم پہچان گئے، پہلی والی دعا صحیح طرح مانگنے کی توفیق اگر ہمیں مل گئی تو دوسری دعا میں جو نعمت مانگی گئی ہے، اس سے بھی اللہ محروم نہیں کرے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆

وطنیت کی لعنت

اسلام سے قبل دنیا کی ایک بڑی لعنت وطنیت تھی۔ دنیا میں جس قدر خوں ریزیاں ہوئیں اُس میں بہت زیادہ حصہ اسی وطنیت کا ہے۔ آج بھی جتنی لڑائیاں ہو رہی ہیں وہ اسی وطنیت کی برکت ہے۔ وطنیت کا بڑا غلبہ یورپ میں ہے اور اسی وجہ سے بہترین علم، عقل اور فہم کے باوجود سارا یورپ آمادۂ پیکار ہے۔

اسلام نے وطنیت کی بنیاد اُکھاڑ دی تھی، بتایا کہ ہر ملک میں انسان دو طرح ہیں: اچھے انسان اور برے انسان، تمام دنیا کے اچھے ایک قوم ہیں اور برے ایک قوم۔ فرمایا:كونوا عباد الله إخوانا. (اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔) اور فرمایا:الكفر ملة واحدة. (کفر ایک ملت ہے۔)

جدید عقلا کو اس سے تسکین نہیں ہوتی، کیونکہ یورپ میں قومیت کا معیار وطنیت ہی ہے۔ بڑے زور و شور سے یہ لعنت پھر مسلمانوں کے سر منڈھی جا رہی ہے، جس لعنت سے دنیا نے بمشکل جزوی نجات حاصل کی تھی وہی پھر دنیا پر مسلط کی جا رہی ہے اور اس کے لیے حب الوطن من الإيمان اور اس طرح کی دوسری من گھڑت حدیثیں شائع کی جاتی ہیں، انتہائی بے باکی سے اعلان کیا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ نے ملکی آزادی کے لیے جہاد کیا، حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جو مقاتلہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کیا جائے وہی جہاد ہے۔

غزوہ احد کی روایتوں میں آتا ہے کہ مدینہ میں ایک شخص قزمان تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے جہنمی کہا تھا، مگر غزوہ احد کے روز وہ نہایت شجاعت سے بڑے معرکہ کی لڑائی لڑا، صحابہ کو حیرت ہوئی کہ ایسے شخص کو رسول اللہ ﷺ نے جہنمی کیسے کہا؟ وہ زخمی ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو نجات کی بشارت دی، مگر اس نے کہا کہ نجات کی بشارت؟ میں تو قوم کے لیے محض قومیت کی پاسداری میں لڑا ہوں، صحابہ کو تسکین ہوگئی اور سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ اس کو کیوں جہنمی کہتے تھے۔

اصح السیر از حکیم مولوی عبد الرؤوف داناپوری رحمۃ اللہ علیہ

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

انجینئر زین علی

اللہ نے انسانی ذہن کو اس انداز سے ترتیب دیا ہے کہ یہ نہ صرف اپنے ارد گرد کے ماحول سے متاثر ہوتا ہے بلکہ کسی معاملے کے ماضی اور مستقبل کا بھی اس پر اثر پڑتا ہے۔ معرکۂ حق و باطل میں شیطانی قوتوں نے نوجوانوں کو بالعموم اور مسلم نوجوانوں کو بالخصوص الجھائے رکھنے کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ انہیں وقت ضائع کرنے کے مشاغل میں سر تا پا غرق رکھنے کا پورا پورا انتظام کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو ان کے ماضی سے لاتعلق کرنے کے لیے ان کے ماضی سے لاعلم رکھنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ بھاری رقم خرچ کرکے پر زور مہم شروع کی گئی ہے جس میں مسلم تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کفار چاہتے ہیں ایسے تمام عوامل جو کسی نوجوان کو حق کے راستے پر چلانے کا ذریعہ بن سکتے ہوں ان کو ختم کر دیا جائے۔ مسلم نوجوانوں میں مایوسی کو اس قدر رواج دیا جائے کہ وہ حیوانوں کی طرح پیٹ بھرنے کو ہی واحد کامیابی سمجھنے لگیں۔ اس سلسلے میں باطل نے اس کام کو مختلف شعبوں میں بانٹ رکھا ہے۔

لہو لعب

اس میں وہ تمام وقت گزاری کے فضول مشغلے ہیں جو تفریح کے نام پر نوجوانوں میں عام کیے گیے ہیں لیکن امت کی غفلت کا اندازہ لگایے کہ ان میں ہر عمر کے لوگ نا صرف اپنا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں بلکہ اپنے مقاصد اپنی اصل اور نفع و نقصان کو بھی بھلائے بیٹھے ہیں۔

کھیل

یہ وہ شعبہ ہے جو فی نفسہٖ غلط نہیں لیکن اسے حدود میں رکھنا لازم ہے۔ اگر حدود میں ہو اور نیک نصب العین کے ساتھ ہو تو کئی دفعہ یہ مقصود بن جاتا ہے۔ کیونکہ کھیل کود میں ورزش اور جسمانی چستی کا راستہ بھی موجود ہے۔ کئی کھیل ایسے ہیں جو مسلم نوجوانوں کو دشمن کے خلاف مستعد رکھتے ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے عملاً جو ہو رہا ہے اس کے مشاہدے سے یہ تکلیف دہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ نوجوانوں کے لیے کھیل کود سے مقصود اکثر محض تفریح ہے۔ ان کے ذہن و فکر میں امت کے غلبے اور ان کے فرائض کا خاکہ ہی سرے سے موجود نہیں۔ ہمیں مسلم نوجوان کی تفریح کو بھی بامقصد بنانا ہو گا۔

آج کے زمانے میں کھیل کی بھی کئی اقسام ہیں۔ جنہیں دو بنیادی زمرہ جات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بیرونی کھیل (Outdoor Games)

بیرونی کھیل وہ ہیں جو گھر سے باہر کھلے میدانوں میں کھیلے جاتے ہیں۔ ان میں ہاکی، کرکٹ اور فٹ بال، کبڈی، نیزہ بازی، گھڑ سواری، دوڑ لگانا وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کھیلوں سے ورزش، صحت اور جسمانی چستی مقصود ہو نیز ان کو محدود مقررہ اوقات کی پابندی کے ساتھ کھیلا جائے تو یہ مثبت سرگرمی ہو گی لیکن اگر ان کھیلوں کو مروجہ طریقوں کے مطابق وقت ضائع کرنے کا ہتھیار بنا لیا جائے اور نماز و دیگر عبادات سے غافل رہنے کا ذریعہ بنا لیا جائے تو کوئی بھی مومن اسے پسندیدہ نہیں کہے گا۔ لیکن یہ دیکھنا بھی از حد ضروری ہے کہ بظاہر سادہ سی نظر آنے والی یہ سرگرمی کہیں نوجوانوں کو دنیا کا رسیا اور آخرت سے غافل تو نہیں بنا رہی؟ ان کی یہ سرگرمی انہیں ان کے دین، عقیدے اور ایمانی تقاضوں سے بے بہرہ تو نہیں کر رہی؟ کیا یہ کھیل کود ان کے کان مظلوموں کی چیخوں کے لیے بند تو نہیں کر رہا؟ یہ نظریاتی قلعے دشمن خاموشی سے فتح تو نہیں کر رہا؟

اندرونی کھیل (Indoor Games)

یہ وہ کھیل ہیں جو چار دیواری کے اندر کھیلے جاتے ہیں۔ ان میں بھی کافی کھیل شامل ہیں لیکن ہمیں ان کھیلوں کی افادیت پر بات کرنی ہے جو جدید جنگوں میں مجاہدین کے لیے کیسے مفید ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ڈرون آپریٹرز آج کی جنگوں کا اہم دستہ تصور ہوتے ہیں۔ کمپیوٹر یا موبائل پر کھیلے جانے والے وہ کھیل جو کسی طور اسلام کے لیے فائدہ مند ہو سکیں حدود و قیود اور ضابطے کی پابندی کے ساتھ مثبت سرگرمی ہیں۔ وہ کھیل جن میں ذہنی مشق ہو اور دماغی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہو بلاشبہ اچھے کھیل ہیں لیکن اوپر موجود نقائص سے ایسی تمام تفریحی سرگرمیوں کا مکمل پاک ہونا لازمی شرط ہے۔

یہ نفس کا ایک امتحان ہوتا ہے کہ فائدہ تو حاصل کیا جائے لیکن کھیل یا تفریح کو نشہ نہ بننے دیا جائے۔

شوبزنس

یہ مغرب کا قائم کردہ وہ شعبہ ہے جس کا تقریباً سو فیصد منفی استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس شعبے میں فلمیں، ڈرامے، گانے وغیرہ تمام خرافات داخل ہیں۔ اس شعبے کی قباحت جتنی زیادہ ہے انسانوں کو اس کی لت اتنی ہی زیادہ ہے۔ نوجوان، بچے، بوڑھے اور خصوصاً خواتین سبھی اس دجالی ہتھکنڈے کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس میں موسیقی، جو نہ صرف حرام اور کبیرہ گناہ ہے بلکہ مومن کی روح کو بھی نقصان پہنچاتی ہے، بکثرت استعمال ہوتی ہے۔ پھر بے پردگی، فحاشی اور عریانی کا جیسے نہ تھمنے والا سیلاب ہے۔ ایمان کے لیے زہر قاتل یہ قبیح افعال بہت ڈھنگ اور سلیقے سے مزین کیے جاتے ہیں۔

> فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ (سورۃ الانعام: ۴۳)
>
> ”پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آئی تھی، اس وقت وہ عاجزی کا رویہ اختیار کرتے؟ بلکہ ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، شیطان نے انہیں یہ سجھایا کہ وہی بڑے شاندار کام ہیں۔“

ظلم در ظلم یہ کہ ایک تو سرے سے حرام کام، اللہ کی نافرمانی، گناہ عظیم اور شریعت کے واضح احکام سے روگردانی ہے اوپر سے نظریاتی یلغار بھی اسی راستے سے کی جا رہی ہے۔ غالباً شریعت مطہرہ کا کوئی ایسا حکم نہیں ہو گا جس کے خلاف دجالی طاقتوں نے ذہن سازی نہ کی ہو، حتیٰ کہ ایک ایک سنت اور مستحبات تک کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ جب دین مبین کے حتمی اور متفقہ احکام اس یلغار سے محفوظ نہیں ہیں اور نوجوانوں کو تذبذب کا شکار کیا جا رہا ہے، انہیں ان کے دین و عقائد سے متعلق شکوک و شبہات کا شکار کیا جا رہا ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ انہیں جہاد فی سبیل اللہ سے بد ظن نہ کیا جائے؟ اگر اس مہم کو دیکھا جائے تو جہاد کے مبارک فریضے کو دنیا کے سامنے ایسے گھناؤنے انداز میں توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے کہ جو مبارک عمل انسانیت کی فلاح، ظالم کا ظلم روکنے اور مظلوم کی داد رسی کے لیے کیا جاتا ہے، جس عمل کا مقصودِ اول ہی نفاذ شریعت کے ذریعے دنیا کو امن کا گہوارہ بنانا ہے، اسے خونخوار، ظلم، زیادتی اور معصوموں و بے گناہوں کے قتل عام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ مسلم نوجوان جو خود تو قرآن و حدیث کی تعلیمات سے دور ہو ہی گیا ہے، اسے ہر طرح سے مجاہدین کے موقف اور اعلیٰ نصب العین سے دور رکھا جاتا ہے تا کہ کسی طرح کلمہ حق کا ایک حرف بھی اس تک نہ پہنچ سکے۔ دنیا میں آزادی اظہار کے کھوکھلے نعرے بلند

کرنے والے ہمیشہ آواز حق کا گلہ گھونٹنے کے لیے سرگرم رہتے ہیں۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر تو جہاد کے حق میں ایک حرف تک ممنوع اور قابل تعزیر جرم ہے ہی، سوشل میڈیا ایپس پر بھی فلٹر ز لگائے گئے ہیں جو آئی ڈی تک اڑا دیتے ہیں۔ جمہوریت کے دعوے کرنے والے، جن کا دعویٰ ہے کہ تمام فریقین کا مؤقف سن کر عوام کو فیصلے کا اختیار ہونا چاہیے، اس معاملے میں صرف یک طرفہ جھوٹ اور پروپیگنڈہ کے اصول پر کاربند ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ایسے مسلم نوجوانوں کا کیا فریضہ ہے جب انہیں ہر طرف سے گمراہی پر مبنی نظریات کی طرف مائل کیا جارہا ہے؟ ان کی پذیرائی میڈیا اور ریاستی سطح پر صرف گمراہی پر کی جاتی ہے۔ شیطان کی خوشنودی اور اللہ جلا جلالہ کی ناراضگی کے کام سراہے جاتے ہیں۔

چنانچہ یہی تو موقع ہے جب ایک مومن کو الوراء والبراء کے عقیدے کا اظہار کرنا ہے۔ ایسے تمام خرافات جو ویسے بھی حرام ہیں اور دین دشمنی ہر مبنی نظریات پھیلاتے ہیں جہاں دین پر طنز کیا جاتا ہے اور تمسخر اڑایا جاتا ہے، ان کا مکمل بائیکاٹ خود بھی کرنا اور اپنے حلقہ احباب کو بھی متوجہ کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○ (سورۃ الانعام:۶۸)

”اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے ہیں تو ان سے اس وقت تک کے لیے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔“

اس بھرپور بائیکاٹ کے ساتھ ساتھ دین کے احکام کی حقانیت بیان کرنا اور اس کی دعوت عام کرنا بھی مسلم نوجوان کی ذمہ داریوں میں داخل ہے۔ جوں جوں اس کی دین سے محبت بڑھتی جائے گی اس کے لیے ہدایت کے دروازے کھلتے جائیں گے۔ یہاں تک اس کے اندر بھی اپنے رب کی محبت میں جان تک قربان کر دینے کا جذبہ و جرأت پیدا ہو جائے۔ قریب ہے کہ اللہ اسے راہ جہاد و قتال کا مسافر بنا دے اور اس راہ کی معراج یعنی شہادت تک عطا فرمائے۔

ذکر چل رہا تھا شوبز انڈسٹری کے ذریعے عقائد پر حملے کا، تو ظاہر ہے جو کفار عقیدے جیسی مضبوط چیز پر حملہ کریں گے وہ مسلم تاریخ کے روشن ابواب پر کیچڑ اچھالنے سے کیسے باز آسکتے ہیں؟

اسی لیے آپ کو کہیں سلطان محمود غزنوی جیسے جری اور دلیر کو ڈاکو یا لٹیرا کہنے والے ملتے ہیں، کہیں انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو بغاوت کہا جاتا ہے، اسی طرح خوب بے شرمی سے کچھ لوگ راجا داہر کو ہیرو قرار دیتے نظر آتے ہیں، محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان بد قماشوں نے نہیں بخشا، بلکہ اس مرد جری پر بھی الزامات کے تیر تعصب کے زہر میں ڈبو ڈبو کر چلاتے ہیں۔ کچھ فرقہ پرست گمراہ گروہ بھی اس آگ پر ایندھن ڈالتے نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک بدبخت نے مسلم تاریخ کے عظیم بطل فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ، جن کے دشمن بھی معترف ہیں، ان کی عظیم شخصیت پر الزام عائد کر دیا۔ جبکہ پاکستان کے شہر جہلم سے تعلق رکھنے والے ایک معمولی شخص کی کل اوقات ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی قابل رشک زندگی کے کسی ایک رخشندہ پہلو کو سمجھ پانے کی بھی نہیں۔

لٹریچر

یہ بھی ایک ایسا شعبہ ہے جس میں صفحات کے صفحات کالے کیے جارہے ہیں مسلم تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو بالخصوص نوجوانوں کو تاریخ کا ایسا مسخ شدہ چہرہ دکھانے کے لیے جو انہیں بھولے سے بھی ان کے درخشاں ماضی کی بھنک بھی نہ پڑنے دے۔ چنانچہ تحقیق اور ادبی و علمی کام کے نام پر یہ طوفان بدتمیزی بپا ہے۔ جس میں سچائی اور اخلاقیات کا گلہ دبایا جارہا ہے۔ ان کے منصوبے کا حصہ ہے کہ کل آنے والا نوجوان مسلمان فاتحین کے بارے میں صرف غلط تصور تک رسائی حاصل کر سکے۔

لہٰذا یہ بھی ایک نشانی ہے مسلم نوجوانوں کے لیے کہ ہر وہ شخص جو انہیں ان کے عظیم اسلاف اور تاریخ سے متنفر کرے، دشمن کا وظیفہ خوار ہے۔ ہر وہ کتاب آگ میں جھونک دینے لائق ہے جو ان کی روشن تاریخ پر دھول اڑانے کی جسارت کرے۔ ہر وہ ویڈیو، ڈرامہ یا فلم جو انہیں مایوسی کے اندھیروں میں دھکیلے، انہیں یہ باور کرائے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد لا حاصل محنت ہے، ان کے لیے زہر قاتل سے بھی مضر ہے۔

کبھی اے نوجواں مسلم ! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

مسلم نوجوان کو سوچنا ہو گا وہ کس قوم کا فرد ہے، اس کی کیا شان ہے، اس کے کیا فرائض ہیں، اسے اس کے فرائض سے کن زنجیروں نے روک رکھا ہے اور کونسی بیڑیاں توڑنے کا وقت آپہنچا ہے؟

مسلم نوجوان کی شان تو یہ ہے:

کفار کی صفوں میں یزی سے گھسنے والے
دشمن کے لشکروں پر فوراً جھپٹنے والے
چنگاریاں اڑا کر دشمن پہ بولیں ہلا
والعدیت ضبحا فالموریت قدحا

باطل کی چھاؤنی پر آفت یہ ڈھانے والے
الحاد کی سپاہ میں بھگدڑ مچانے والے
چستی میں ہیں یہ طوفاں تیزی میں موج دریا
والعدیت ضبحا فالموریت قدحا

پیشانیوں نے ان کی برکت کا تاج پہنا
سچ سچ ہے سچ رہے گا سچے نبی کا کہنا
اعزاز ان کو حاصل یہ حشر تک رہے گا
والعدیت ضبحا فالموریت قدحا

فرسانِ دینِ قیم تبلیغ پر جب آئیں
جوش جہاد میں وہ دریا میں کود جائیں
لڑ جائیں موجوں سے بھی یہ گھڑ سوار دستہ
والعدیت ضبحا فالموریت قدحا

یہ غازیوں کے گھوڑے یہ غازیوں کے مرکز
ہ مجاہدین کے ہمدم یہ ان کا حسن منصب
مصحف میں جن کے بارے کھائے قسم خود اللہ
والعدیت ضبحا فالموریت قدحا

☆☆☆☆☆

بیالیسویں وجہ: حالات سے مایوسی

جب مشکلات گھمبیر ہو جاتی ہیں، آزمائشیں بڑھ جاتی ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگیں اور حملے تیز تر ہو جاتے ہیں، تو ایسے حالات میں مومن کو چاہیے کہ ناکامی یا تبدیلی حالات اور بہتری سے مایوسی کے احساسات کو اپنے اندر سرایت نہ ہونے دے۔ نبی اکرم ﷺ بھی ایسا نہ ہونے دیتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے گرد صحابیوں اور مردان کار کے دلوں کو اعتماد اور یقین سے بھر دیتے تھے۔ آپ ﷺ خانہ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر تکیہ کیے ہوئے تھے کہ حضرت خباب بن الارتؓ آپ ﷺ کے ہاں تشریف لائے۔ اور آپ ﷺ سے کہنے لگے:

”کیا آپ ہمارے لیے فتح ونصرت طلب نہیں کرتے، کیا آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا نہیں مانگتے؟“

تو رسول اللہ ﷺ بیٹھ جاتے ہیں اور ان کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا ہے۔ اور فرماتے ہیں:

كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الأَرْضِ، فَيُجْعَلُ فِيهِ، فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَا الأَمْرَ، حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ، لاَ يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ، أَوِ الذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ، وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ(متفق عليه)

”تم لوگوں سے پہلے ادوار میں آدمی کے لیے زمین میں ایک گڑھا کھود دیا جاتا تھا، پھر اسے گڑھے میں ڈال دیا جاتا تھا، پھر ایک آرا لایا جاتا اور اسے اس کے سر پر رکھ دیا جاتا تھا، اور سر کے دو حصے کر دیے جاتے تھے، لیکن یہ سب کچھ اسے اپنے دین سے نہیں روک پاتا تھا۔ اور ایک آدمی پر لوہے کا پنجہ ایسا پھیرا جاتا کہ اس کے گوشت کے نیچے رگوں اور ہڈیوں کو کھرچ ڈالتا، لیکن یہ بھی اسے اپنے دین سے پھیرنے میں ناکام رہتا۔ واللہ! یہ معاملہ (یعنی دین اسلام کا ظہور) پورا ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک اس حالت میں سفر کرے گا کہ اسے صرف یا اللہ کا ڈر ہو گا اور یا اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا۔ لیکن تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔“

اور سنیے کہ خندق کے دن آپ ﷺ کیا کہتے ہیں جبکہ مسلمانوں پر ہر طرف سے ہولناک حالات نے گھیر لیا تھا:

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۠ (سورۃ الاحزاب: ۱۰)

”جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔“

وہ اس وقت مومنوں کو بشارتیں دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے خانہ کعبہ کی کنجیاں دے رہے ہیں، کسریٰ و قیصر کو اللہ ضرور ہلاک کریں گے اور ان کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ ہو کر رہیں گے، اور شہر صنعاء اپنے دروازے کھول دے گا۔ اور یہ سب بشارتیں پوری بھی ہوئیں۔

جب ان لوگوں کے دلوں میں یہ بشارتیں گونجیں تو بے چینی دور ہوئی اور وہ پر سکون اور مطمئن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (سورۃ الاحزاب: ۲۲)

”اور جب مومنوں نے (کافروں کے) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی۔“

رہے منافق، بیمار دلوں والے، تو انہیں فتح ونصرت کی اِن باتوں پر تعجب ہوا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا (سورۃ الاحزاب: ۱۲)

”اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔“

ہم یہاں یہ سوال کرنے میں بجا ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا کیا جب وہ یہ بشارتیں دے رہے تھے اور لوگوں کے درمیان اطمینان کی باتیں پھیلا رہے تھے؟ جبکہ آپ ﷺ اپنے وطن میں مطلوب تھے اور جس وطن میں پناہ لی وہاں گھیرے میں آ گئے تھے؟

در حقیقت انہیں اپنے رب (عز و جل) کے وعدے پر اعتماد حاصل تھا۔ یہ وعدہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے پشتی بان اور مددگار ہیں۔ چنانچہ ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ یہی احساس ہمارے دلوں میں بھی منتقل ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی دسیوں احادیث ہیں جن میں آپ مومنوں کو خوش خبریاں دیتے ہیں کہ وہ اس کتاب اور اس زمین کے وارث ہوں گے، مشرق و مغرب کے فاتحین ہوں گے، اور روئے زمین کے مالک بن جائیں گے۔

حضرت تمیم الداریؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

لَيَبْلُغَنَّ هَذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَلَا يَتْرُكُ اللَّهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ هَذَا الدِّينَ بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ عِزًّا يُعِزُّ اللَّهُ بِهِ الْإِسْلَامَ وَذُلًّا يُذِلُّ اللَّهُ بِهِ الْكُفْرَ

”یہ دین ہر اس جگہ تک پہنچ کر رہے گا جہاں دن اور رات کا چکر چلتا ہے اور اللہ کوئی کچا پکا گھر ایسا نہیں چھوڑے گا جہاں اس دین کو داخل نہ کر دے، خواہ اسے عزت کے ساتھ قبول کر لیا جائے یا اسے رد کر کے ذلت قبول کر لی جائے، عزت وہ ہو گی جو اللہ اسلام کے ذریعے عطا کرے گا اور ذلت وہ ہو گی جس سے اللہ کفر کو ذلیل کر دے گا۔“

ان مبشرات میں سے وہ حدیث بھی ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوبانؓ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِي الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ مُلْكَ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ

”اللہ نے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا۔ اور میری امت کا اقتدار وہاں تک پھیلے گا جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی۔ مجھے دونوں سرخ و سفید خزانے دیے گئے ہیں۔“

سمجھدار مجاہد وہ ہے جو نبی کریم ﷺ کے منہج کی پابندی کرے۔ کیونکہ ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کو بشارتیں دیں نہ کہ متنفر کریں۔ اسی طرح ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم آسانیاں پیدا کریں نہ کہ مشکلات بڑھائیں۔

ہمیں چاہیے کہ، جن حالات میں ہم آج کل رہ رہے ہیں، بد شگونی اور تبدیلی احوال سے مایوسی سے خوب بچیں۔ تاکہ ہم اپنے آپ کو وہ موقع میسر کریں جس میں ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت، پر امید مستقبل اور بھلائی کی مختلف صورتوں پر خوش ہو سکیں۔ چاہے ہم اسلامی ممالک پر دشمنوں کی جارحانہ برتری اور غلبہ کو دیکھ کر غم و افسردگی ہی لاحق کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۝ (سورۃ یوسف: ۱۱۰)

”یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ (اپنی نصرت) کے بارے میں جو بات انہوں نے کہی تھی اس میں وہ سچے نہ نکلے تو ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی۔ پھر جسے ہم نے چاہا بچا دیا اور ہمارا عذاب (اتر کر) گنہگاروں سے پھرا نہیں کرتا۔“

سید قطب رحمۃ اللہ علیہ فی ظلال القرآن میں فرماتے ہیں:

”یہ انتہائی نازک لمحے ہوتے ہیں۔ جب باطل پھولتا ہے، سرکشی کرتا ہے، ظلم ڈھاتا ہے اور دغا دیتا ہے۔ جبکہ پیغمبر اپنے وعدے کے انتظار میں ہوتے ہیں جو اس زمین میں پورا نہیں ہو پاتا۔ ان کے دلوں میں ہر طرح کے خیالات امڈ آتے ہیں۔ کیا ان کے وعدے جھوٹے تھے؟ یا ان کے دلوں نے دنیا کی زندگی میں فتح کی امید سے انہیں مایوس کر دیا؟

کسی بھی پیغمبر پر یہ حالت تب ہی طاری ہوتی ہے جب اس پر ایسا کرب و ابتلا، تنگی اور سختی آتی ہے جو انسان کے برداشت سے باہر ہو۔ میں جب بھی یہ آیت پڑھتا ہوں، یا یہ دوسری آیت:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۝ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۴)

”کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں۔ ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا مارے گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ کب اللہ کی مدد آئے گی؟“

جب میں یہ یا پہلی آیت پڑھتا ہوں تو میرے اس ہولناک صورت حال کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جس سے پیغمبروں پر ایسی حالت طاری ہوتی ہے، ان اندیشوں میں پنہاں ہولناکیوں کے تصور سے، اس لڑکھڑا دینے والے کرب کے تصور سے جو پیغمبر کے دل کو اس طرح جھنجھوڑ رہا ہو، ان لمحات میں پیغمبر کی نفسیاتی کیفیت کے تصور سے اور ناقابل برداشت درد کے تصور سے جو وہ محسوس کرتے ہیں۔

ایسے لمحے میں جب کرب و بلا پوری طرح غالب آ جاتا ہے اور تنگی پیغمبر کا دم گھونٹنے لگتی ہے، جب رہی سہی قوت کا کوئی ایک ذرہ باقی نہیں رہتا۔ تو اسی لمحے مکمل، فیصلہ کن اور حتمی فتح آتی ہے:

جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○

(سورۃ یوسف:۱۱۰)

”تو ان کے پاس ہماری مدد آپہنچی۔ پھر جسے ہم نے چاہا بچا دیا اور ہمارا عذاب (اتر کر) گنہگاروں سے پھرا نہیں کرتا۔“

دعوت دین میں یہی سنت الٰہی ہے۔ سختیاں ضرور آئیں گی، آزمائشیں ضرور سامنا کریں گی، یہاں تک کہ نہ کسی کوشش کی گنجائش باقی رہے اور نہ طاقت کا کوئی ذرہ۔ پھر ان تمام ظاہری اسباب سے مایوس ہو جانے کے بعد فتح آتی ہے، جن پر لوگ بھروسا کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے فتح آتی ہے۔ سو نجات کے مستحق نجات پا لیتے ہیں۔ اس ہلاکت سے نجات جو جھٹلانے والوں کو پکڑ لیتی ہے۔ اور اس ظلم و ستم سے بھی جو جابر لوگوں نے ان پر مسلط کیا ہوتا ہے۔ اور اللہ کا قہر مجرموں پر ایسا ٹوٹ پڑتا ہے کہ انہیں مٹا کر رکھ دیتا ہے جس کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی ان کا کوئی دوست اور مددگار اسے ٹال سکتا ہے۔

یہ اس لیے کہ فتح و نصرت بے قدر و قیمت نہ ٹھہرے اور دعوت حق مذاق نہ بن جائے۔ اگر فتح و نصرت سستی ہوتی تو ہر روز کوئی جھوٹی دعوت والا اپنی دعوت لے کر کھڑا ہو جاتا اور اس پر اس کا کوئی بوجھ نہ آتا، آتا بھی تو معمولی سا بوجھ آتا۔ جبکہ دعوت حق کے شایان شان نہیں کہ وہ عبث اور کھیل تماشا بن جائیں۔ وہ تو انسانی زندگی کے لیے بنیادیں اور طرز عمل وضع کرنے والے ہیں۔ جن کو جھوٹے دعویداروں سے بچانا اور محفوظ رکھنا لازم ہے۔ جبکہ جھوٹے دعویدار دعوت کی تکالیف برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ دعوت دینے سے گھبراتے ہیں۔ اور جب وہ دے دیتے ہیں تو اس کو اٹھانے سے عاجز آ کر اسے چھوڑ پھینکتے ہیں۔ اس طرح آزمائش کی بھٹی میں حق باطل سے جدا ہو جاتا ہے۔ وہ آزمائشیں جن کے سامنے وہی ٹھہر سکتے ہیں جو پُر اعتماد ہوں، سچے ہوں، جو دعوت الٰہی کو ہرگز نہیں چھوڑتے چاہے انہیں محسوس ہونے لگے کہ اس زندگی میں انہیں فتح و نصرت حاصل نہ ہو گی! اللہ کی طرف دعوت دینا مختصر دورانیے کی تجارت نہیں ہے، کہ یا تو اس سے کوئی خاص اور محدود فائدہ اسی زمین میں حاصل ہو جائے۔ یا اس کو اپنانے والے اسے چھوڑ کر کسی اور تجارت میں لگ جائیں جس میں فائدہ بھی جلد حاصل ہو اور آسانی بھی ہو! جو بھی جاہلی معاشروں میں اللہ کی طرف دعوت دینے کی ذمہ داری لے کر کھڑا ہوتا ہے، اور جاہلی معاشرے وہ ہیں جو کسی بھی دور میں اور کسی بھی مقام پر اطاعت اور تابعداری غیر اللہ کی کریں، تو ہر ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو خوب سمجھا دے اور اس بات پر سدھار لے کہ وہ کوئی آرام دہ سفر پر نہیں جا رہا، اور نہ ہی کوئی فوری فائدے والی مادی تجارت کرنے لگا ہے! بلکہ اسے یقین ہونا چاہیے کہ اس نے ایسے طواغیت کا سامنا کرنا ہے جن کے پاس طاقت اور پیسہ ہے، اور انہیں لوگوں کو بے وقوف بنانے کا ہنر حاصل ہے۔ یہاں تک کہ وہ سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید بنا کر دکھاتے ہیں! اور پھر یہ طواغیت انہی عوام کو داعیانِ حق کے خلاف اکسانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں، ان کی خواہشات کو بھڑکا کر اور انہیں ڈرا کر کہ اللہ کی طرف بلانے والے انہیں ان خواہشات سے محروم رکھنا چاہتے ہیں! انہیں اس بات کا بھی یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کی طرف دعوت محنت طلب کام ہے، اور جاہلیت کے مقابلے میں اس میں شامل ہونے پر انہیں بہت کچھ جھیلنا پڑے گا۔ یہ بھی جاننا چاہیے کہ اسی لیے، آغاز میں، اس میں دبے ہوئے عوام نہیں شامل ہوتے۔ بلکہ اس نسل کے بہترین چنیدہ لوگ ہی اس میں شامل ہوتے ہیں۔ جو اس دین کی حقیقت کو اپنی آسانی اور سلامتی پر اور دنیاوی زندگی کی ہر آسائش پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ ان چنیدہ لوگوں کی تعداد ہمیشہ بہت کم ہی ہوتی ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کی قوم کے درمیان تعلق کو حق کے ساتھ قائم کر دیتے ہیں۔ ایک جہاد کے بعد، چاہے اس میں زیادہ وقت لگ جائے یا کم لگے۔ تب ہی جا کر عوام اللہ کے دین میں جوق در جوق شامل ہوتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی کہانی میں مختلف قسم کی سختیاں تھیں۔ کنویں میں، عزیز کے گھر میں اور جیل میں۔ لوگوں کی نصرت سے مختلف اقسام کی ناامیدیاں تھیں۔ پھر انجام کار بہتر تھا ان کے لیے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ جیسے اللہ کا وعدہ تھا جو کبھی غلط نہیں ہوتا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ پیغمبروں کے قصوں کی ایک مثال ہے۔ اس میں ہر صاحب عقل کے لیے عبرت ہے۔ اس میں سابقہ نازل شدہ کتب کی تصدیق ہے۔ حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کتابوں کا آپس میں کوئی واسطہ نہ تھا۔ پس یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے وہ من گھڑت باتیں ہوں۔ جھوٹی باتیں نہ ایک دوسری کی تصدیق کرتیں ہیں اور نہ ہی ہدایت سے سرفراز کرتی ہیں۔ اور نہ ہی ان سے مومن دل راحت او رحمت پاتا ہے۔“

☆☆☆☆☆

معرکے ہیں تیز تر!

جمع و ترتیب: جلال الدین حسن یوسف زئی

شرقِ افریقہ، مغربِ اسلامی اور پاکستان میں جاری اہم جہادی معرکوں کی خبریں اور اجمالی جائزہ (مئی، جون اور جولائی ۲۰۲۶ء)

شرقِ افریقہ (صومالیہ، کینیا)

- **۱۰ مئی ۲۰۲۶ء:** حرکت شباب المجاہدین نے صومالیہ کے صوبہ بائی کے شہر بیدوا کے مضافات میں لگائے گئے ایک گھات حملے میں دو کرنل قتل کر دیے:
  - **کرنل یونس ابراہیم:** ڈویژن ۶۰ بریگیڈ کا نواں ڈپٹی کمانڈر
  - **کرنل علی عدو:** ڈویژن ۶۰ بریگیڈ کا آٹھواں ڈپٹی کمانڈر
- **۶ جولائی ۲۰۲۶ء:** حرکت شباب المجاہدین نے صومالیہ کے بیدوا شہر کے صدارتی محل پر شدید بمباری کی۔ یہ حملہ اس وقت کیا گیا جب صومالی صدر اور حکومت کے اعلیٰ عہدیدار، جنوب مغربی صومالیہ کی انتظامیہ کے سربراہ کی تقریبِ تنصیب میں شرکت کے لیے وہاں موجود تھے۔ اس فضائی حملے میں ایتھوپیا کی افواج کے دو فوجی اور حکومتی ملیشیا کا ایک رکن مارا گیا اور تین دیگر زخمی ہوئے۔ جبکہ وہاں موجود عہدیداروں کی چار گاڑیاں تباہ کر دی گئیں۔
- **۲۸ جولائی ۲۰۲۶ء:** حرکت شباب المجاہدین نے کینیا کی فوج پر گھات لگا کر حملہ کیا جس کے نتیجے میں ۱۵ فوجی مارے گئے جبکہ ۱۲ زخمی ہوئے۔ ایک بکتر بند گاڑی اور پانچ موٹر سائیکل تباہ کی گئیں۔ یہ حملہ ہلونغا کے مضافات میں، لفی ڈسٹرکٹ، ماندورا کاؤنٹی کے اس صومالی علاقے میں کیا گیا جو کینیا کے قبضے میں ہے۔

مغرب اسلامی (مالی، برکینا فاسو، نائیجر، بنین)

- **۲۹ مئی ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین نے بنین کے علاقے ''کولو'' میں، جو برکینا فاسو کے سرحد کے ساتھ متصل ہے، بنین کی فوج پر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں ۱۲ فوجی ہلاک ہوئے۔ جبکہ مجاہدین کو مختلف قسم کا اسلحہ غنیمت میں حاصل ہوا۔
- **۱۱ جون ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین نے برکینا فاسو کے صوبہ ''کیا'' کے علاقے فونسا میں ایک چھاپہ مار کارروائی میں برکینا فاسو کے ۲۰ فوجی اہلکاروں کو ہلاک کر دیا، جبکہ مجاہدین کو مختلف قسم کے ہتھیار غنیمت میں حاصل ہوئے۔
- **۳۰ جولائی ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین نے نائیجر کے صوبہ ''تیلابیری'' کے گاؤں دیاغرو میں فوجی چھاونی پر تعارضی حملہ کیا جس کے نتیجے میں ۲۱ اہلکار مارے گئے، جبکہ مجاہدین نے مختلف قسم کے ہتھیار غنیمت میں حاصل کیے۔
- **۲۲ جولائی ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین نے مالی کے صوبہ موبتی کے شہر سومادوغو کے اطراف میں، مالی فوج پر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں ۱۹ فوجی مارے گئے، جبکہ مجاہدین کو مختلف قسم کے ہتھیار بھی غنیمت میں حاصل ہوئے۔
- **۲۲ جولائی ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین نے صوبہ موپتی کے شہر کونا میں مالی فوج کی بیس پر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں ۲۱ فوجی مارے گئے اور ایک معروف کمانڈر مالک مانعوز خمی ہو گیا، جبکہ مجاہدین کو اس حملے میں ۵ موٹر سائیکلوں سمیت ہلکے ہتھیار بھی غنیمت میں حاصل ہوئے۔
- **۱۲ جولائی ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرت الاسلام والمسلمین نے ایک بیان جاری کرتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کو مالی اور برکینا فاسو میں مزید فتوحات کی خوشخبری سنائی، جس کی مختصر تفصیل یہاں پیش کی جا رہی ہے:

''اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے ہمارے مجاہدین نے مالی اور برکینا فاسو میں دشمن کے متعدد عسکری مقامات کو نشانہ بنایا۔ اس آپریشن کا آغاز بروز ہفتہ ۴ جولائی کو ہوا۔ جہاں ہمارے مجاہدین نے بہادری، ایثار، قربانی اور فداکاری کی عظیم داستان رقم کی، اور دشمن کو جانی و مالی طور پر بھاری نقصان پہنچایا، جن میں فوج اور ملیشیا کے متعدد مقامات، صدارتی دفاتر اور عسکری تنصیبات پر کنٹرول اور حملے شامل ہیں۔ جس کی تفصیل درجہ ذیل ہیں:

مالی میں عسکری مقامات جہاں حملے کیے گئے:

- سیفاری
- سوفارا
- کنیروبا (دارالحکومت باماکو کے مغرب میں)
- کواکورو
- کونا
- لیری
- سومادوقو
- کاراکانی
- سینی کورو

- غورل بوج

برکینافاسو میں عسکری مقامات جہاں حملے کیے گئے:

- دین
- تیوو
- سغینغا
- تیرا
- دلفان
- کوکارنی
- توغی
- توغوری

اسی طرح تحریک ازواد کے ساتھ مشترکہ کارروائیوں میں ہمارے فوجی دستوں نے شمالی مالی میں دشمن کے ٹریننگ سنٹر، فضائی اڈوں اور صدر دفاتر پر وسیع پیمانے پر حملے کیے جو انفیف، غاوا اور اجلہوک میں واقع ہیں۔ اس میں انغماسی کارروائیاں، استشہادی حملے، توپ خانے کی بمباری، چھاپے اور گھات لگا کر حملے شامل تھے، جس کے نتیجے میں مالی فوج اور روسی (فیلق) فوجی دستوں کے درجنوں افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اللہ کے فضل سے دشمن کی درجنوں گاڑیاں اور عسکری وسائل مفلوج کر دیے گئے، اور مالی و روسی فضائی قوت کو کافی نقصان پہنچایا گیا۔ اس میں ایک Mi-24 ہیلی کاپٹر گرانے اور اس میں موجود تمام روسی عملے کے مارے جانے کے ساتھ ساتھ میدان جنگ میں کئی ڈرونز کو نشانہ بنانا بھی شامل ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ (سورۃ یونس: ۵۸)

”(اے پیغمبر) کہو کہ: یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوا ہے، لہٰذا اسی پر تو انھیں خوش ہونا چاہیے، یہ اس تمام دولت سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر کر کے رکھتے ہیں۔“

- **۱۳ جولائی ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرۃ الاسلام المسلمین نے مالی میں داعشی خوارج کے ایک سرکردہ راہنما سعد فادا کو ٹارگٹ کلنگ حملے میں ہلاک کر دیا۔

پاکستان

- **۸ مئی ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان نے شمالی وزیرستان کی تحصیل دتہ خیل میں پاکستانی فوج کی گاڑی پر مائن حملہ کیا۔ جس کے نتیجے میں گاڑی مکمل طور پر تباہ ہوئی جبکہ اس میں سوار ے فوجی مارے گئے۔

- **۹ مئی ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان نے ضلع بنوں میں مریان کے علاقے لیڈی پل (منڈان روڈ) پر واقع پولیس اور فوج کی مشترکہ چیک پوسٹ پر ایک بڑا تعارضی حملہ کیا۔ جس کے نتیجے میں ۲۹ پولیس اہلکار مارے گئے۔

اتحاد المجاہدین پاکستان کی جانب سے جاری کی گئی تفصیلات کے مطابق حملے سے قبل مقام ہدف کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ پولیس چوکی کے قریب کسی بھی قسم کی آبادی نہیں تھی۔ مسلمان عوام کی حفاظت کے پیشِ نظر کارروائی سے سے قبل چوکی کی جانب آنے والے راستوں کو بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد فدائی ساتھی نے بارود سے بھری گاڑی کو پوسٹ کے عین وسط میں پہنچادیا اور صحیح سلامت واپس نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ بارود سے بھری گاڑی کے دھماکے سے چوکی کا اکثر حصہ زمین بوس ہوا۔ اس کے بعد تعارضی کارروائی کا آغاز ہوا۔ مجاہدین کی اچانک یلغار نے دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس دوران بنوں شہر سے مدد کے لیے آنے والی فوج پر گھات لگائی گئی جو کہ اللہ کے فضل سے کامیاب رہی۔ اور بالآخر کئی گھنٹوں کی مستقل لڑائی کے بعد پولیس چیک پوسٹ فتح کر لی گئی۔ اس کامیاب کارروائی کے نتیجے میں مجاہدین کو کثیر تعداد میں غنیمت حاصل ہوئی۔ جس میں دوشکہ، سنائپر، راکٹ اور بندوقیں شامل ہیں۔

کارروائی کے بعد پولیس اہلکاروں کے نام بیان جاری کرتے ہوئے پیغام دیا گیا کہ چند پیسوں کی لالچ میں دشمنانِ دین کے ساتھ تعاون، ان کی سکیورٹی کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے، خود کو ایک ناکام و فاسد جمہوری نظام کے لیے قربان نہ کیجیے، کیونکہ یہ محض ایک خودکشی ہے۔ امریکی غلام فوجی جرنیل تمہیں اپنے مذموم مقاصد اور کرسی کی حفاظت کے لیے استعمال کرتے ہیں، خود عیاشیوں اور پرتعیش زندگی گزارتے ہیں، تمہارے خون کے بدلے وہ امریکہ سے ڈالر بٹورتے ہیں۔ ہم تمہیں قتل کرنے کا شوق نہیں رکھتے، ہمارا مقصد صرف ظلم و فساد کے اس نظام کو ختم کرنا ہے۔ اگر تم اس باطل نظام کے ساتھ تعاون چھوڑ دو تو ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں۔

- **۲۴ مئی ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان نے گلگت بلتستان کے ضلع دیامر کی تحصیل تانگر میں فوج کی ایک چوکی پر تعارضی حملہ کیا۔ حملے کے نتیجے میں چوکی میں موجود سکیورٹی اہلکاروں کو گرفتار کر لیا گیا اور بعد ازاں اس شرط پر رہا کر دیا گیا کہ وہ مستقبل میں فوج میں ڈیوٹی نہیں کریں گے۔ مجاہدین نے ایک کروڑ بیس لاکھ کی لاگت سے تعمیر کی گئی چوکی کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔
- **۲۵ جون ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان کے مجاہدین پر جنوبی وزیرستان کی تحصیل اعظم ورسک کے علاقے سرکی خیل (درس) کے مقام پر شریعت دشمن فوج نے چھاپہ مارنے کی کوشش کی۔ مجاہدین نے بروقت کارروائی کرتے ہوئے، دشمن کا محاصرہ کر لیا۔ یہ جھڑپ صبح سے شام تک جاری رہی۔ جس کے نتیجے میں ۸ فوجی ہلاک اور ۵ زخمی ہوئے۔ جبکہ ایک کواڈ کاپٹر ڈرون بھی مار گرایا گیا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۸ پر)

عالمی جہادی محاذوں کی کارروائیوں کا اجمالی جائزہ

مئی، جون، جولائی 2026ء

حرکت شباب المجاهدین

وكالة شهادة الإخبارية

صومالیہ/کینیا

- تعارض 80+
- گھات 12+
- مائن حملے 79+
- ڈرون حملے 13+
- ٹارگٹ کلنگ 6+

جماعت نصرة الاسلام والمسلمین

الزلاقة

مالی / برکینا فاسو / نائیجر/ بنین

- تعارض 60+
- گھات 27+
- مائن حملے 48+
- ہیلی کاپٹر تباہ 02
- فتح شدہ کیمپ و چوکیاں 85+

اتحاد المجاهدین پاکستان

صدائے حق

پاکستان

- تعارض 39+
- گھات 22+
- مائن حملے 17+
- ڈرون حملے 46+
- اسنائپر حملے 53+
- فتح شدہ کیمپ و چوکیاں 06+

الشوک والقرنفل

کانٹے اور پھول ١٦

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحییٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد و استشہاد کو جلا بخشتے، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سر گزشت 'الشوک و القرنفل' کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تا کہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ 'کانٹے اور پھول' کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

اکیسویں فصل

اکثر گھر میں بے انتہا بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے خاندان نے دوسری منزل تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا، یہ ذمہ داری بنیادی طور پر ابراہیم اور علی پر عائد تھی، اور مجھے حسن کے ساتھ ان کی مدد کرنی تھی، جبکہ محمود کو ہدایات دینا اور انجینئرنگ کی نگرانی کرنا اور ہمیں ضروری آلات فراہم کرنا تھا۔ ہم نے آہستہ آہستہ کام کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ گھر کی زندگی مفلوج نہ ہو کیونکہ ہمارے پاس رہنے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں تھی۔ محمود نے کھدائی کے مقامات مقرر کیے جہاں ہم نے دیواروں کے قریب اور اس کی بنیاد کے نیچے تقریباً ہر چار میٹر پر ایک گڑھا کھودا۔ ہم جب ایک گڑھے کو کھودتے تھے، ابراہیم لوہے کے سلاخوں کا ایک پنجرہ تیار کرتا تھا، گڑھا مکمل ہوتے ہی وہ اس میں پنجرہ رکھ دیتا تھا اور ہم نے پہلے ہی سیمنٹ تیار کیا ہوتا تھا جسے ہم گڑھے میں ڈال دیتے تھے۔ اس طرح گڑھے میں ریت کی بجائے سیمنٹ بھر جاتا تھا اور یہ دوسری منزل کی بنیادوں میں سے ایک بن جاتی تھی، اگلے دن ابراہیم سیمنٹ کے ستون کے لیے لوہے کی سلاخوں اور لکڑی کے طوبار کو تیار کرتا تھا اور اسے دیوار کے باہر سے دیوار پر ٹھیک کرتا تھا، پھر ہم اس میں سیمنٹ ڈالتے تھے جو چار میٹر کی اونچائی تک ہوتا تھا۔ اگلے دن ہم لکڑی کو نکال دیتے تھے اور دوسرے گڑھے پر کام شروع کر دیتے تھے، پھر ستون پر، اور اس طرح ہم نے تمام چوبیس ستون مکمل کیے۔

پھر محمود نے اپنے ٹھیکیدار دوستوں سے کافی مقدار میں لکڑی اور معاون پائپ مستعار لیے تا کہ آدھے گھر کی چھت بن سکے۔ ابراہیم نے پرانی ایس بیسٹو کی چھت کو ہٹانے کے بعد آدھی چھت کے لیے طوبار تیار کرنا شروع کیا، پھر اس نے حسن کی مدد سے چھت کے لیے لوہے کی سلاخوں کو تیار کیا، اور محمود نگرانی کرتا رہا، میں ان دونوں کے ماتحت مزدور تھا۔ پھر محمود نے ایک ٹھیکیدار سے مکسر مستعار لیا اور سیمنٹ، ریت، اور بجری لے آیا، اور ہمارے دوست اور پڑوسی ہماری مدد کرنے آ گئے۔

ایک جمعہ کی دوپہر اذان سے قبل ہم نے کام مکمل کر لیا اور نماز کی تیاری کے لیے چلے گئے، اس اتفاق پر کہ سب لوگ کھانے کے لیے واپس آئیں گے، اہل خانہ دو ہفتے تک مغربی حصے کے نصف میں غیر معمولی حالات میں رہے، یہاں تک کہ مشرقی حصے میں سیمنٹ خشک ہو گیا، اور ہم نے لکڑی کو نکال دیا، پھر ابراہیم پرانی دیواروں کو چھت تک مکمل کرنے لگا اور انہیں اور چھت کو پلاسٹر کرنے لگا، جب بھی ایک کمرہ تیار ہوتا، اس کا مالک اس میں واپس آ جاتا، یہاں تک کہ پورا خاندان مشرقی حصے میں منتقل ہو گیا اور ہم نے مغربی حصے کے کام کو مکمل کرنا شروع کر دیا، تین ہفتوں کے دوران یہ کام مکمل کر لیا گیا اور کچھ انتظامات باقی رہ گئے جو فرش اٹھانے اور ٹائلنگ کے متعلق تھے، یہ کام اسی وقت شروع ہوا جب دوسرے فلور پر ستون اٹھانے اور بیرونی دیواریں تعمیر کرنے کا کام شروع ہوا، یہ واضح تھا کہ ہمیں دوسرے فلور کی کھڑکیوں کی سطح بہت اونچی رکھنی ہو گی تا کہ ہمسایوں کے گھروں پر نظر نہ پڑے۔

☆☆☆☆

انتفاضہ کی سرگرمیاں بڑھتی جا رہی تھی اور ان کے جوش و خروش میں اضافہ ہو رہا تھا، ہمارے گھر کے کام میں مصروف رہنے کے باوجود ہم نے ان سرگرمیوں میں اپنا کردار برقرار رکھا۔ میں وقتاً فوقتاً فوجی تنازعات اور مزاحمتوں میں شرکت کرتا رہا۔ محمود اور ابراہیم دونوں اپنی اپنی تنظیم میں قائدانہ کردار ادا کرتے رہے، خاص طور پر تنظیمی امور، ہدایات، منشورات اور مسائل کے حل میں۔ ایسا لگتا تھا کہ اسرائیلی قائدین نے خیال کیا ہے کہ محض جبر انتفاضہ کو روکنے کے لیے کافی نہیں ہے، جو کہ ایک مستقل اور جاری رہنے والا رجحان بن چکا تھا۔ انہوں نے نقب میں ایک بڑا قید خانہ کھولنے کا فیصلہ کیا جو ہزاروں قیدیوں کو سمو سکتا تھا اور اسے براہ راست فوج کے زیر انتظام کر دیا۔ فوج نے نقب کے وسیع علاقے کو تاروں کی باڑوں اور پہرے کے برجوں سے گھیر لیا اور بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کی مہم شروع کی تا کہ ہر اُس کارکن کو یا مشتبہ افراد کو گرفتار کیا جا سکے جو انتفاضہ کی روح کو زندہ رکھنے اور اس کی استمراری میں کردار ادا کر رہے تھے اور انہیں قید خانہ میں ڈال دیا۔ گرفتار ہونے والے پہلے گروہ میں میرے بھائی محمود اور میرے چچازاد ابراہیم بھی شامل تھے۔ بڑی تعداد میں فوج رات کے وقت ہمارے گھر پر چھاپہ مار کر انہیں میری ماں، ان کی بیویاں اور بچوں کی چیخوں کے درمیان گرفتار کر کے لے گئی۔ انہیں فوری طور پر بغیر کسی مقدمے کے اور علاقے کے فوجی حاکم کے فیصلے کے مطابق چھ ماہ کی انتظامی قید میں ڈال دیا گیا۔

پہلے گروہ کو نقب کے قید خانے میں پہنچایا گیا جو ابھی تک محض ایک وسیع زمین کا ٹکڑا تھا جسے تاروں کی باڑوں سے گھیر دیا گیا تھا اور پہرے کے برجوں سے محفوظ کیا گیا تھا، انہیں بے حد بے عزتی کے ساتھ مارا پیٹا گیا اور ہاتھوں کو سر کے اوپر جوڑ کر، اور سر جھکائے، مار پیٹ اور گالی گلوچ کے ساتھ زمین پر بیٹھا دیا گیا، پھر کچھ گروہوں کو اٹھنے اور بڑے فوجی خیمے نصب کرنے کا حکم دیا گیا، ہر شخص کو چار کمبل دیے گئے اور خیموں میں تقسیم کر دیا گیا، ہر خیمے میں تقریباً بیس قیدی تھے، قیدی دن رات بغیر کسی توقف کے سینکڑوں کی تعداد میں قید خانے میں پہنچ رہے تھے، ہر نئے گروہ کی استقبال کے طور پر وہی بے عزتی اور تذلیل کی جاتی تھی۔

مردم شماری دن میں چار بار ہوتی تھی، ایک سپاہی مائیکروفون کے ذریعے مردم شماری کا اعلان کرتا تھا اور سب کو خیموں سے باہر نکل کر سیکشن کے سامنے وسیع میدان میں باقاعدہ دیے گئے نمبروں کے مطابق بیٹھنا ہوتا تھا۔ شمار کا آغاز افسر نمبر کہہ کر کرتا اور قیدی اپنا نام بتاتا یا افسر پہلے نمبر والے کو جواب دینے کو کہتا اور پھر دوسرا اپنا نمبر بتاتا اور اسی طرح سلسلہ چلتا۔ اگر کوئی خلل ہوتا تو عدد دوبارہ شروع ہوتا، کبھی ایک گھنٹہ، کبھی دو کبھی تین گھنٹے تک چلتا رہتا اور سب زمین پر بیٹھے رہتے، جبکہ بندوقیں خاردار تاروں کے پیچھے سے ان کی طرف نشانہ باندھے رہتیں اور پہرے دار برجوں سے اپنی بھاری مشین گنوں کا رخ ان کی طرف کیے رہتے اور سب کے گرد درجنوں سپاہی ڈنڈے لے کر کھڑے ہوتے۔ پانچ یا سات افراد کا کھانا ایک کو بھی پورا نہیں ہوتا اور کپڑے میلے اور ناکافی ہوتے، جو کہ زیادہ تر بہت بڑے ہوتے تھے اور قیدیوں کو انہیں اپنے کمر کے گرد کپڑے کا ٹکڑا باندھ کر ٹکانا پڑتا تھا، پانی بہت کم ہوتا، غسل ہر ہفتے ایک بار اور پانچ منٹ میں فارغ ہونا ہوتا تھا، بیت الخلا لکڑی کے چھوٹے چھوٹے کیبنوں کی ایک قطار ہوتی تھی جو ایک لمبے گڑھے کے اوپر نصب ہوتے تھے جبکہ نہ تو نکاسی آب کا نظام ہوتا تھا اور نہ پانی۔ نہ کوئی اہل خانہ کی ملاقات ہوتی تھی، نہ پیغامات، اور نہ ہی ریڈ کراس کے نمائندے آتے تھے کہ کوئی عملی مدد کر پاتے سوائے انسانیت سوز صورتحال کی رپورٹس لکھنے اور اعلیٰ حکام کو بھیجنے کے۔

قیدیوں نے پہلے چند ہفتوں میں اپنی صفوں کو منظم کرنے کی کوششیں شروع کیں تاکہ اپنی زندگی کی حالت بہتر بنا سکیں اور ظالم جیلر پر اپنا احترام مسلط کر سکیں۔ فوراً ہی دھڑے بندی کی نمائندگی کا مسئلہ کھڑا ہو گیا کیونکہ فلسطین لبریشن آرگنائزیشن میں موجود تحریکیں، فتح، الجبهة الشعبية، اور ڈیموکریٹک فرنٹ وغیرہ نے اجتماع کر کے اس بات پر اتفاق کیا کہ اسلامک تنظیموں یعنی حماس اور اسلامی جہاد کی موجودگی کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور جو افراد جیل میں آئیں گے انہیں صرف فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کے کسی نہ کسی جماعت کے تحت زندگی گزارنی ہو گی اور وہ اپنی مرضی سے زندگی نہیں گزار سکتے۔ فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کے افراد کی تعداد زیادہ تھی اور یہ بات واضح تھی کہ معاملہ طاقت کے ذریعے نافذ کیا جا رہا تھا اور جو بھی انکار کرتا اسے زبردستی اور تشدد کا سامنا کرنا پڑتا۔ اسلام پسندوں کی قلیل تعداد کو وقتی طور پر اس حقیقت کو قبول کرنا پڑا اور خاموشی سے زندگی گزارنی پڑی۔ ابراہیم کو اس معاہدے کے تحت زندگی گزارنی پڑی، وہ محمود کی طرف طویل استنکاری نظروں سے دیکھتا، محمود مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرتا جیسے کہہ رہا ہو: کیا کیا جائے؟ تمہارے پاس کوئی اور آپشن نہیں ہے اور تمہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہو گا اور میری براہ راست ذمہ داری کے تحت زندگی گزارنی ہو گی۔ ابراہیم سر ہلاتے ہوئے جیسے کہہ رہا ہو: ٹھہرو ٹھہرو، ہر چیز کا ایک وقت مقررہ ہوتا ہے۔

انتظامیہ کے ساتھ سخت لڑائی تھی کیونکہ قید خانے کے سخت حالات پر خاموشی اختیار نہیں کی جا سکتی تھی اور فوری طور پر ایک مضبوط ردعمل کی ضرورت تھی۔ لیکن احتجاج یا اعتراض کی کوئی بھی شکل فوراً سخت جبر اور اجتماعی سزاؤں کے ساتھ جواباً دی جاتی تھی۔ قیدیوں کو گھٹنوں تک زمین پر بٹھا دیا جاتا، پھر قید خانے کا کمانڈر اپنی فوجی وردی میں آتا، اپنے ہاتھ کمر پر رکھ کر اکڑ کر چلتا، اور ٹوٹی پھوٹی عربی میں دھمکیاں دیتا اور ڈراتا۔

محمد رملہ میں مقیم تھا اور مجھے اور میرے بھائی حسن کو پورے خاندان کا بوجھ اٹھانا پڑا۔ خاص طور پر میری ماں، بھائی محمود کی بیوی اور اس کے بچوں، اور میری بہن مریم جو ابراہیم کی بیوی تھی۔ گھر کی تعمیر کا کام رک گیا تھا اور گھر کا ماحول ماں، محمود کی بیوی اور مریم کے رونے دھونے سے افسوسناک ہو گیا تھا۔ جب بھی کھانا تیار ہوتا، ماں رونے لگتی اور اس کے پیچھے باقی خواتین بھی رونے لگتی، بچے بھی رونے لگتے، اور پھر مجھے اور حسن کو حالات کو سنبھالنے اور دلجوئی کرنے کی کوشش کرنی پڑتی، اور صبر کی تلقین کرنی پڑتی کہ یہ وقت زیادہ لمبا نہیں چلے گا۔ جب بھی بچوں کو کچھ ضرورت ہوتی یا ماں سے پوچھتے کہ ”ابا کب آئیں گے؟“ تو ماں رونے لگتی، اور پھر مجھے اور حسن کو حالات کو سنبھالنے کی کوشش کرنی پڑتی۔

اچانک، ایک دن حسن بھی گرفتار ہو گیا، اور میں ایک ایسی انسانی بحران کا سامنا کرنے لگا جسے برداشت کرنے کی صلاحیت میرے پاس نہیں تھی۔ حسن کی بیوی اور اس کے بچے بھی غم کا شکار ہو گئے، اور مجھے تسلی دینے کی کوشش کرنی پڑتی، کبھی کامیاب ہوتا اور کبھی اپنے اعصاب پر قابو نہیں رکھ پاتا اور چیخنے لگتا کہ یہ رونا دھونا بے مقصد ہے اور کیا چھ مہینے کی قید واقعی اتنی تکلیف دہ ہے؟ شاید ان پر چیخنا زیادہ مؤثر تھا کیونکہ اس سے رونا دھونا کم ہو جاتا، یا وہ اپنے کمروں میں جا کر روتے۔ لیکن دو مہینے گزرنے کے بعد گھر میں اجتماعی رونے دھونے کی حالت کم ہو گئی اور لگتا تھا کہ وہ حالات سے سمجھوتہ کر چکے تھے۔

جب حسن نقب پہنچا تو اس کے ساتھ غزہ اور مغربی کنارے سے سینکڑوں قیدی بھی آئے، جو مختلف قوتوں اور رجحانات کے سرگرم کارکن تھے، لیکن یہ واضح تھا کہ اسلام پسندوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہو رہا تھا اور وہ ایک قابل ذکر طاقت بن گئے تھے۔ کچھ دنوں بعد ان میں سے کچھ لوگ، جن کی قیادت ابراہیم اور حسن کر رہے تھے، جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ ان کی موجودگی کو تسلیم کروایا جائے اور ان کے ساتھ درست برتاؤ کیا جائے۔ وہ محمود اور دیگر قومی قوتوں کے رہنماؤں کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ انہیں ایک آزاد قوت کے طور پر تسلیم کیا جائے اور انہیں کچھ خیمے دیے جائیں تاکہ وہ باقی دھڑوں کی طرح رہ سکیں اور اپنی زندگی گزار سکیں۔

جواب انکار اور طاقت کے استعمال کی دھمکی کا تھا اور واضح ہو گیا تھا کہ معاملات تصادم کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان نوجوانوں نے اپنی مرضی کی چیزیں وہاں نافذ کرنا شروع کر دی تھیں، جیسے کہ ان میں سے ایک امام کے ساتھ اجتماعی نماز پڑھنا، ان میں سے ایک خطیب کا جمعہ کا خطبہ دینا اور اجتماعی جلسے منعقد کرنا۔ جب نئے قیدیوں کی تعداد بڑھنے لگی جن میں سے کچھ جوان بھی شامل تھے جو حقیقت کو قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے، تو زبانی جھگڑے شروع ہو گئے جو ہاتھا پائی، گھونسے اور تھپڑوں تک جا پہنچے۔ پھر پتھروں اور خیموں کی پائپوں سے مار پیٹ شروع ہو گئی، کئی زخمی ہوئے اور قابض فوجی تماشائی بنے رہے اور مداخلت نہ کی یہاں تک کہ جھگڑا ختم ہو گیا۔ پھر وہ زخمیوں کو اٹھانے اور علاج فراہم کرنے آئے اور اسے میڈیا تک اس طرح پہنچایا کہ فلسطینی قیدی آپس میں لڑ رہے ہیں اور جلاد ان کا علاج کر رہا ہے اور ان کے زخموں کو سی رہا ہے۔

مسئلہ حل نہ ہوا اور ہر فریق اپنے مؤقف پر قائم رہا، اور ایسا لگتا تھا کہ کچھ ذاتی اختلافات جیسے محمود اور ابراہیم اور حسن کے درمیان کے اختلافات بھی اپنی جھلک دکھا رہے تھے اور نظریاتی اور گروہی اختلافات کو مزید شدت دے رہے تھے۔ داخلی سطح پر تنظیم آزادی فلسطین کے درمیان اور دوسری طرف اسلام پسندوں کے درمیان، اور دوسری طرف مجموعی قیدیوں اور جیل انتظامیہ کے درمیان جو ان کے ساتھ بدترین طریقے سے پیش آ رہی تھی، ایک اور تصادم ہوا جو پچھلے تصادم کے حجم کا نہیں تھا اور دونوں طرف کے عقل مندوں کی آوازیں بلند ہوئیں کہ یہ حالت ناقابل برداشت ہے اور جاری نہیں رہ سکتی اور ضروری ہے کہ کوئی حل تلاش کیا جائے جو کشیدگی کو دور کرے اور اجلاس اور مذاکرات منعقد ہوئے، جہاں اسلام پسندوں کے مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک آزاد قوت کے طور پر تسلیم کیا گیا کہ اسے دیگر تنظیموں کی طرح حق حاصل ہے اور ان کے لیے خصوصی خیمے مختص کیے گئے۔

☆☆☆☆

پورے مقبوضہ فلسطین میں مظاہرے جاری رہے اور شدت اور تصادم بڑھتا رہا اور پہلے چند ماہ کے دوران پورے مقبوضہ فلسطینی علاقے کو گھیر لیا، کوئی شہر، گاؤں، کیمپ یا گلی ایسی نہیں رہی جہاں مظاہرے نہ ہوئے ہوں اور ہر طبقہ اپنی قابلیت اور حالات کے مطابق فعال ہو گیا۔ بڑے بڑے مظاہروں کی جگہ گلی کوچوں، محلوں اور گاؤں میں محدود تعداد میں لوگ ٹائر جلاتے، رکاوٹیں اور بینرز کھڑے کرتے، اور جب قابض فوج آتی تو پتھر، آتش گیر بوتلیں اور سلفر بم پھینکتے جنہیں لڑکے ''اکواع'' کہتے تھے۔ کسی بھی گشتی، خواہ پیدل ہو یا سوار، کے گزرنے پر ہر گلی، سڑک یا چوراہے پر تصادم شروع ہو جاتا۔

آنسو گیس کے گولے، براہ راست گولیوں، ربڑ کی گولیوں، پلاسٹک کی گولیوں کا استعمال، گرفتاریوں اور ہڈیوں کو توڑنے کا سلسلہ قابض فوج کی جانب سے جاری تھا اور مظاہرین کی سرگرمیاں بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہر گلی میں جب لڑکے جمع ہوتے اور بات کرنے کا موقع ملتا تو ہر ایک اپنا سر دکھاتا جو ڈنڈے سے پھٹا ہوا ہوتا اور ٹانکے کے نشانات ابھی بھی نمایاں ہوتے۔ اور جو ان تمغوں میں سے کوئی بھی نہیں لے سکا، وہ بات بدلنے کی کوشش کرتا یا گشت کرنے والی گاڑی کے آتے ہی جوش میں وہاں پہنچتا تاکہ وہ بھی اپنے ساتھیوں اور ہم عمروں کی طرح بہادری اور مردانگی کا تمغہ حاصل کر سکے۔

قابض فوج کی خفیہ ایجنسیوں کے لیے سرگرم کارکنان اور واقعات کے محرکین کی شناخت کرنا بہت ضروری تھا، اس لیے وہ اپنے جاسوسوں کو استعمال کرتی تھی تاکہ وہ جھڑپوں اور تصادم کے مقامات کے قریب رہیں اور مساجد کے دروازوں پر موجود رہیں، ان میں سے کچھ لوگ اپنی بری شہرت کے لیے پہلے ہی مشہور تھے اور ان پر لوگوں کو شک تھا، کچھ لوگ تو اس قدر واضح اور نمایاں انداز میں اپنا کام کرتے تھے کہ نوجوان انہیں دیکھ کر پیچھے ہٹ جاتے اور پھر نقاب پہن کر واپس آتے تاکہ وہ انہیں پہچان نہ سکیں اور ان کے نام خفیہ ایجنسیوں کو نہ بتا سکیں جو بعد میں انہیں گرفتار کرنے آتی تھی۔

ایک دفعہ جب ایک شہید کا جنازہ اٹھایا گیا اور اسے مسجد لے جایا گیا تاکہ اس کی تدفین کی رسم ادا کی جائے، تو کیمپ کے مرد، خواتین اور بچے بڑی تعداد میں جمع ہو گئے، ایسے میں ایک مشکوک شخص آکر سڑک کے کونے پر کھڑا ہو گیا، جس سے لوگوں میں اضطراب پیدا ہوا اور کارکنان نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور نقاب پہن کر واپس آ گئے، جمعیت بڑھتی گئی، اور پھر ایک نقاب پوش نوجوان نے چیخ کر کہا کہ ہم کیوں خاموش رہتے ہیں ان غداروں کے بارے میں جو ہمیں دیکھتے ہیں اور ہماری اطلاعات خفیہ ایجنسیوں کو بھیجتے ہیں؟ پھر فوج آتی ہے اور ہمیں گرفتار کرتی ہے، اور ہمیں چھپنے یا نقاب پہننے پر مجبور کرتی ہے، انہیں ڈرنا چاہیے اور چیخ کر جمعیت کو مشکوک شخص پر حملہ کرنے کا کہا۔ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جمعیت اس مشکوک شخص پر ٹوٹ پڑی اور اسے مارنے لگی، تقریباً اسے مار ہی دیا تھا کہ ایک عقلمند نے بیچ بچاؤ کرایا اور چیخ کر کہا کہ کیا تم اسے مارنا چاہتے ہو؟ بس کرو، اور اسے کھینچ کر لے گیا، حالانکہ اس کا جسم ہر جگہ سے سوجا ہوا تھا۔

مشکوک افراد کو مارنے اور انہیں سزا دینے کا رجحان بہت بڑھ گیا تھا کیونکہ بہت سے ایسے لوگ مظاہرین یا نقاب پوشوں کی بہت ہی احمقانہ اور نمایاں انداز میں نگرانی کرتے تھے اور، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کوئی مشکوک شخص نقاب پوشوں کے ایک گروپ کا پیچھا کرتا رہتا تاکہ جب وہ نقاب اتاریں تو انہیں پہچان سکے۔ اس لیے مظاہرین یا نقاب پوش اسے خوب مارتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ وہ تقریباً مر ہی جاتا۔

ان میں سے ایک مشہور مخبر ایک ہسپتال دار الشفاء میں نگران کے طور پر کام کرتا تھا جہاں ہسپتال سرکاری تھا یعنی صحت کی انتظامیہ کے تحت تھا۔ انہوں نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ اپنے مخبروں کو ایسے حساس مقامات پر تعینات کریں، اس شخص کی سیرت بدنام اور مشہور تھی اور اس کا مخبری کرنا واضح تھا، کیونکہ اس نے کئی بار فون اٹھا کر حکام یا فوجیوں کو کسی زخمی شخص کو گرفتار کرنے کے لیے بلایا تھا (یہ سب انتفاضہ سے پہلے کی بات ہے)۔

جب انتفاضہ شروع ہوئی تو یہ مخبر کچھ وقت کے لیے غائب ہو گیا کیونکہ ہجوم غصے میں بھرا ہوتا تھا، اور ایک دفعہ جب ایک بڑا ہجوم جمع تھا اور کچھ زخمی وہاں آئے، ایک نوجوان نے اسے پہچان لیا اور لوگوں کو اس کی حقیقت یاد دلائی، تو ہجوم نے اس پر پتھر برسانا شروع کر دیے اور اسے شیطان کی طرح مارا، پھر لوگوں نے اسے لاتوں اور جوتوں سے مارا اور اس کے جسم کو سوجا دیا، اور وہ بمشکل بچا جب بڑی تعداد میں فوجی وہاں پہنچ گئے۔ مشہور مخبروں کی موجودگی کچھ کم ہو گئی لیکن جب بھی کوئی نظر آتا اور ہجوم کے ہاتھوں میں آتا تو اسے ان سالوں کے ظلم کا مزا چکھایا جاتا جو انہوں نے مخبری کرتے ہوئے گزارے تھے۔ لگتا تھا کہ انٹیلی جنس نے اپنے مخبروں کو زیادہ ہوشیاری سے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن مظاہرین کا تجربہ بھی ساتھ ساتھ ترقی کر رہا تھا۔

کئی بار مخبر کو رنگے ہاتھوں پکڑا گیا جب وہ مظاہرین کے نام لکھ رہا ہوتا، یا دوسرا پکڑا گیا جب وہ ایک چھوٹے کیمرے سے مظاہرین کی تصاویر لے رہا ہوتا جو لائٹر کی شکل میں ہوتا، یا کوئی اور پکڑا گیا جب وہ مسجد میں جمعہ کے خطبہ کو ایک چھوٹے ریکارڈر سے ریکارڈ کر رہا ہوتا جنہیں انٹیلی جنس اپنے مخبروں کو ایسے کاموں کے لیے فراہم کرتی تھی۔ ہجوم اس پر یا اس جیسے کسی اور کے سر پر جوتے برساتا، کیونکہ باقاعدہ فوجی، اپنے یونیفارم، ہیلمیٹ اور ہتھیاروں کے ساتھ، ہر بار مظاہرین سے ٹکراتے تھے جو ان کی حرکت کو روک دیتے تھے۔ فوج نے اپنے طریقے بدلنے شروع کر دیے، انہوں نے گاڑیوں کے شیشوں پر لوہے کی جالیاں لگانا شروع کر دیں تاکہ پتھروں سے شیشے نہ ٹوٹیں، پھر انہوں نے خصوصی دستے استعمال کرنے شروع کیے جو عام فلسطینی لباس میں ہوتے تھے، کبھی پیدل چلتے اور کبھی مقامی لائسنس والی گاڑیاں استعمال کرتے، یا سڑکوں پر لوگوں سے گاڑیاں چھین لیتے۔ یہ لوگ یا تو ہتھیار چھپائے چلتے یا گاڑیوں میں سفر کرتے اور جب کسی مظاہرہ کرنے والے یا نقاب پوش کے قریب پہنچتے تو ہتھیار نکال کر اسے گرفتار کر لیتے، اور اگر کوئی ان کی مدد کو آتا تو اس پر گولی چلا دیتے۔ بڑی فوجی کمک ان کے قریب ہی ہوتی تھی، مثلاً کسی قریب کے متوازی سڑک پر، اور جلد ہی ان کی مدد کو پہنچ جاتی تھی تاکہ انہیں ہجوم کے ہاتھوں اور پتھروں سے بچا لے۔ ان خصوصی دستوں کے افراد کبھی کبھار مظاہرین یا نقاب پوشوں کے قریب جا کر انہیں زخمی کرنے یا قتل کرنے کے ارادے سے ان پر گولیاں چلاتے تھے۔

ان افواج نے اپنی گرفتاریوں، زخمی کرنے اور قتل و غارت کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کیے، اور عوام میں نقاب پوشوں کے خوف کی لہر پیدا کی، مگر کچھ ہی عرصے بعد عوام نے اس کا عادی ہونا شروع کر دیا اور اس کو پہچاننے کی صلاحیت حاصل کر لی۔ کئی مواقع پر ان افواج کے افراد بڑے ہجوم یا نقاب پوش نوجوانوں کی بڑی تعداد میں پھنس گئے جہاں انہیں وہی ذائقہ چکھایا گیا جو وہ ان نوجوانوں اور عوام کو چکھاتے رہے تھے۔ کبھی کبھار کچھ پریشانیاں بھی پیش آئیں جب عوام نے انتفاضہ کے نقاب پوش نوجوانوں کے کسی گروہ پر شک کیا اور ان پر حملہ کرنے کی کوشش کی، تو وہ اپنی شناخت ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے تاکہ انہیں سزا نہ ملے۔

عوام میں یہ افواہیں بھی پھیل گئیں کہ کچھ مخبر ان افواج کے ساتھ شامل ہیں جو نوجوانوں پر حملہ کرتی ہیں، کیونکہ کئی بار مظاہرین نے ان افواج پر حملہ کرتے وقت کسی کا نقاب اتارا اور اسے پہچان لیا یا عوام نے اسے پہچان لیا اور اس کی مدد کے لیے پہنچ گئے، اس وجہ سے مخبروں کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوا اور اگر کوئی پکڑا گیا تو اسے پہلے پکڑے گئے لوگوں سے زیادہ سزا ملی۔

☆☆☆☆

نقب جیل میں قیدیوں کی تعداد بڑھ کر ہزاروں تک پہنچ گئی اور جیل مختلف حصوں میں تقسیم ہو گئی جنہیں نمبروں سے پہچانا جاتا تھا۔ اس کی انتظامیہ کی پالیسی ظلم و ستم اور تشدد پر مبنی رہی، اور کسی بھی معاملے میں تشدد اور مار پیٹ کی جاتی تھی۔ متعلقہ حصے کو آنسو گیس کے سمندر میں غرق کر دیا جاتا تھا یا جیل کا کمانڈر آتا تھا اور دھمکیاں دیتا تھا اور چیختا چلاتا تھا۔ ایک موقع پر گنتی کے انتظار میں بیٹھنے کا وقت طویل ہو گیا، جب گنتی آئی تو افسران نے کئی بار غلطی کی، اور ہر بار جب وہ غلطی کرتے تو دوبارہ شروع کرتے، یہاں تک کہ بیٹھنے والے تھک گئے، واضح طور پر بے چینی ہوئی۔ افسران نے پوچھا کہ کس نے بات کی؟ کوئی جواب نہ دیا، اس سے ماحول مزید کشیدہ ہو گیا اور بڑی تعداد میں افواج جمع ہو گئی، جیل کا کمانڈر آیا، دھمکیاں دیں، توہین کی، اور موجود لوگوں کو بزدلی کا الزام دیا اور کہا کہ ان میں کوئی مرد نہیں ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ کس نے بات کی؟ ایک نوجوان کھڑا ہوا اور بولا: سمجھیں کہ میں نے بات کی، اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم سب مرد ہیں، اور آپ کے بزدل سپاہی ہتھیاروں کے ہوتے ہوئے بھی کانپ رہے ہیں۔ کمانڈر نے اپنے ہتھیار کو نوجوان کی طرف اٹھایا، جو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں جھجکا اور اس کی پلکیں نہیں جھپکی وہ کھڑا رہا تو کمانڈر نے اس کی آنکھوں کے درمیان ایک گولی ماری اور وہ شہید ہو گیا۔

گولی کی آواز اور ''اسعد'' کا گرنا قید خانے میں بغاوت کی شروعات کا اشارہ تھا۔ وہاں موجود تمام لوگ کود پڑے اور جو کچھ ان کے ہاتھ میں آیا اٹھا کر قید خانے کے محافظوں پر پھینکنے لگے، جنہوں نے فائرنگ شروع کر دی، برجوں میں موجود سپاہیوں نے بھی اپنی بھاری مشین گنوں سے فائرنگ شروع کر دی۔

قید خانہ آنسو گیس سے بھر گیا، اور قیدیوں نے خیمے اکھاڑنے شروع کر دیے، اور قید خانے کے حصوں کو گھیرنے والے خار دار تاروں پر حملہ کر دیا، انہیں ہلانے اور اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ واضح ہو گیا کہ حالات قابو سے باہر ہو چکے ہیں، اس لیے قریبی فوجی کیمپ سے بڑی تعداد میں فوجی دستے بلائے گئے، جو ٹینکوں کے ساتھ قید خانے کو گھیرنے لگے اور بھاری مشین گنوں کو نصب کرنے لگے اس خوف سے کہ قیدی خار دار تاروں کو اکھاڑ کر فرار نہ ہو جائیں۔ واضح ہو گیا کہ تشدد مسئلے کا حل نہیں ہے، یہاں بڑے فوجی قائدین نے کچھ قیدیوں کے قائدین کے ساتھ مذاکرات کی کوشش کی تاکہ حالات کو پرسکون کیا جا سکے، مذاکرات شروع ہوئے اور تشدد ابھی جاری تھا، یہاں تک کہ اس قائد کو برخاست کرنے اور قیدیوں کے ساتھ تعاون کے طریقے کو بالکل تبدیل کرنے پر اتفاق

ہوا۔ گنتی کا طریقہ احترام کے ساتھ، کھانے کی بہتری، کینٹین کی خریداری اور قید خانے میں آزادانہ نقل و حرکت اور اجتماع کی اجازت دینے پر اتفاق ہوا۔ اس سے حالات پر سکون اور مستحکم ہونے لگے، چند دنوں میں حالات قید خانے میں بتدریج بہتر ہونے لگے، قید خانہ ایک اکیڈمی میں تبدیل ہونے لگا جہاں انتفاضہ کی ثقافت اور فنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ایک خیمے میں فلسطینی مسئلے کی تاریخ پڑھائی جاتی تھی، دوسرے میں سیکورٹی علوم اور تفتیشی طریقے، تیسرے میں جہاد اور شہادت کی فقہ کی تعلیم، اور چوتھے اور پانچویں میں، ناخواندگی مٹانے کا کورس اور عربی خطاطی کے اصولوں کا کورس ہوتا تھا۔ ایک نوجوان قید خانے میں ان پڑھ آتا اور ایک سال کی انتظامی قید کے بعد پڑھنا اور لکھنا سیکھ کر نکلتا، اور کئی مختلف شعبوں کی تربیت حاصل کرتا۔

دوستوں کا ایک گروپ جمع ہوتا اور رہائی کے بعد عمل کرنے کا عہد کرتا اور انتفاضہ کو جاری رکھنے اور ترقی دینے کا وعدہ کرتا۔ چونکہ نقب قید خانے میں مختلف قومی اور اسلامی قوتوں کے سب سے بڑے کارکنوں کا اجتماع ہو چکا تھا، اس لیے قابض انٹیلی جنس نے اس اجتماع پر توجہ دینا شروع کی اور اپنے درجنوں مخبروں کو اس اجتماع میں شامل کیا، جنہیں کسی نہ کسی بہانے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جاتا تھا۔ ان سے کہا جاتا کہ وہ کارکنوں کے بارے میں معلومات جمع کریں، ان کے ارادے، باتیں، اور سرگرمیاں جانیں، اور ان کے قریب ہو جائیں تاکہ جب وہ قید سے باہر نکلیں تو ان کی سرگرمیوں میں شامل ہو سکیں، لیکن ان مخبروں کو جلد ہی بے نقاب کر کے ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیا جاتا۔

ان میں سے کچھ شخصیات مختلف قوتوں کے کارکنوں کے لیے معروف اور جانی پہچانی تھیں اور کچھ غیر معروف تھیں۔ تجربے کے حامل ہونے کے ناطے، قیدیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ قید میں رہتے ہوئے ایک سیکورٹی سرگرمی کا آغاز کریں گے جس میں وہ نگرانی کریں گے، ریکارڈ کریں گے، مواد تیار کریں گے اور تفتیش کریں گے۔ حالات اس حد تک بڑھ گئے کہ بعض مشتبہ یا مخبر افراد سے تفتیش کی گئی اور کئی مواقع پر جسمانی دباؤ اور تشدد کا بے جا استعمال کیا گیا جس کے نتیجے میں غیر ارادی طور پر اموات بھی ہوئیں یا کچھ تفتیشی افراد کو جسمانی نقصان پہنچا۔ مگر ان منفی پہلوؤں کے باوجود اس عمل نے انتفاضہ کو نقصان پہنچانے کی مخفی منصوبوں اور خفیہ ایجنسیوں کے پروگراموں کو بے نقاب کیا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ نقب کا قید خانہ، جہاں ہزاروں قیدی تھے، ایک حقیقی اکیڈمی بن گیا تھا، یہاں نوجوان داخل ہوتے اور تجربہ حاصل کرتے، تعلیم حاصل کرتے اور تجربات کا تبادلہ کرتے۔

☆☆☆☆

مخبر افراد کا تعاقب کرنے کی یہ روش عوامی سڑکوں تک پھیل گئی، جہاں مختلف گروہوں نے مشہور مخبر افراد کا تعاقب شروع کیا، انہیں گرفتار کیا یا اغوا کیا، اور انہیں باغات یا دور دراز کے مقامات پر لے جا کر کئی دنوں تک ان کی تفتیش کی گئی۔ کبھی کبھی تشدد کا استعمال کیا گیا، اور بعض اوقات حد سے زیادہ تشدد بھی کیا گیا۔ بعض گروہوں نے ان مخبر افراد کو قتل کر کے ان کی لاشیں کوڑے دانوں یا عوامی مقامات پر پھینک دیں، تاکہ خوف اور رعب پیدا ہو، کبھی کبھی ان مخبر افراد کو عوامی مقامات پر لایا جاتا، جہاں لوگوں کا ہجوم ہوتا، انہیں بجلی کے کھمبے سے باندھا جاتا، کوڑے مارے جاتے یا ان کے ہاتھ یا پاؤں کاٹ دیے جاتے، یا گولیاں مار دی جاتیں۔

یہ روش بڑھتی گئی اور بعض گروہوں کے درمیان مقابلے کا میدان بن گئی، جہاں بہت زیادہ تشدد کے ناگوار مناظر سامنے آئے۔ یقیناً بعض حالات میں حد سے تجاوز کیا گیا، جس کی وجہ سے بعض معاملات میں ناانصافی بھی ہوئی، مگر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قابض فوج کے ساتھ تعاون کرنے کی روش کمزور ہو گئی اور واضح طور پر کم ہو گئی۔ اس طرح خوف کا ماحول پیدا ہو گیا اور بہت سے مخبر افراد غائب ہو گئے، قابض فوج کی طرف بھاگ گئے یا ملک چھوڑ گئے۔ مخبر افراد پر دباؤ کی شدت کے باعث اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ بھاگنے کی وجہ سے قابض فوج کی خفیہ ایجنسی نے غزہ کے علاقے میں ایک مرکز قائم کیا جسے ”الدهينية “کہا جاتا تھا، اور مغربی کنارے میں ایک مرکز ”مخمه“ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اکثر حالات میں جب مخبر قتل کیے جاتے یا تشدد کا نشانہ بنتے قابض فوج اپنے مخبر افراد کو بچانے کے لیے مداخلت نہیں کرتی تھی، کیونکہ ان کی مداخلت انہیں عوامی اجتماعات میں داخل ہونے پر مجبور کرتی، جو ان کے لیے خطرناک ثابت ہوتی، کیونکہ ان پر پتھر، آتش گیر بوتلیں اور دستی بم پھینکے جاتے، جو نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہر جگہ موجود ہوتے۔ یہ مخبر افراد دراصل دشمن کی خدمت کے لیے بھرتی کیے گئے تھے، نہ کہ اس کے برعکس۔

کبھی کبھار اور بڑے مخبروں کو بچانے کے لیے جو کہ بہت ہی نایاب صورتوں میں ہوتا تھا، ایک ہیلی کاپٹر کے ساتھ فوجیوں کو اتارا جاتا تاکہ انہیں اور ان کے خاندان کو ان کے گھر سے نکالا جا سکے قبل اس کے کہ ہجوم ان پر حملہ کرے، لیکن یہ رجحان کم ہو گیا اور مخبروں کے خوف اور ان کی رپورٹوں میں کمی آئی، ان کی حرکات اور نگرانی کے واضح مظاہر ختم ہو گئے۔

☆☆☆☆

ہر روز کیمپ میں خاندان اپنے بچوں کی رہائی کا جشن مناتے جو اپنی سزا پوری کر کے جیل سے باہر آتے تھے، جبکہ دوسرے خاندان رات کے وقت اپنے بچوں کی گرفتاری پر روتے، رہائی اور گرفتاری روزانہ کا معمول بن چکی تھی۔ محمود اور ابراہیم کو رہا کیا گیا اور ہم نے اس کا جشن منایا، ہمسایوں اور رشتہ داروں نے ہمیں مبارکباد دی اور ہر ایک نے اپنے کام، پڑھائی اور احتجاجی تحریک کی سرگرمیوں میں مزید احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ واپس آنا شروع کیا۔ ہم نے دوسری منزل کی تعمیر مکمل کرنے کے لیے دوبارہ کام شروع کر دیا۔

ابراہیم کی رہائی کے فوراً بعد ”فائز“ زیادہ تر اس کے ساتھ رہنے لگا اور ہمارے گھر آنا شروع کر دیا۔ وہ ابراہیم کے ساتھ سائے کی طرح چمٹا رہتا، ظاہر ہے کہ ہم نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا، ہم نے اس سے تعمیراتی کام کے بھاری اور محنت طلب کام کرائے، اور وہ اپنی محنت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کام کرتا اور ہم آرام کرتے۔ ابراہیم نے اسے کچھ باتیں سنائیں کہ ”احتجاجی تحریک کی پر تشدد سرگرمیوں سے دور رہنا ضروری ہے“ تاکہ یہ بات خفیہ

ایجنسیوں تک پہنچے اور وہ اسے دوبارہ گرفتار کرنے کا ارادہ نہ کریں، اور ہمارے لیے ابراہیم کا فائز کے سایے سے منطقی اور معقول طور پر نکلنا مشکل نہیں تھا، جبکہ وہ ایک اہم اور حساس مشن پر جانے کا ارادہ رکھتا ہو جسے ہم نہیں چاہتے کہ فائز جانے۔

میں نے ابراہیم سے کئی بار فائز کے بارے میں بات کی اور کیسے اس کی غداری اور مخبری کی تصدیق کے بعد اسے اس طرح نظر انداز کرنا درست تھا؟ وہ ہمیشہ مجھے اطمینان دلاتا کہ ہر چیز اپنے وقت پر بہتر ہوتی ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ فائز کو کوئی ایسا نقصان پہنچے جس کا الزام خفیہ ایجنسیاں اس پر ڈالیں۔ ابراہیم میں بڑی صلاحیت تھی کہ چیزوں کو معمول کے مطابق ظاہر کرے اور اپنے اندر کے جذبات چھپالے، یہاں تک کہ میری بہن مریم جو اس کی بیوی تھی، شاذ و نادر ہی اس کی غیر معمولی حرکتوں کو جب وہ احتجاجی تحریک کی سرگرمیوں میں مصروف ہوتا تھا محسوس کرتی تھی، حالانکہ وہ اپنی جماعت کی مرکزی شخصیات میں سے ایک تھا اور اس کے ذمہ بڑا بوجھ تھا۔ میری ماں بغیر کوئی واضح ثبوت یا نشانی کے دل سے یہ سب محسوس کرتی تھیں، وہ کبھی کبھار ابراہیم کے پاس آتیں اور کہتیں: ابراہیم! بس کرو، خود کو اپنی بیوی اور بچے کو جو تمہاری بیوی کے پیٹ میں ہے اور جلد ہی پیدا ہونے والا ہے، ضائع مت کرو۔ وہ ہنستا مذاق کرتا اور مطمئن کرتا کہ وہ کچھ ایسا نہیں کر رہا جو پریشانی کا باعث ہو اور یہ کہ وہ کیمپ کا سب سے پر سکون نوجوان ہے اور وہ دوبارہ جیل نہیں جائے گا۔

میری ماں خاموش ہو جاتیں، کیونکہ وہ اس کی دلیلوں کا جواب نہیں دے سکتی تھیں اور ان کے خدشات اور تشویش کے بارے میں کوئی ثبوت بھی نہیں تھا، جبکہ وہ بات کو ہنسی مذاق میں تبدیل کرنے اور موضوع کو گول مول کرنے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ جیسے ہی میری ماں بات شروع کرتیں تو مریم کا چہرہ جو زرد تھا، کچھ ہی دیر میں مسکراتا ہوا نظر آتا اور پھر وہ زور زور سے ہنسنے لگتی اور اس کا خوف کم ہو جاتا۔

میری ماں کو میرے بھائی محمود کی طرف سے اطمینان تھا کہ وہ کسی سنگین معاملات میں ملوث نہیں ہوگا، کیونکہ وہ بڑا، تجربہ کار اور سمجھدار تھا، وہ شاید کچھ چیزوں میں حصہ لے لیکن وہ پتھر اپنے ہاتھ میں نہیں اٹھائے گا۔ اور میری ماں اسے اچھی طرح جانتی تھیں، اس لیے اس کے بارے میں اس کی فکر بہت کم تھی۔ حسن کے بارے میں ان کی فکر محمود سے زیادہ تھی، لیکن وہ بھی اتنی نہیں تھی جتنا کہ ان کی بیٹی کے شوہر ابراہیم کے بارے میں تھی۔ جہاں تک علی کا تعلق ہے، تو انہیں بالکل بھی فکر نہیں تھی، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ میرا انتفاضہ کی سرگرمیوں میں حصہ لینا بہت محدود ہے، خاص طور پر جبکہ میری کوئی سیاسی یا فکری وابستگی نہیں ہے، اور میرا بھائی محمد اپنی فطرت میں ہی خاموش اور اپنی جامعہ بیر زیت میں اپنے کام اور ماسٹر کی تیاری میں مصروف تھا۔

ان کی تشویش کی علامات ہر ایک کی گھر واپسی اور ان کے باہر جانے اور واپس آنے کے اوقات کی نگرانی کرتے وقت ظاہر ہوتی تھی، خاص طور پر رات گئے واپس آنے پر۔ وہ اکثر محمود یا حسن کے کمرے کی تلاشی لیتی تھیں، اور خاص طور پر ابراہیم کے کمرے کی، جہاں وہ ان تینوں کی بیویوں کو بھی ساتھ لے کر جاتی۔ درازوں اور شیلفوں کی تلاشی لیتیں، وہ ان سب سے بھی کہتیں کہ ہر کاغذ پڑھیں تاکہ دیکھیں کہ کہیں اس میں کوئی ممنوع چیز تو نہیں ہے جو کسی کے ہاتھ سے گر گئی ہو، کہ کبھی قابض فوج یا اس کی خفیہ ایجنسی تلاشی لینے یا گرفتاری کے لیے آجائے تو وہ کاغذ مل جائے اور مصیبت آجائے۔ ابراہیم کے پیچھے کبھی کچھ نہیں ملا، کیونکہ وہ بہت محتاط تھا اور ہر چیز کو اچھی طرح صاف کرتا تھا، محمود کے پاس کبھی کبھی کچھ کاغذات جیسے کہ قیادت کی متحدہ کمیٹی کا مسودہ مل جاتا تھا۔ جب وہ گھر آتا تو اس کی زبردست کھنچائی ہوتی اور اس پر ایک فوجی عدالت لگتی۔

ایک بار میں نے دیکھا کہ وہ ابراہیم کی گاڑی کی مکمل اور جامع تلاشی لے رہی تھیں، جیسے کہ انہیں کچھ مل گیا ہو۔ انہوں نے اس پر اس وقت چھاپہ مارا جب وہ کھانا کھا رہا تھا۔ اس کی بیوی کو کمرے سے نکال دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ کبھی کبھار ان کی آواز بلند ہو جاتی جو کہ ڈانٹ ڈپٹ میں ہوتی ہے۔ جب وہ اس چیز کے بارے میں بات کرتیں جو اس نے اس کی گاڑی میں دیکھی تھی تو پھر وہ آہستہ ہو جاتیں اور یہ ظاہر تھا کہ وہ اپنی معمول کی ہنسی مذاق والی تکنیک استعمال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس بار کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا کیونکہ لگتا تھا کہ اس بار اس کی ماں نے اسے کسی بڑی غلطی پر پکڑ لیا تھا۔

ابراہیم کی تفتیش اور مقدمے کی بند کمرے میں کارروائی آدھے گھنٹے سے زیادہ جاری رہی اور جب دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلیں تو میں نے جھانک کر ابراہیم کی حالت دیکھنے کی کوشش کی، وہ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس پر دس تفتیش کاروں نے ایک ساتھ حملہ کیا ہو، جو کہ غزہ کے مرکزی جیل میں تفتیش کے سب سے زیادہ سنگین مراحل میں سے ایک ہوتا ہے۔ میں نے طنزیہ مسکراہٹ دی تو اس نے غصے سے جواب دیا: جیسے کہ وہ کہہ رہا ہو کہ میں یہ سب تم پر نکالوں گا، تمہاری ماں پر نہیں۔

میں نے بڑی کوشش کی کہ معلوم کر سکوں کہ اس سے ماں اور مریم نے کیا کچھ ضبط کیا، مریم حقیقت میں نہیں جانتی تھی، کیونکہ اگر وہ جانتی تو مجھ سے چھپا نہیں سکتی تھی، لیکن وہ اور میری ماں بڑی چالاکی اور رازداری سے میرے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور جب بھی میں اس موضوع کو کھوجنے کی کوشش کرتا تو مجھے ڈانٹ دیتے۔ کئی سال بعد مجھے معلوم ہوا کہ مریم کو گاڑی کی سیٹ کے نیچے سے ایک نائن ایم ایم پستول کی گولی ملی تھی، جس سے اس بات کی تصدیق ہوئی کہ اس کے پاس کوئی چھپا ہوا ہتھیار ہے۔ یہ بات خطرناک اور مصیبت تھی، لیکن اس سے بھی خطرناک بات یہ تھی کہ اس نے اس گولی کے گرنے کو نظر انداز کیا اور اسے وہاں چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆

کافی وقت گزر گیا اور انتفاضہ کے واقعات مسلسل جاری رہے، یہاں تک کہ یہ پورے ملک میں پھیل گئے، اب یہ واقعات اتنے مشہور ہو گئے تھے کہ ان کا نام ''انتفاضہ'' زبان زد عام ہو گیا تھا، جب آپ اسرائیلی ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر خبریں سنتے تو بار بار ''انتفاضہ'' کا ذکر ہوتا، اور یہی حال غیر ملکی نشریات کا بھی تھا۔

ایک دفعہ ابراہیم فائز کے ساتھ میری موجودگی میں بیٹھا اور اس کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ ہمارے پاس آنے جانے میں کمی کرے اور ابراہیم کے ساتھ تعلقات کو کم کرے، کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں کوئی جاسوس اس تعلق کو انٹیلی جنس تک نہ پہنچا دے اور انہیں شک ہو کہ وہ دونوں کچھ خاص کر رہے ہیں، جس پر انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ فائز نے ابراہیم کے خدشات کم کرنے کی کوشش کی لیکن ابراہیم نے اس کو ایسے باتوں میں الجھایا کہ اس نے فائز کو مجبور کر دیا اور اس نے واقعی آنا کم کر دیا، لیکن مکمل طور پر نہیں رکا۔

ایک روز، رات کو جب اسراء والمعراج کا دن آ رہا تھا، حماس کے بیان نے پہلے ہی لوگوں کو اس دن کی تقریبات اور مظاہروں کی دعوت دی تھی تاکہ مسجد اقصیٰ کی اسراء اور آسمان کی معراج کی یاد تازہ کی جا سکے۔ صبح سے ہی نوجوانوں نے رکاوٹیں کھڑی کرنا، ٹائر جلانا اور ان میں کچھ چھوٹے دھماکہ خیز مواد ڈالنا شروع کر دیا تاکہ ان سے دھماکوں کی آوازیں آئیں اور ہڑتال کو سنجیدہ بنایا جا سکے، اور قابض افواج کو اشتعال دلایا جا سکے تاکہ وہ آ کر دھماکوں کی تلاش کریں اور تصادم ہو۔ کئی گلیوں کے سرے پر کچھ نقاب پوش کامیاب ہو رہے تھے، جب قابض فوج آئی تو لوگوں نے اس پر پتھر اور آتش گیر بوتلیں پھینکنی شروع کر دیں جس پر فوج نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ لوگوں نے بھی دستی بموں کا استعمال کیا، جس سے قابض فوج میں کافی افراتفری مچ گئی۔ فوج نے اپنی گولیاں مظاہرین پر مرکوز کر دیں، جو ٹائر اور دیواروں کے پیچھے چھپنے میں ماہر تھے۔ اس دن کئی لوگ زخمی ہوئے اور "فائز" مارا گیا، اس وقت اس کے ساتھ "ابراہیم" بھی تھا، فائز کو گولی لگی اور وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا، کچھ نوجوان اس کے پاس آئے اور جب دیکھا کہ وہ مر چکا ہے، تو ایک نے کہا کہ وہ شہید ہو گیا ہے۔ ابراہیم نے انہیں کہا کہ اس کی لاش کو دور لے جائیں تاکہ وہ اسپتال نہ لے جائی جائے، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ قابض فوج میڈیکل رپورٹوں کو دیکھ سکتی ہے۔ کیمپ میں شور مچ گیا اور لوگ غصے میں بھرے ہوئے باہر نکل آئے۔ فائز کو دفنایا گیا اور لوگ نعرے لگاتے ہوئے اسے رخصت کر رہے تھے، مجھے بالکل شک نہیں تھا کہ اسے قابض فوج کی گولیوں سے مارا گیا، لیکن میں ابراہیم سے اس بارے میں بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا، جو یقینی طور پر مجھے اس بارے میں بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا، لیکن آنکھیں وہ کچھ کہہ رہی تھی جو زبانیں نہیں کہہ سکتی تھیں۔

فوجی حکام نے فلسطینی یونیورسٹیوں کو بند کرنے کے احکامات جاری کیے تاکہ طلباء کی بڑی تعداد کو جمع ہونے سے روکا جا سکے، کیونکہ یہ اجتماع تصادم اور بغاوت کا سبب بن سکتا تھا۔ یہ واضح ہو چکا تھا کہ صورتحال طویل عرصے تک چلے گی، تاہم تعلیمی سفر کو جاری رکھنا ضروری تھا، ایک معقول حل تلاش کیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ کلاس رومز کو مساجد اور عوامی اداروں میں منتقل کیا جائے، مثلاً اسلامی یونیورسٹی نے ایک دفتر مقرر کیا جہاں سے اعلان ہوتا تھا کہ کس مضمون کی کلاس کس مسجد میں ہو گی، جیسے کہ مسجد العباس میں، یا مسجد فلسطین میں، وقت اور دن مقرر کیے جاتے تھے، اور طلباء مسجد میں جمع ہو جاتے تھے جہاں پروفیسر آتے تھے، یہ تعلیمی سفر کچھ مشکلات کے ساتھ جاری رہا لیکن سب نے نئے حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کر لی۔

مجھے اور ابراہیم کو بھی کلاسوں اور امتحانات کے لیے جانا پڑتا تھا، ابراہیم اپنے آخری سال میں تھا، جبکہ میرا ابھی ایک سال باقی تھا۔ تمام بندشوں، ناکا بندیوں اور کرفیو کے باوجود، تعلیمی سفر جاری رہا اور ابراہیم نے حیاتیات کے شعبے میں بیچلر کی ڈگری حاصل کی اور اقوام متحدہ کی امدادی ایجنسی میں ملازمت کے لیے درخواست دی اور منظوری کا انتظار کرنے لگا۔

میری ماں نے پوری کوشش سے دباؤ ڈالا کہ وہ سعودی عرب یا کسی خلیجی ملک میں ملازمت کے لیے اپنے کاغذات جمع کرائے، لیکن وہ ان کی بات ایک کان سے سنتا اور دوسری سے نکال دیتا، اس نے اپنے ذہن میں فیصلہ کیا تھا کہ وہ وطن نہیں چھوڑے گا، خاص طور پر اس اہم اور خطرناک مرحلے میں۔ میری ماں کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ نوجوان ملک چھوڑ دے کیونکہ یہاں رہنے کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی اور وہ اس کا اظہار بھی کرتی تھیں، انہوں نے اپنے انداز کو بدلنا شروع کیا، جب انہوں نے دیکھا کہ وہ ملک میں رہنے پر اصرار کر رہا ہے، وہ منت کرنے لگیں اور کہنے لگیں کہ وہ کچھ سالوں کے لیے بیرون ملک چلا جائے، کم از کم دو یا تین سال، لیکن انہیں حتمی اور قطعی فیصلہ ملا کہ میں ملک سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں جاؤں گا۔

محمد نے تمام مشکلات کے باوجود بیرزیت میں اپنی ملازمت جاری رکھی۔ وہ بیرزیت یونیورسٹی کے سائنس کالج کے کیمسٹری لیب میں کام کرتا تھا، جہاں وہ طلباء کو کیمیائی تجربات کرتے ہوئے دیکھتا اور ان کی رہنمائی کرتا۔ ان طلباء میں سے ایک طالب علم خاموش طبع، خوش اخلاق اور محنتی تھا جو اپنے تجربے کو کامیابی سے مکمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس نے محمد کی خاص طور پر توجہ حاصل کی اور اسے وہ محنت اور جدوجہد پسند آئی۔ طالب علم نے اپنا کام کامیابی سے مکمل کیا، تو محمد اس کے پاس کھڑا ہو گیا تاکہ اس سے واقفیت حاصل کرے۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک مذہبی نوجوان ہے، اس کے کام اور محنت کی تعریف کی اور پوچھا کہ وہ کہاں رہتا ہے اور اس کے ہاسٹل کے بارے میں بھی۔ محمد نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور کہا کہ وہ کیمسٹری کے مضمون میں کسی بھی مشکل میں اس کی مدد کے لیے تیار ہے۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

امریکی سینٹ کام کا اپنے اڈوں کے آپریشنل نظام کو اسرائیل منتقل کرنے پر غور

وال سٹریٹ جرنل کی رپورٹ کے مطابق امریکہ کی وسطی کمان (CENTCOM) بحرین، کویت اور سعودی عرب میں اپنے فوجی اڈوں کے آپریشنل نظام کو اسرائیل منتقل کرنے پر غور کر رہی ہے تاکہ مزید ایرانی میزائل اور ڈرون حملوں سے اپنا فاصلہ بڑھایا جا سکے۔ ایک آپشن یہ ہے کہ صحرائے نقب میں ایک نیا اڈہ قائم کیا جائے جو اتنا بڑا ہو کہ امریکی فوج کو کافی ہو، یا صحرائے نقب کے ائیر بیسز میں سے ایک کو بڑھا کر وہاں ایک امریکی کمپاؤنڈ مختص کیا جائے۔

اسرائیل کے صحرائے نقب (Negev Desert) میں کئی اہم ترین اور اسٹریٹیجک (Strategic) ائیر بیسز واقع ہیں، جو اسرائیلی فضائیہ (IAF) کے بنیادی ستون سمجھی جاتی ہیں۔

۱۔ نواتیم ائیر بیس (Nevatim Airbase)

یہ اسرائیل کے سب سے بڑے فوجی اڈوں میں سے ایک ہے۔ یہ اڈہ اسرائیل کے جدید ترین امریکی F-35I (Adir) سٹیلتھ لڑاکا طیاروں کا بنیادی گھر ہے۔ یہاں ٹرانسپورٹ اور ری فیولنگ طیارے بھی موجود ہیں۔ یہ شمالی صحرائے نقب میں بئر السبع (Beersheba) شہر کے مشرق میں واقع ہے۔

۲۔ حاتزیرم ائیر بیس (Hatzerim Airbase)

یہ ائیر بیس اسرائیلی فضائیہ کی فلائٹ اکیڈمی (Flight Academy) کا مرکز ہے جہاں پائلٹوں کو تربیت دی جاتی ہے۔ یہاں مشہور ’IAF میوزیم‘ بھی واقع ہے۔ یہاں F-15I اور F-16I جیسے لڑاکا طیارے اور تربیتی طیارے تعینات ہیں۔ یہ بئر السبع شہر کے مغرب میں واقع ہے۔

۳۔ ریمون ائیر بیس (Ramon Airbase)

اسے باضابطہ طور پر نیگیو ائیر بیس بھی کہا جاتا ہے۔ اسے مصر کے ساتھ کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے بعد سینا سے واپسی پر امریکی کمپنیوں نے تعمیر کیا تھا۔ یہاں F-16I صوفا (Sufa) لڑاکا طیاروں کے اسکوڈرنز اور اپاچی (AH-64 Apache) ہیلی کاپٹرز تعینات ہیں۔ یہ بئر السبع کے جنوب میں مصری سرحد کے قریب واقع ہے۔

۴۔ اوودا ائیر بیس (Ovda Airbase)

یہ اسرائیل کے انتہائی جنوب میں واقع اڈہ ہے جو بنیادی طور پر پائلٹوں کی تربیتی مشقوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں مشہور بین الاقوامی فضائی مشق ’بلو فلیگ‘ (Blue Flag) بھی منعقد ہوتی رہی ہے۔ یہ ایلات (Eilat) شہر سے تقریباً ۴۰ کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔

ان کے علاوہ دیگر دفاعی تنصیبات میں مشابیم ائیر بیس (Mashabim Airbase) اور سائٹ ۵۱۲ نقب کے پہاڑی علاقے ہار قرن (Har Qeren) پر قائم ایک امریکی ریڈار بیس ہے، جو اسرائیل کو بیلسٹک میزائلوں کے حملوں سے قبل از وقت آگاہی (Early Warning) فراہم کرنے کا کام کرتی ہے۔ ان کے علاوہ یہاں ایک ایٹمی ریسرچ سینٹر بھی ہے جسے ایران حالیہ جنگ میں نشانہ بنا چکا ہے۔

کیا عوامی دباؤ نیدرلینڈز کو اسرائیل کے حوالے سے اپنا مؤقف تبدیل کرنے پر مجبور کر دے گا؟

الجزیرہ کے لیے مریم باہ اپنے مضمون میں لکھتی ہیں کہ نیدرلینڈز میں عدالتوں سے لے کر ثقافتی بائیکاٹ تک، حالیہ پیش رفت ڈچ معاشرے کو فلسطینی کاز کے حوالے سے زیادہ حامی دکھا رہی ہے، اگرچہ حکومت اسرائیل کی حمایت جاری رکھے ہوئے ہے۔ امین ابو راشد، جو ایک پناہ گزین سے ہیومن رائٹس کارکن بنے، پر حماس کی فنڈنگ کا الزام تھا، لیکن انہیں بری کر دیا گیا۔ یہ فلسطین حامی تحریک کے لیے ملک میں ایک نایاب فتح ہے۔ فلسطین حامی تحریکیں امید کر رہی ہیں کہ یہ فیصلہ اسرائیل کے خلاف سرگرمیوں کو نشانہ بنانا مشکل بنا دے گا۔ اس کیس میں ابو راشد پر غزہ میں یتیموں کی مالی مدد کرنے کے بعد حماس کو فنڈز منتقل کرنے کا الزام لگا تھا۔ ابو راشد نے العربیہ سے بات کرتے ہوئے کہا: ”آج جب میں اس کیس کو دیکھتا ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ اس کا بنیادی مسئلہ مجرمانہ نہیں بلکہ سیاسی تھا“۔ الزامات سے بری ہونے کے باوجود، ابو راشد کی جدوجہد نے ان کی جان کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ تقریباً ایک سال قیدِ تنہائی میں رہنے کے دوران ان کی صحت اتنی خراب ہو گئی کہ ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ ۵۹ سالہ شخص کو گھر میں مرنے کے لیے رہا کر دیا جائے۔ کئی ماہ بعد رہائی ”اس حقیقت کی فتح تھی جس پر میں نے پہلے دن سے قائم رہا“ اور یہ ملک میں فلسطین حامی سرگرمیوں کے لیے اہم مثال بن سکتا ہے۔ ہند رجب فاؤنڈیشن کے شریک بانی ہارون رضا نے اس فیصلے کو نیدرلینڈز میں نایاب فتح قرار دیا، جہاں حکومتیں مسلسل اسرائیل کی شدید حمایت کرتی رہی ہیں۔ عدالت نے واضح طور پر کہا کہ انسانی امداد کے کام پابندیوں کے دائرے میں نہیں آتے۔ یہ فیصلہ حتمی ثبوت ہے کہ استغاثہ کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ یورپی لیگل سپورٹ سنٹر کی نیدرلینڈز مانیٹر ایوالین سٹاپر کا کہنا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف اور مالی ضوابط کا استعمال فلسطینیوں کے خلاف بار بار کیا جاتا رہا ہے، چاہے وہ غزہ میں رشتہ داروں کو پیسے بھیج رہے ہوں یا انسانی امداد کر رہے ہوں۔ نیدرلینڈز فلسطینیوں کے خلاف مقدمات چلانے میں تیزی دکھاتا ہے، لیکن نسل کشی اور غیر قانونی قبضے میں مالی طور پر شریک رہتا ہے۔

نیدرلینڈز یورپی یونین میں اسرائیل کا سب سے مضبوط حامی رہا ہے جبکہ عوامی تاثرات تبدیل ہو رہے ہیں خاص طور پر غزہ پر اسرائیل کی جنگ کے بعد۔ یورپی یونین کی اسرائیل میں سرمایہ کاری کا تقریباً دو تہائی حصہ نیدرلینڈز سے آتا ہے۔

بہت سے ایکٹوسٹ اور تجزیہ نگاروں کی رائے یہ بھی ہے کہ نیدرلینڈ کی ٹیکس فری پالیسیوں کے سبب اور اپنے تعلقات اور تجارت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے یورپی ممالک اور اسرائیل نیدرلینڈ کو استعمال کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر رافیل ایڈوانسڈ ڈیفنس سسٹمز (Rafael Advanced Defense Systems) اسرائیل کی سب سے بڑی سرکاری دفاعی ٹیکنالوجی کمپنیوں میں سے ایک ہے۔ یہ کمپنی جدید ترین میزائل شکن نظام، جنگی گاڑیاں اور فضائی دفاعی ٹیکنالوجی تیار کرنے کے لیے عالمی سطح پر شہرت رکھتی ہے۔ رافیل نیدرلینڈز میں ہولڈنگ اور لیٹر باکس کمپنیوں (letterbox companies) کا استعمال کرتی ہے جو برطانوی، جرمن اور ہسپانوی مارکیٹ میں اثاثے رکھنے کے لیے بطور کور کام کرتی ہیں۔ سنٹر فار ریسرچ آن ملٹی نیشنل کارپوریشنز (SOMO) کی جانب سے جاری کردہ رپورٹ کے مطابق، رافیل کمپنی یورپ میں اپنی سرمایہ کاری کے لیے ڈچ فرنٹ کمپنیوں کا استعمال کرتی ہے۔ یہ کور تیج یورپی ممالک کے ساتھ کاروباری اور تجارتی تعلقات کو آسان بنانے، یورپی ممالک سے دفاعی معاہدے کرنے، اور بین الاقوامی منڈیوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ لہٰذا جب ہم کسی یورپی ملک کے متعلق سنتے ہیں کہ اس نے اسرائیل پر فلاں تجارتی یا اسلحے کی پابندی لگا دی تو اس صورت میں یہ راستے اختیار کیے جاتے ہیں۔

صومالی لینڈ میں افریقی نسل کے اسرائیلیوں کی تعیناتی

ایک اعلیٰ صومالی حکومتی عہدیدار نے مڈل ایسٹ آئی کو بتایا کہ اسرائیل نے افریقی نژاد ۵۰ اسرائیلی فوجیوں کو افریقہ کے ہارن آف افریقہ میں واقع علیحدگی پسند ریاست صومالی لینڈ میں بھیج دیا ہے، جو دونوں ممالک کے درمیان سکیورٹی معاہدوں کا حصہ ہیں۔ اسرائیل نے دسمبر میں صومالی لینڈ کو بطور آزاد ملک تسلیم کرنے والا پہلا ملک بننے کے بعد، اپریل میں مائیکل لوٹیم کو ہارگیسا میں اپنا پہلا سفیر مقرر کیا۔ اس اقدام پر خطے کے تقریباً تمام ممالک نے شدید مذمت کی۔ اب ایک اعلیٰ صومالی عہدیدار کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے دسمبر میں تسلیم کیے جانے اور فروری کے آخر میں ایران کے ساتھ جنگ کے دوبارہ شروع ہونے کے فوراً بعد صومالی لینڈ میں ۵۰ فوجیوں کا دستہ بھیجا۔ اعلیٰ صومالی عہدیدار نے کہا: ”ہماری انٹیلی جنس رپورٹس کے مطابق، اسرائیلی فوج نے افریقی نسل کے اسرائیلی فوجیوں کا انتخاب کیا، خاص طور پر ایتھوپیا کے، تاکہ وہ توجہ نہ کھینچیں اور مقامی آبادی کے ساتھ آسانی سے گھل مل جائیں“۔ اسرائیلی فوج نے مڈل ایسٹ آئی کے رابطے پر تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ”متعلقہ حکام سے چیک کرنے کے بعد، یہ سیاسی سطح کا معاملہ ہے“۔ اسرائیلی وزارت خارجہ نے تین دن تک تبصرہ سے گریز کے بعد ”فیک نیوز“ کا بیان جاری کیا۔ اسرائیلی دفاع وزیر اسرائیل کاٹز نے کہا کہ اسرائیل اور صومالی لینڈ کئی سال سے خفیہ طور پر تعاون کر رہے ہیں۔ صومالی لینڈ کے وزیر دفاع نے کہا کہ اسرائیل وہاں کوئی فوجی اڈہ نہیں بنا رہا، البتہ پولیس اور فوج کی تربیت میں مدد دے رہا ہے۔ ماہرین کے مطابق اسرائیل بحیرۂ احمر میں بحری اڈہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ حوثیوں کے ممکنہ خطرات سے نمٹ سکے۔

برطانیہ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی نئی لہر

انسانی حقوق کی تنظیموں اور دیگر مسلمان تنظیموں نے خبردار کیا ہے کہ برطانیہ میں اسلاموفوبیا (مسلمانوں کے خلاف تعصب) پر مبنی تشدد عام ہوتا جا رہا ہے۔ پچھلے ایک ماہ کے دوران ہی انگلینڈ، سکاٹ لینڈ اور شمالی آئرلینڈ میں مساجد اور گھروں پر فائر بم حملوں، نسل پرستی پر مبنی حملوں اور توڑ پھوڑ کے متعدد واقعات سامنے آئے ہیں۔ سب سے زیادہ توجہ حاصل کرنے والے واقعات میں سے ایک ۱۹ جون کو ایڈنبرا میں ہونے والا حملہ تھا، جس میں پانچ افراد زخمی ہوئے۔ مسلم کونسل آف برطانیہ (MCB) نے جون میں ایسے ۱۸ واقعات ریکارڈ کیے۔ ایک بریفنگ میں یہ واقعات دستاویزی شکل میں پیش کیے گئے جن میں مساجد پر نسل پرستانہ گرافٹی، آگ لگانے کے حملے، نمازیوں پر حملے، اماموں کے گھروں پر حملے اور مسلمان خاندانوں کو دھمکیاں شامل ہیں۔ بریفنگ کے مطابق چالیس فیصد سے زیادہ واقعات میں آگ لگانے یا فائر بم حملوں کا الزام ہے۔ ان میں سے بہت سے واقعات کو قومی میڈیا میں محدود توجہ ملی۔ اس کے علاوہ ایک اور اہم ایشو مسلمانوں کے خلاف تشدد اور نفرت کو ابھارتی فلم کا ہے۔ برطانوی میڈیا ریگولیٹر Ofcom پر دباؤ بڑھ رہا ہے کہ وہ ایلون مسک کی طرف سے فلم "Citizen Vigilante" کی پروموشن کی تحقیقات کرے۔ مسلمان تنظیمیں (MEND اور Muslim Council of Britain) کا کہنا ہے کہ یہ فلم اینٹی مسلم نفرت کو بھڑکاتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق یہ جرمن ڈائریکٹر Uwe Boll کی فلم ہے، جس میں کہانی ایک امیر امریکی لینڈ لارڈ کی ہے جو یورپ میں مسلمان تارکین وطن کو ”جرائم، ریپ اور ویلفیئر فنڈ میں دھوکہ دہی کرنے والے سمجھتے ہوئے انہیں قتل کرتا ہے اور عوام میں ہیرو بن جاتا ہے۔ ۲۵ جون کو ایلون مسک نے فلم کو اپنے X (ٹوئٹر) اکاؤنٹ پر مکمل طور پر اپ لوڈ کیا، جو ۴۸ گھنٹوں تک ۲۴۰ ملین سے زیادہ فالوورز کو بغیر کسی پابندی کے دستیاب رہی۔ فلم میں ایک مسلمان فیملی کے قتل کے سین اور قرآن و اسلامی اقدار سے خواتین پر تشدد کا الزام لگانے والے ڈائیلاگ شامل ہیں۔ مسلم تنظیموں نے Ofcom کو خط لکھ کر Online Safety Act کے تحت X پلیٹ فارم کے ذمہ داروں کے خلاف تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔ وہ مسلم کمیونٹیز کے تحفظ کا سوال اٹھا رہے ہیں۔ فلم کو تارکین وطن مسلمانوں کے خلاف تشدد بھڑکانے والا سمجھا گیا ہے۔ مسلمان گروپس کا کہنا ہے کہ یہ فلم موجودہ تناؤ (جیسے بیلفاسٹ اور سکاٹ لینڈ میں واقعات) کے وقت مسلمانوں کے خلاف نفرت کو نارملائز کر رہی ہے۔

یورپی یونین امریکی ادارے ”آئس“ کی طرز کا امیگریشن انفورسمنٹ سسٹم بنا رہا ہے

گارڈین کی خبر کے مطابق یورپی یونین کے سیاست دانوں نے دستاویز شدہ مہاجرین کی deportations بڑھانے کا وعدہ کیا ہے، ایک نئے قانون کے تحت جو ناقدین کا کہنا ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ کی سخت امیگریشن کریک ڈاؤن کی نقل میں بنایا گیا ہے، یورپی یونین کے پناہ اور امیگریشن سسٹم کی بڑی اصلاح کا آخری حصہ مکمل کرتے ہوئے، سیاست دانوں نے ایک ریگولیشن پر اتفاق کیا ہے جس سے قومی حکام کو deportation آرڈرز نافذ کرنے کے لیے لوگوں کے

گھروں پر چھاپے مارنے کی اجازت ملے گی۔ جن لوگوں کے حوالے سے deportation آرڈر ہے اور جو تعاون نہ کرنے والے یا فرار ہونے والے سمجھے جائیں، انہیں موجودہ قانون کے تحت ۱۸ ماہ کی بجائے دو سال (قابل توسیع ۳۰ ماہ تک) تک حراست میں رکھا جا سکتا ہے۔ deportation آرڈر کی تعمیل سے انکار کرنے والوں کی سہولیات یا الاؤنسز کاٹے جا سکتے ہیں۔ یہ ریگولیشن آف شور ریٹرن ہبز (یورپی یونین سے باہر مراکز) بنانے کی بھی اجازت دے گا، جہاں دستاویزات کے بغیر لوگوں کو نامعلوم مدت تک روکا جا سکے گا، جب تک انہیں ان کے آبائی ملک واپس نہ بھیجا جائے۔ یورپی یونین کے کئی رکن ممالک (زیادہ تر افریقہ میں) ریٹرن ہبز بنانے کے لیے بات چیت کر رہے ہیں، اگرچہ ابھی کوئی معاہدہ کا اعلان نہیں ہوا۔ وہ بچے جن کے ساتھ ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو اور بچوں والے خاندانوں کو "آخری حربے کے طور پر" اور "بچے کے بہترین مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے سب سے کم مناسب مدت کے لیے" حراست میں رکھا جا سکتا ہے۔ سیکورٹی رسک سمجھے جانے والے لوگوں پر یورپی یونین میں داخلے پر تاحیات پابندی لگ سکتی ہے، جبکہ موجودہ زیادہ سے زیادہ ۱۰ سال کی پابندی ہے۔ یورپی یونین کو امید ہے کہ یہ اقدامات ان لوگوں کی deportations بڑھا دیں گے جنہیں پناہ کا حق نہیں ملا، جن کی ویزہ مدت ختم ہو چکی ہے یا جن کے پاس رہائشی حقوق نہیں ہیں۔ فی الحال یورپی یونین میں رہنے کا حق نہ رکھنے والوں میں سے صرف تقریباً بیس فیصد ہی واپس بھیجے جاتے ہیں۔ ناقدین نے یورپی یونین پر الزام لگایا کہ وہ US Immigration and Customs Enforcement (ICE) کی پریکٹسز کی نقل کر رہی ہے، جو ٹرمپ کی صدارت کے تحت دستاویزات کے بغیر مہاجرین پر سخت اور پر تشدد کریک ڈاؤن کر رہا ہے۔

یہ معاہدہ مارچ میں سینٹر رائٹ European People's Party (EPP) کے دائیں بازو کے متشدد گروہوں کے ساتھ مل کر ووٹ دینے کے بعد ممکن ہوا، تاکہ undocumented لوگوں کی واپسی پر سخت اقدامات پاس کیے جا سکیں۔

پلیٹ فارم فار کوآپریشن اِن ان ڈاکومینٹیڈ مائیگرینٹس کی Silvia Carta نے کہا کہ یہ قانون "لاکھوں لوگوں کو نقصان اور تشدد کا شکار کرے گا، ۳۰ ماہ تک حراست سے لے کر خاندانوں کو الگ کرنے اور انہیں اجنبی ممالک بھیجنے تک۔ بحر اوقیانوس کے پار، ہم ICE کے پر تشدد امیگریشن انفورسمنٹ سے پیدا ہونے والا تشدد اور خوف دیکھ رہے ہیں۔ یورپ کو اس ماڈل کے نقصانات سے سیکھنا چاہیے، نہ کہ اپنا ورژن بنانا چاہیے"۔

ایران امریکہ جنگ کے اثرات کے سبب فلپائن امریکہ تعلقات تنقید کی زد میں

فلپائن میں ایران امریکہ جنگ کے دوران پیدا ہونے والے ایندھن کے بحران نے بہت سی بحثوں کو جنم دیا ہے۔ جس میں ایک بحث فلپائن امریکہ تعلقات کے حوالے سے بھی ہے کہ ان تعلقات سے اصل فائدہ کس کو ہے؟ اس حوالے سے جرمن نشریاتی ادارے نے بھی ایک رپورٹ شائع کی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ "۸۰ سال پہلے فلپائن نے امریکہ سے آزادی حاصل کی۔ تب سے تجارت، دفاع اور گہرے ثقافتی تعلقات کے ذریعے یہ رشتہ قائم رہا۔ لیکن یہ کبھی کامل رشتہ نہیں رہا۔ ۸۰ سال بعد یہ اتحاد اصل میں کس کے لیے ہے اور کس کو فائدہ پہنچ رہا ہے؟ عوامی حلقوں کی رائے اس وقت منقسم ہے کچھ مبصرین کی رائے میں 'فلپائنی خود مختاری کا دفاع فلپائنیوں کے سوا کوئی نہیں کرے گا۔' کچھ کی رائے میں جنوبی چین سمندر میں جو صورتحال ہے، اس کی وجہ سے دفاعی تعاون بہت اہم ہے"۔

فلپائن امریکہ کا ایشیا میں سب سے پرانا اتحادی ہے۔ امریکہ فلپائن کی سب سے بڑی برآمداتی منڈی اور بڑا سرمایہ کار ہے۔ امریکہ میں ۴۰ لاکھ سے زیادہ فلپائنی نژاد امریکی رہتے ہیں جو ہر سال اربوں ڈالر گھر بھیجتے ہیں۔

لیکن امریکہ کے ساتھ قریبی تعلقات کی حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کے فیصلے آپ کو زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایران جنگ، جب امریکہ اور اسرائیل نے ایران پر حملہ کیا اور آبنائے ہرمز بند ہو گئی تو دنیا بھر میں توانائی کی قیمتیں بڑھ گئیں۔ فلپائن نے توانائی ایمرجنسی کا اعلان کیا۔ ایک فلپائنی سیکورٹی تجزیہ نگار کہتے ہیں: "صدر ٹرمپ کی انتظامیہ کہتی ہے کہ وہ دنیا کے لیے کر رہے ہیں کیونکہ ایران کو جوہری ہتھیار نہیں رکھنے چاہیے۔ لیکن فلپائنیوں کو یہ سمجھنا ہو گا کہ دنیا بھر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمیں متاثر کرتا ہے۔ واشنگٹن جو کرتا ہے اس کے اثرات باہر نکلتے ہیں اور منیلا کو ان کے نتائج برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ فلپائنی پوچھ سکتے ہیں کہ 'اور کیا غلط ہو سکتا ہے؟' مثال کے طور پر سوشل میڈیا پر ویڈیوز وائرل ہو رہی ہیں جن میں مشرق وسطیٰ میں امریکی اڈوں کی تباہی دکھائی جا رہی ہے، اور لوگ پوچھ رہے ہیں کہ 'کیا EDCA اڈوں کے ساتھ بھی یہی ہو گا؟'"

۱۹۵۱ء کی Mutual Defense Treaty دونوں ملکوں کو مسلح حملے کی صورت میں ایک دوسرے کا دفاع کرنے کا پابند کرتی ہے۔ لیکن EDCA معاہدہ امریکی فوج کو فلپائنی اڈوں تک رسائی بھی دیتا ہے۔ جنوبی چین سمندر میں چینی جہاز فلپائنی کشتیوں سے ٹکراتے رہتے ہیں۔ تائیوان صرف ۱۰۰ میل شمال میں ہے۔ خارجہ سیکریٹری Tess Lazaro کہتے ہیں کہ "لوگ خوش ہیں کہ معاہدہ ہے، امریکہ ہماری حفاظت کرے گا۔ یہ اعتماد دیتا ہے۔ Mutual Defense Treaty provocative نہیں بلکہ deterrent ہے"۔ لیکن فلپائن میں بہر حال یہ رائے بھی موجود ہے کہ امریکہ ہمارا دفاع کم اور exploitation زیادہ کر رہا ہے۔ دوسری بات چین اسے خطرہ سمجھے گا کیونکہ فلپائن امریکی فوجیوں، میزائلوں اور جنگی جہازوں کی میزبانی کر رہا ہے۔ یہ فلپائنی پوزیشن کمزور کرتا ہے۔

دفاعی معاہدے کے تحت امریکی فوج کو فلپائن کے ۹ فوجی اڈوں پر رسائی حاصل ہے۔ ان مقامات کو "ان ہانسڈ ڈیفنس کوآپریشن ایگریمنٹ" (EDCA) کے تحت استعمال کیا جاتا ہے۔ امریکی فوجیوں کو مشترکہ مشقوں، ہنگامی امداد اور رسد کی فراہمی کے لیے باری باری ان مقامات کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ فلپائن میں مسلم آبادی کل آبادی کا تقریباً ۶ء۴ فیصد ہے (تقریباً ۷ ملین افراد)، جو ملک کا دوسرا بڑا مذہب

ہے۔ زیادہ تر مسلمان منڈاناؤ اور بانگساموروکے جنوبی علاقوں میں بستے ہیں۔

آکٹاگون: مصر کی اسٹریٹیجک قیادت کا ہیڈ کوارٹر

یہ مصر کے نئے ایڈمنسٹریٹو کیپیٹل (العاصمة الإدارية) میں سب سے اہم فوجی پروجیکٹس میں سے ایک ہے۔ یہاں مسلح افواج کی قیادت کے مراکز اور متعدد فوجی محکموں اور اداروں کو ایک مربوط نظام میں قائم کیا گیا ہے جو جدید ترین ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز پر مبنی ہے۔ اس کا باضابطہ افتتاح ۴ جولائی ۲۰۲۶ء کو کیا گیا، جو کئی سالوں کی تعمیر اور نگرانی کے بعد مکمل ہوا۔ اس مرکز کو "آکٹاگون" (Octagon) کا لقب اس کے آکٹاگونل (آٹھ پہلو والے) جیومیٹریکل ڈیزائن کی وجہ سے ملا۔ کمپلیکس تقریباً ۲۲ ہزار ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں ۸ اہم آٹھ پہلو والی عمارتیں ہیں جو مسلح افواج کے مختلف شعبوں اور اداروں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کے درمیان ایک مرکزی قیادت کا مرکز ہے جو تمام یونٹس کو جوڑتا ہے۔ اسے محفوظ ڈیجیٹل ڈیٹا سینٹرز، جدید سروس سہولیات، اور خود مختار بجلی اور پانی کے نیٹ ورکس سے لیس کیا گیا ہے تاکہ مختلف حالات (بشمول ایمرجنسی اور بحران) میں بھی مسلسل آپریشن اور تیاری برقرار رہے۔ یہ امریکی وزارتِ جنگ کے "پینٹاگون" (پانچ پہلو والی) عمارت کی طرز کی نقل بھی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ پینٹاگون کی سستی کاپی نہیں بلکہ پینٹاگون سے کئی گنا بڑا پروجیکٹ ہے۔ اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کی طرح بدترین معاشی مسائل سے دوچار ملک کا اتنے بڑے عسکری منصوبے کا قومی دفاع یا امت کے دفاع سے کوئی تعلق ہے؟ سبھی جانتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ امت کے وسائل کے اس طرح بے دریغ استعمال کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا تعلق اپنے اقتدار اور قبضے کو مستحکم کرنا ہے لیکن اس زاویے سے بھی دیکھا جائے تو یہ پروجیکٹ کئی گنا بڑا ہے۔ تو پھر کیا اس غیر معمولی پروجیکٹ کے پیچھے اسرائیل اور امریکہ اور ان کے مستقبل کے لیے منصوبے ہیں جن پر وہ مسلمانوں کے ہی خون پسینے کو جھونک رہے ہیں؟

قومی ایئر لائن پر جرنیلی قبضہ اور آئی ایم ایف

پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز (پی آئی اے) کی نجکاری کا عمل ۱۸۰ ارب روپے میں باضابطہ طور پر مکمل ہو چکا ہے، جس کے تحت عارف حبیب کنسورشیم کے ذیلی ادارے "پی آئی اے ایکویٹی لمیٹڈ" نے اس کا انتظام سنبھال لیا ہے۔

اس نجکاری میں سب سے زیادہ بحث اس وقت شروع ہوئی جب عسکری فاؤنڈیشن کے زیرِ انتظام چلنے والی کمپنی فوجی فرٹیلائزر (FFC) نے اس کنسورشیم میں شمولیت اختیار کی۔ نجکاری مکمل ہونے کے بعد فوجی فاؤنڈیشن کے ایم ڈی لیفٹیننٹ جنرل (ر) انور علی حیدر کو متفقہ طور پر پی آئی اے کے نئے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا چیئرمین منتخب کیا گیا ہے۔ ناقدین کا اعتراض ہے کہ نجکاری کا مقصد کارپوریٹ سیکٹر کو فروغ دینا تھا، لیکن عسکری اداروں کی آمد سے سویلین معیشت میں فوج کا اثر و رسوخ مزید بڑھ گیا ہے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ یہ خالصتاً "نجی شعبے کی نجکاری" نہیں رہی۔ ۱۸۰ ارب روپے کے مجموعی سودے کی اندرونی شقوں پر معاشی جریدوں اور ماہرین نے نشاندہی کی ہے کہ ۱۸۰ ارب روپے میں سے حکومت کے قومی خزانے کو براہِ راست صرف ایک چھوٹا حصہ مل رہا ہے۔ سودے کی شرط کے مطابق ۱۲۵ ارب روپے خریدار کنسورشیم کو لازمی طور پر پی آئی اے کے فضائی بیڑے کی اپ گریڈیشن، جدید کاری اور آپریشنز پر ہی خرچ کرنے ہوں گے۔ یہ بالکل اسی طرح ہی ہے کہ ایک مکان ایک کروڑ میں فروخت کیا جائے اور رقم وصولی کے وقت طے ہو کہ خریدار دس لاکھ کیش دے گا اور باقی ۹۰ لاکھ اس گھر کی تزئین و آرائش پر خرچ کرے گا۔ یہ کس قسم کا سودا ہوا؟ تجزیہ کاروں کے مطابق، حکومت کے لیے یہ سودا فوری مالی فائدے کے بجائے پی آئی اے کے سالانہ اربوں روپے کے خسارے سے جان چھڑانے کا ذریعہ بنا ہے۔ یہ اعتراض بھی ہے کہ پی آئی اے کے پاس موجود بین الاقوامی روٹس اور قیمتی اثاثوں کے مقابلے میں یہ قیمت کم ہے۔ ڈان کی اداریاتی رپورٹ کے مطابق، نجکاری کا اصل امتحان اب شروع ہوگا، معاہدے کے تحت پی آئی اے کے ملازمین کی ملازمتیں اور تنخواہیں فی الحال ایک سال کے لیے محفوظ کی گئی ہیں۔ طویل مدت میں کارپوریٹ کلچر آنے سے ملازمین کی چھانٹیاں ناگزیر ہو سکتی ہیں کیونکہ پی آئی اے میں فی طیارہ ملازمین کی تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ نجکاری مکمل ہونے سے قبل قومی اسمبلی میں یہ معاملہ زیر بحث آیا کہ پی آئی اے کی جانب سے ۱۵ سالہ ٹیکس چھوٹ کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا جس پر کمیٹی اراکین کی جانب سے جب برہمی کا اظہار ہوا تو بتایا گیا آئی ایم ایف سے اس متعلق اجازت لے لی گئی ہے۔ جی ہاں وہی آئی ایم ایف جو بجلی گیس کے بلوں میں قسم ہا قسم کے ٹیکس لگوانے کے بعد بھی حکومت پر زور ڈالتی ہے کہ مزید ٹیکس بڑھایا جائے پی آئی اے کی فوجی ادارے کی تحویل میں جانے کے بعد پندرہ سالہ ٹیکس چھوٹ کی اجازت دے رہی ہے۔ اجلاس میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا کہ ملک میں ایوی ایشن سیکٹر کے اندر ۵ سے ۶ کھلاڑی (دیگر نجی ایئرلائنز) موجود ہیں، اگر ہم صرف ایک کمپنی کو یہ استثنیٰ دیں گے تو دوسرے مارکیٹ میں مقابلہ کیسے کریں گے؟ لہٰذا طے کیا گیا کہ ترمیم کے ذریعے باقی سب کو بھی ٹیکس استثنیٰ دے دیا جائے۔

چنیوٹ میں لوہے اور تانبے کے ذخائر، اور مقامی آبادی کی پریشانی

پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر چنیوٹ کے علاقے حکیم کالونی کے رہائشیوں کا کہنا ہے کہ انہیں اپنے گھروں سے محروم ہونے کا خدشہ ہے جہاں وہ دہائیوں سے مقیم ہیں۔

اس تشویش کی وجہ مقامی انتظامیہ کے اہلکاروں کی جانب سے ان علاقوں میں کیا جانے والا حالیہ سروے اور علاقے کے رہائشیوں سے ملکیت سے متعلق سوالات ہیں جس کی تصدیق متعدد افراد نے کی ہے۔ جب گھر آنے والے سرکاری اہلکاروں سے پوچھا کہ وہ یہ معلومات کیوں لے رہے ہیں تو اُنہوں نے بتایا کہ اس علاقے میں سٹیل مل بنی ہے جس کے لیے سروے کیا جارہا ہے۔ سنہ ۲۰۱۵ء میں مسلم لیگ ن کی حکومت نے چنیوٹ میں لوہے اور تانبے کے ذخائر دریافت ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس کے بعد اُس وقت کے وزیر اعظم نواز شریف نے دیگر حکام کے ہمراہ چنیوٹ کے علاقے رجوعہ

کا دورہ کیا تھا۔ مقامی رہائشی اورنگزیب ملک ایڈووکیٹ کا کہنا تھا کہ پہلے تو یہ کام سست روی کا شکار تھا لیکن گزشتہ برس اسسٹنٹ کمشنر چنیوٹ نے لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی سیکشن چار کے تحت ۱۰۸ ایکڑ زمین حاصل کرنے کا نوٹیفکیشن جاری کیا۔ ان کے بقول حاصل کی گئی زمین میں کوئی زیادہ آبادی نہیں تھی بلکہ صرف کچے مکانات اور زرعی اراضی تھی۔ اس حد تک تو ٹھیک تھا لیکن چند روز قبل ایک نیا مجوزہ نقشہ آیا ہے جہاں سروے کیا جارہا ہے۔ پنجاب منرل کمپنی (پی ایم سی) سے منسلک ماہرِ ارضیات حیدر نیاز کہتے ہیں کہ چنیوٹ کے علاقے میں ۲۶ کروڑ ٹن لوہے جبکہ ۹۰ لاکھ ٹن تانبے کے ذخائر ہیں۔ حیدر نیاز کا کہنا تھا کہ 'اس منصوبے کے لیے ۱۰۷ ایکڑ اراضی حاصل کر لی گئی ہے اور اگر ہم سٹیل مل کی طرف جاتے ہیں تو پھر ہمیں ۶۰۰ ایکڑ زمین مزید درکار ہو گی اور کان کنی کے لیے بھی ۱۰۰ ایکڑ اضافی زمین کی ضرورت پڑے گی۔ لوگوں کے تحفظات سے متعلق اُن کا کہنا تھا کہ جو بھی سرمایہ کار ہو گا یہ اُس کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ ماحولیاتی معاملات اور آبادی کے تحفظات دُور کرتے ہوئے ری لوکیشن پلان بنائے۔ ماضی میں ملک کے کئی شہریوں میں جس طرح پاکستان بننے سے قبل کی آبادیوں کو مسمار کر کے لوگوں کو بے گھر کیا جاتا رہا اور متبادل جگہیں بھی نہیں دی گئیں ایسے میں لوگوں کے خدشات درست معلوم ہوتے ہیں کہ انہیں اس منصوبے کی وجہ سے بے گھر ہونا پڑے گا۔ یہ بھی واضح رہے کہ نواز شریف خاندان کا اسٹیل کا کاروبار تاریخی طور پر پاکستان اور بیرونِ ملک دونوں جگہوں پر رہا ہے، جن میں اتفاق گروپ، گلف اسٹیل ملز (دبئی) اور العزیزیہ اسٹیل ملز (سعودی عرب) نمایاں ہیں۔ کاروبار سے منسلک سیاستدانوں کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ حکومتی وسائل اور اختیارات کو اپنے کاروبار کے پھیلاؤ کے لیے بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ اس میں زمینوں کا ارزاں نرخوں پر حصول ایک اہم ہتھکنڈہ تصور کیا جاتا ہے۔

بجلی پیدا کیے بغیر آئی پی پیز کو ۵ سال میں ۷۲۷۵ ارب روپے ادائیگی

دنیا نیوز میں شائع ہونے والی ذیشان یوسفزئی کی رپورٹ کے مطابق گزشتہ پانچ سالوں کے دوران بجلی گھروں کو ۱۳ ہزار ۳۹۷ ارب روپے ادا کیے گئے۔ دستاویزات کے مطابق حکومت نے پانچ سالوں کے دوران مالی سال ۲۰۲۲ء سے مالی سال ۲۰۲۶ء کے مارچ تک مجموعی طور پر بجلی کی پیداواری کمپنیوں کو ۱۳۳ کھرب ۹۷ ارب روپے سے زائد کی ادائیگیاں کیں۔ ان ادائیگیوں میں صرف ۶۱ کھرب ۲۱ ارب روپے سے زائد رقم بجلی کی اصل قیمت تھی، جبکہ باقی ۷۲ کھرب ۷۵ ارب روپے سے زائد رقم آئی پی پیز کو کیپسٹی پیمنٹس (Capacity Payments) کی مد میں ادا کی گئی۔ یعنی ۷۲ کھرب ۷۵ ارب روپے سے زائد رقم صارفین سے وصول کر کے بجلی گھروں کو اس لیے ادا کی گئی کہ انہوں نے بجلی پیدا ہی نہیں کی۔ گزشتہ پانچ سالوں کے دوران بجلی کی پیداواری لاگت میں کمی دیکھنے میں آئی ہے جبکہ کیپیسٹی پیمنٹس میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ بجلی گھروں نے جو اصل بجلی پیدا کی اس کے نرخ کم ہوتے گئے لیکن انہیں کیپیسٹی پیمنٹس کی مد میں ادائیگیوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ ان معاہدوں کے سبب بجلی کی بڑھتی قیمتوں نے جہاں ایک طرف پیداواری لاگت بڑھا کر پاکستانی مصنوعات کو عالمی منڈی میں مقابلے کے قابل نہیں چھوڑا، صنعتوں کو اور معیشت کو تباہی سے دوچار کیا وہی غریب عوام کی بھی کمر توڑ ڈالی۔ ایسے بے تحاشا واقعات رپورٹ ہو چکے ہیں جن میں غریب افراد نے بجلی کے بل سے تنگ ہو کر خودکشیاں کیں۔ حکومت تا حال اس مسئلے سے نمٹنے میں ناکام نظر آتی ہے یا شاید حکومت کی اپنی مرضی ہی نہیں ہے کہ اس معاملے کو درست کیا جائے۔ یہ بھی غور طلب ہے کہ پاکستان سے بہت سی غیر ملکی کمپنیاں چھوڑ کر جا چکی ہیں لیکن آئی پی پیز جونک کی طرح چمٹی ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ وہ بجلی فروخت نہ کر کے بھی معاہدے کے تحت بھاری کیپیسٹی پیمنٹ لے رہی ہیں۔

سینیٹر اور عوامی نیشنل پارٹی کے صدر ایمل ولی نے سینیٹ کی قائمہ کمیٹی کے اجلاس کے حوالے سے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ ایک آئی پی پی کمپنی جس کی ملکیت حکومت پاکستان کی ہے، اس نے عالمی عدالت میں حکومت پاکستان پر کیس کیا ہے۔

نیپال میں ہندوتوا نظریے کا پھیلاؤ اور مسلمانوں پر منظم حملے

نیپال سنساری ضلع میں ہندوتوا ہندو انتہا پسند تنظیموں کی ریلی میں اونچا میوزک بجانے پر پیدا ہونے والا تنازعے کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کی املاک، دکانوں اور گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ ایک ویڈیو میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ہندو انتہا پسند جتھے نے ایک مسلمان جوڑے کو جو اپنے چھوٹے بچوں کے ہمراہ موٹر سائیکل پر تھے کو روک کر انہیں جے شری رام کا نعرہ لگانے کو کہا جب مذکورہ فیملی نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو انہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ہندوتوا اور ہندو قوم پرست نظریہ نیپال میں کافی عرصے سے موجود ہے اور بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ نیپال ۲۰۰۸ء سے ایک سیکولر جمہوریہ رہا ہے، لیکن ہندو نواز نیٹ ورک سیکولرازم کو تبدیل کرنے اور نیپال کو ایک ہندو قوم کے طور پر بحال کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ راشٹریہ پرجاتنتر پارٹی (RPP) اور چھوٹے دھڑے نیپالی پارلیمنٹ اور عوامی زندگی میں ہندو نواز ریاستی ایجنڈے کو فعال طور پر آگے بڑھاتے ہیں۔ ہندوستانی ہندو قوم پرست تنظیموں بشمول آر ایس ایس نے اس کی مقامی الحاق، ہندو سویم سیوک سنگھ (HSS) کے ذریعے وشو ہندو پریشد (VHP) جیسے گروپوں کے ساتھ مل کر نچلی سطح پر ڈھانچے قائم کیے ہیں اور سرحدی شہروں میں ریلیاں نکالتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ آن لائن سوشل میڈیا پلیٹ فارم بھی مسلمانوں کے خلاف نفرت کے بیانیہ کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ مشہور صحافی سی جے ویرلیمین نیپال کے ان حالیہ واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ واقعات کوئی اتفاقیہ یا بے ساختہ نہیں تھے بلکہ اس کے پیچھے بھارتی ہندوتوا کی ایک صدی کی محنت ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ ہندو انتہا پسند ایک منصوبے کے تحت اپنے ہندو تہواروں کی ریلیاں مسلمانوں کی آبادیوں اور مساجد کے سامنے سے گزارتے ہیں اور وہاں فساد کر کے یہ ثبوت دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے جارحیت کا ارتکاب کیا۔ یہی ایودھیا میں ہوا، پھر اسے گجرات میں دہرایا گیا اور اب انڈیا کے بارڈر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر نیپال میں ہو رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

افغان باقی، کہسار باقی

یہاں احرار رہتے ہیں یہاں آزاد رہتے ہیں
یہاں پر ظالم و جابر سبھی برباد رہتے ہیں

جو رب کے دین کی تنفیذ کی خاطر نکل آئیں
وہ لاکھوں سر کٹا کر بھی ہمیشہ شاد رہتے ہیں

جنہیں ماضی میں تم نے بے وقوفی کا دیا طعنہ
تمہارے مالکوں کو اب وہ احمق یاد رہتے ہیں

جو قربانی نہ دے پائیں مگر اسلام کو چاہیں
وہ بس اعدائے دیں سے برسرِ فریاد رہتے ہیں

ہمارے دیس میں جتنی شریعت ہے غنیمت ہے
یہ سمجھاتے ہمیں کچھ صاحبِ ارشاد رہتے ہیں

مگر ان عقلمندوں کو کوئی جا کر یہ بتلا دے
ابھی کچھ قیس باقی ہیں ابھی فرہاد رہتے ہیں

جو گھر ویران ہو جائیں قمر اسلام کی خاطر
خدا شاہد ہے وہ محشر تلک آباد رہتے ہیں

مولانا نوید قمرؔ

رہبر و رہنما... مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ تو پہلے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ علم والا آیا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی اور شخص ایسا آ سکتا ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ علم رکھتا ہو! جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتا ہو، پھر اُس کو اِس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اس سارے دعوے کے بعد اگر وہ معاشیات سیکھنے کے لیے ایڈم سمتھ کی طرف رجوع کرتا ہے...... اور اگر وہ پولیٹیکل سائنس اور معاشرت کے امور سیکھنے کے لیے ہیگل، کانٹ اور رُوسو اور اِن جیسے اللہ کے دشمن اور اللہ کے منکر کافروں کے فلسفوں کی طرف رجوع کرتا ہے...... اور اگر وہ عسکریت سیکھنے کے لیے کلازوٹ کے ”رہنما اصولوں کی روشنی میں“ اپنی افواج کو ترتیب دیتا ہے...... اور اگر وہ دنیا کے حقائق جاننے کے لیے کہ کائنات کیوں بنی اور زندگی کے کیا مقاصد ہیں، اس کے لیے وہ ارسطو اور سقراط کی طرف رجوع کرتا ہے...... اسی طرح اگر وہ انسانی تخلیق کی حقیقت جاننے کے لیے ڈارون کی طرف رجوع کرتا ہے...... تو پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کا کیا مطلب ہوا؟؟؟ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے، اُس کے لیے تو اِن تمام امور میں رہنمائی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے ملتی ہے!“

اُستاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

از درس:

اَلنبیُ اَولیٰ بِالمُؤمِنِینَ مِن اَنفُسِھِم